اُردو املا و قواعد

(مسائل و مباحث)

ڈاکٹر فرمان فتح پوری

مقتدرہ قومی زبان ○ اِسلام آباد

اردو املا و قواعد

(مسائل و مباحث)

ڈاکٹر فرمان فتحپوری

مقتدرہ قومی زبان ○ اسلام آباد

۱۹۹۰ء

سلسلۂ مطبوعات : ۲۲۹

طبع اول : جون ۱۹۹۰ء

تعداد : ایک ہزار

قیمت : مجلد : ۷۵ روپے

: غیر مجلد : ۶۵ روپے

فنی تدوین : ڈاکٹر انعام الحق جاوید

طابع : محمد رمضان
کلیکسی پریس ، ۲ ۔ لنک میکلوڈ روڈ ، لاہور

ناشر : ڈاکٹر جمیل جالبی
(صدر نشین)
مقتدرہ قومی زبان ، ۱۶ ۔ ڈی (غربی)
بلیو ایریا ، ایف ۔ ۱/۶ ، اسلام آباد ۔

پیش لفظ

رموزِ زبان کے تعلق سے "اردو املا و قواعد" ایک اہم کتاب ہے جس میں ناسور زبان دانوں نے املا و قواعد کے بنیادی مسائل پر اظہارِ خیال کیا ہے۔ اس کتاب کے مطالعے سے نہ صرف اردو زبان کے مختلف و متنوع پہلو سامنے آتے ہیں بلکہ بہت سے ایسے رُخ بھی نمایاں ہوتے ہیں جن پر معیار بندی کے لیے خصوصی توجہ کی ضرورت ہے۔

ہر زبان استعمال سے بنتی، سنورتی اور آگے بڑھتی ہے۔ اردو زبان بھی مختلف موسموں میں صدیوں کا سفر طے کر کے اور گھاٹ گھاٹ کا پانی پی کر موجودہ منزل تک پہنچی ہے۔ اس میں جہاں مختلف علاقائی ثقافتوں اور زبانوں کا اثر نمایاں ہے وہیں املا و قواعد کے سلسلے میں بعض امور ایسے بھی ہیں جن میں ماہرینِ لسانیات مختلف آراء رکھتے ہیں، خاص طور پر عربی، فارسی اور دیگر غیر ملکی زبانوں کے جو الفاظ اردو میں جذب ہو چکے ہیں ان کے بارے میں شروع سے ہی بحثیں جاری ہیں کہ ان کی املا اور تلفظ اصل زبان کے مطابق ہو یا اردو قواعد کے مطابق۔ اسی طرح حروفِ متصل اور حروفِ منفصل کی تقسیم کی بنا پر یہ بات بھی بنیادی اہمیت کی حامل ہے کہ کون سے دو حروف کو جوڑ کر لکھنا درست نہیں ہے، ڈاکٹر فرمان فتحپوری نے اس کتاب میں جن مضامین کا انتخاب پیش کیا ہے وہ تقریباً ان ہی مسائل سے متعلق اور لسانی نقطۂ نگاہ سے خاص اہمیت کے حامل ہیں۔

املا و قواعد وہ بنیادی ستون ہیں جن پر کسی زبان کی پوری عمارت کھڑی ہوتی ہے اور ان مسائل میں متحد الخیالی نہ صرف زبان کی مقبولیت

کا باعث بنتی ہے بلکہ اس کے ارتقا میں بھی ممد و معاون ثابت ہوتی ہے ، چنانچہ مقتدرہ کی طرف سے شروع سے ہی اس موضوع کو خصوصی اہمیت دی جاتی رہی ہے اور زیرِ نظر کتاب بھی اسی نقطہ نگاہ سے پیش کی جا رہی ہے جس میں اصولی و نظری بحثوں اور دلائل و امثلہ کے ذریعے املا کے بعض حل طلب مسائل کی نشان دہی کی گئی ہے - امید ہے کہ زبان دانی اور املا و قواعد کا ذوق رکھنے والے اصحاب اور لسانی تحقیق سے متعلق طلبہ کے لیے یہ کتاب دلچسپی کا باعث ہوگی -

—— ڈاکٹر جمیل جالبی

فہرست مضامین

ڈاکٹر فرمان فتح پوری

کتاب سے پہلے

"ترقی اردو بورڈ کراچی" جس کا معروف نام اس وقت "اردو ڈکشنری بورڈ" ہے- ۱۹۵۸ء میں قائم ہوا تھا۔ دو سال بعد اس کی طرف سے ایک سہ ماہی جریدہ "اردو نامہ" جاری کیا گیا۔ ابتدائی شمارے میں بطور تعارف جو کچھ لکھا گیا ہے اس کی چند سطور یہ ہیں :

"اس ادارے کو قائم ہوئے اب دو سال ہو چکے ہیں ..... پہلا اور سب سے اہم کام جو حکومت نے اس ادارے کو تفویض کیا وہ اردو کی ایک جامع لغت کی تیاری تھی ------ بورڈ کی کارروائیوں کی بابت لوگوں کے بڑھتے ہوئے اشتیاق نیز اپنی ضروریات کے پیش نظر اس جریدے کا اجرا کیا گیا ہے تاکہ ہم اپنے مسائل پر اہلِ فکر سے استصواب کر سکیں اور مشتاقانِ اردو کو اپنی سرگرمیوں سے باخبر ہونے کا موقع دیں - ہم امید کرتے ہیں کہ علمی و ادبی حلقوں میں اس کا خیر مقدم کیا جائے گا - اس کے اوراق علمی و لسانی مباحث پر مفید مضامین کے لیے کھلے رہیں گے -"

(پہلا شمارہ اگست ۱۹۶۰ء)

اگست ۱۹۶۰ء میں پہلا پرچہ شائع ہوا - اس کے بیرونی سرورق پر مولوی سید احمد مولف فرہنگ آصفیہ کی شبیہہ کے ساتھ ممتاز حسن مرحوم کا نام بطور نگران ، جوش ملیح آبادی کا نام بطور مدیر اعلیٰ و مشیر ادبی اور شان الحق حقی صاحب کا نام بطور رکن و معتمدِ اعزازی درج ہے - فہرست مندرجات میں پہلا عنوان "تعارف" ہے - اس کے مقابل "ادارہ"

درج ہے ، بعد کے پرچوں کی بھی یہی صورت ہے گویا "تعارف" اردو نامے کے ادارے کا مستقل عنوان ہے اور اس کے تحت جو کچھ لکھا جاتا ہے۔ وہ ادارے کی جانب سے لکھا جاتا ہے۔ لیکن بعد کے شماروں میں "تعارف" کے آخر میں ش ، ح ، ح درج ہے۔ اس سے وضاحت ہو جاتی ہے کہ "تعارف" دراصل شان الحق حقی صاحب لکھتے تھے اور پہلا اداریہ بھی انہیں کا لکھا ہوا ہے۔

پہلا پرچہ $\frac{20 \times 30}{8}$ کے سائز میں چونسٹھ صفحات پر مشتمل ہے۔ چار صفحے ادارے کے لیے ، آٹھ صفحے اشتہارات کے لیے اور بقیہ صفحات مضامین کے لیے ہیں۔ خریداری کا زر سالانہ چار روپے اور قیمت فی پرچہ ایک روپے ہے۔ روشِ عام کے برعکس یہ جریدہ آردو ٹائپ میں چھپتا تھا اور جیسا کہ اس کے مقاصد میں درج ہے خالص علمی مضامین پر مبنی ہوتا تھا۔ ان مضامین میں بیشتر کا تعلق اردو املا ، رسم الخط ، صوتیات اور قواعد کے مسائل و مباحث سے ہوتا تھا۔ پرنٹر اور پبلشر کے تحت سید یوسف بخاری کا نام اور جریدے کا پتہ اس طور پر درج ہوتا تھا۔

"ترقی اردو بورڈ شاہراہ نیشنل پارک ، ڈرگ روڈ ، کراچی ۲۹"

بعد میں آردو بورڈ کے دفتر کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ "اردو نامے" کا پتہ بھی تبدیل ہوتا رہا۔

شمارہ نمبر ۲ سے اردو لغت کے نمونے بھی شائع ہونے لگے۔ یہ نمونے علمائے زبان و ادب کے زیر بحث رہے اور اس کے سلسلے میں لغت نویسی کے موضوع کے ساتھ ساتھ اردو زبان کے لسانی ، املائی اور قواعدی پہلوؤں پر بھی بہت کارآمد مضامین شائع ہوئے اور اہل علم و ادب کی دلچسپی اور توجہ کا مرکز بنے۔ بعد کو زبان کے مسائل سے آگے بڑھ کر ، ادبی تحقیق و تنقید سے متعلق مضامین بھی شائع ہونے لگے بعض شمارے بطور خاص نمبر بھی منظر عام پر آئے مثلاً شمارہ نمبر ۵۰ بابت مارچ ۱۹۷۵ء بیادِ ممتاز حسن مرحوم شائع کیا گیا ہے اگرچہ پورا پرچہ نہیں ، اس کا صرف ایک حصہ ان کے لیے

وقف ہے ۔ اس کے علاوہ اس میں ثقافت ، نقدالادب ، شخصیات و سوانح اور لسانیات کے زیر عنوان متعدد مقالے پورا پرچہ کچھ کم نو سو صفحات پر مشتمل ہے ۔

اگست ۱۹۶۰ء سے لے کر اپریل ۱۹۷۷ء تک اردو نامے کے کل چون (۵۴) شمارے شائع ہوئے ۔ آخری شمارہ نمبر ۵۴ ، میں بابت اپریل ، ادارۂ تحریر میں ڈاکٹر ابواللیث صدیقی مدیر اعلیٰ و محمد انزازی کا نام درج ہے ۔ یہ شمارہ بیادِ قائداعظم ہے اور قائداعظم سے متعلق مضامین و منظومات پر مشتمل ہے ۔ سرورق پر قائداعظم کی تصویر ہے اور اداریہ ، ابواللیث صدیقی کا لکھا ہوا ہے ۔ صفحات کی تعداد ایک سو ساٹھ ہے جس میں مضامین کے علاوہ لغت کا نمونہ بھی شامل ہے ۔

" اردو نامے " میں زبان اور مسائل زبان خصوصاً اردو زبان کے مسائل کے بارے میں بہت بیش قیمت مضامین شائع ہوئے ہیں اور ان سب کا مطالعہ ، زبان و ادب کے طالب علم کو بہت کچھ دیتا ہے ۔ ان مضامین کا ایک انتخاب زیر نظر کتاب میں دیا جا رہا ہے ۔ یہ مضامین مخصوص موضوعات یعنی املا و قواعد اور صوتیات سے متعلق ہیں اور بعض اہم گوشوں کو منور کرتے ہیں ۔

اس کتاب میں مضامین کا اندراج اسی ترتیب کے ساتھ کیا گیا ہے جس ترتیب سے وہ اردو نامے میں شائع ہوئے تھے ۔ اس لیے بعض بہت معروف اور کم معروف لکھنے والوں کے ناموں کی ترتیب ، ممکن ہے بعض حضرات کی نگاہ میں حفظ مراتب کے اعتبار سے مستحسن نہ ٹھہرے لیکن ایسا کرنا یوں ضروری تھا کہ کسی خاص موضوع پر اٹھائی ہوئی بحث کا تسلسل برقرار رہے اور مطالعے کے وقت قاری کا ذہن کسی مغالطے کا شکار نہ ہو ۔ انتخاب میں عموماً ان مضامین سے گریز کیا گیا ہے جنھوں نے جواب الجواب کی صورت اختیار کرلی تھی اور کبھی نہ ختم ہونے والی ایک لاحاصل بحث میں الجھے ہوئے تھے ۔

" اردو نامہ " نے سترہ سال کی زندگی پائی اور جب تک جاری رہا

اہل علم و ادب کی توجہ کا مرکز بنا رہا ۔ لغت ، زبان ، قواعد ، املا اور صوتیات کے مسائل پر درجنوں مضامین شائع ہوئے ۔ ان میں سے بیشتر بہت کارآمد ہیں ۔ زیر نظر کتاب میں جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا ہے مضامین کا انتخاب ایک خاص زاویے سے کیا گیا ہے اور انتخاب کو صرف چند موضوعات تک محدود رکھا گیا ہے ۔ بقیہ مضامین کی نشان دہی کے لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ اردو نامے کا مکمل شمارہ شائع کر دیا جائے ۔ انشاء اللہ یہ کام بھی جلد منظر عام پر آ جائے گا کہ کام کا آغاز کر دیا گیا ہے ۔

(فرمان فتح پوری)

خلیق نقوی

اردو املا کے مسائل

تدوین لغت کے سلسلے میں ایک نہایت اہم اور بنیادی مسئلہ املا کا ہے - اس سوال کا جواب کہ ہماری لغت میں املا کا طور و طریق کیا ہو، اتنا آسان نہیں ہے - کیونکہ املا کے ذیل میں اختلافات اس درجہ پائے جاتے ہیں کہ کسی ترقی یافتہ زبان میں اس کا تصور بھی مشکل ہے - بعض بے ضابطگیاں تو ایسی ہیں کہ جنھیں اچھے خاصے اہل علم بھی روا رکھتے ہیں - اس میں شک نہیں کہ اس مسئلہ پر وقتاً فوقتاً توجہ کی جاتی رہی ہے، لیکن یہ بات اب تک حاصل نہ ہو سکی کہ یہ اختلافات یک قلم مٹ جاتے اور دوسری زبانوں کی طرح اردو کے املا میں بھی یکسانی و یک رنگی پیدا ہو سکتی - آج بھی اردو میں بے شمار الفاظ کا املا شخصی پسند و اختیار پر موقوف ہے - کوئی طوطا لکھتا ہے تو کوئی توتا، کوئی بدلہ (ہ) کے ساتھ لکھتا ہے تو کوئی الف سے، کوئی تیار (مستعد) میں ت لکھتا ہے تو کوئی ط - غرض اس معاملے میں متحدالخیالی تقریباً مفقود ہے جس کے وجوہ و اسباب کا استقصا فی الحال ہمارے پیش نظر نہیں، البتہ اتنی بات سمجھ لینی چاہیے کہ اس کی ایک بڑی وجہ یہ ہی ہو سکتی ہے کہ اردو میں برابر دوسری زبانوں کے الفاظ داخل ہوتے رہے اور ہمارے بزرگوں نے انھیں یا تو جوں کا توں لکھنا شروع کر دیا یا اگر کہیں کچھ تصرف بھی کیا تو کسی اصول یا ضابطے کے تحت نہ کیا - اس کے برعکس جہاں کہیں انھوں نے معنوی تصرفات کیے ہیں، اپنانے کا سلیقہ حد درجہ پایا جاتا ہے -

املا کے بارے میں ایک معتبر قول یہ ہے کہ جس طرح بولو اسی طرح لکھو لیکن اس اصول کی پوری پوری پابندی میں جو قباحتیں اردو میں پیش آ سکتی ہیں انھیں آسانی سے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا - اگر دیکھا جائے تو اس اصول کی کامل پیروی دوسری زبانوں میں بھی مشکل ہی سے

نظر آئے گی ، مثال کے طور پر عربی میں بعض حروف لکھے جاتے ہیں مگر پڑھے نہیں جاتے۔ اسی طرح انگریزی زبان میں بعض حروف ساکت ہوتے ہیں ، جیسے Catch, Fetch, Thatch میں T اور psalm میں p اور L اور Psychology میں P ساکت ہے کہ لکھی تو جاتی ہے مگر تلفظ میں نہیں آتی -Ch سے کبھی (چ) کبھی (ش) اور کبھی (ک) کی آواز نکلتی ہے ، جس سے یقیناً املا میں پیچیدگیاں ہی پیدا ہو سکتی ہیں۔

اردو میں بے شمار الفاظ عربی ، فارسی سے مستعار ہیں اور ظاہر ہے کہ عربی کے بعض حروف کی صحیح آوازیں ، اگرچہ وہ ہمارے حروف تہجی میں شامل ہیں ، ہمارے یہاں نہیں پائی جاتیں۔ مثلاً ا ، ع۔ ت ، ط۔ ح ، ہ۔ ز ، ذ ، ض ، ظ یا س ، ص ، ث کا تلفظ ہم یکساں طور پر ہی کرتے ہیں۔ لیکن اردو میں کثرت سے ایسے الفاظ موجود ہیں جن میں ان حروف کا استعمال ہوتا ہے - دراصل یہاں لہجے کے فرق کو نظر انداز کرکے لفظ کی اصل ہیئت کو برقرار رکھا گیا ہے۔ ایسی مثالیں دوسری زبانوں میں بھی ملتی ہیں ، مثلاً انگریزی میں غنہ کی آواز موجود نہیں ، مگر فرانسیسی الفاظ مثلاً contretemps یا embonpoint انگریزی لغت اور ادب میں موجود ہیں اور ان کا املا بھی فرانسیسی انداز پر ہی کیا جاتا ہے۔ اگر ہم مذکورۂ بالا حروف میں سے صرف ا ، ت ، ز ، س اور ہ ہی کو چھانٹ لیں اور عربی اور دوسری زبانوں کے تمام الفاظ میں ان ہی پانچ حروف کو استعمال کریں تو بہت سی قباحتیں پیش آئیں گی جن میں سے چند ایک یہ ہیں :

(۱) ہماری زبان سر تا سر مسخ ہو جائے گی اور اب تک کا ادب ہماری آئندہ نسلوں کے لیے ایک دفتر بے معنی ہو کر رہ جائے گا۔

(۲) ہمارے لیے کسی لفظ کے مادے یا اصل کا کھوج لگانا تقریباً ناممکن سا ہو جائے گا۔

(۳) اگرچہ عربی الفاظ سے ہم نئے لفظ کم ہی تراشتے یا وضع کرتے ہیں۔ لیکن پھر بھی طوق سے طوقیا ، قبول سے قبولنا ، شروع سے شروعات ، شوق سے شوقین ، خدمت سے خدن ، غلط سے غلطی اور انتقاد سے تنقید ، ایسے بہت سے الفاظ ہم نے بنا لیے ہیں ، البتہ اس صورت میں ہمارے لیے نئے الفاظ تراشنا یا وضع اصطلاحات میں مدد لینا تقریباً ناممکن ہوگا۔

(۲) زبان نہ صرف بد ہیئت بلکہ بے مزہ بھی ہو جائے گی ۔ کیونکہ لفظوں کی صوت یا جھنکار اگر شعری و ادبی فکر کو انگیز کرتی ہے ، تو الفاظ کی صورت یعنی املا بھی معنوی زرخیزی کا باعث ہوتا ہے ۔ اس تبدیلی سے ہمارے بہت سے علوم و فنون مثلاً جمل ، بیان ، بدیع وغیرہ مجروح یا مہمل ہو کر رہ جائیں گے ۔

حقیقت یہ ہے کہ 'جس طرح بولو اسی طرح لکھو' کی پیروی ہمارے لیے بعض جگہ تو نہایت مفید ہی نہیں بلکہ ضروری ہوگی جیسے ٹھیٹ اردو یا ہندی الفاظ میں اور بعض جگہ ہمارے ادب کے لیے نہایت خطرناک ۔ اس لیے عربی کے ان حروف میں سے جنھیں ہم بدقت ہی ادا کر سکتے ہیں کوئی حرف اردو سے خارج نہیں کر سکتے ۔

املا کے ذیل میں بہت سے مسائل آتے ہیں ، جنھیں ہم سہولت کی خاطر دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں ۔ پہلی قسم ان مسائل کی ہے جو فنی کہے جا سکتے ہیں یعنی جن کا تعلق (الف) حروف علت کی بعض آوازوں کے لیے نئی علامتوں کے تعین سے ہے ، مثال کے طور پر لفظ احوال ہی لے لیجیے ۔ یہاں نہ ہم زبر اول سے بولتے ہیں اور نہ زیر اول کے ساتھ بلکہ ایک درمیانی آواز ہے ۔ جس کے اظہار کے لیے ہمارے یہاں کوئی علامت نہیں ۔ اسی صورت سے واو مسروق ، واو مجہول اور واو مخلوط (جیسے سوانگ یا سوامی میں) یا یے معروف ، یا یے مجہول (جب کہ لفظ کے درمیان میں آئے) اور یا یے مخلوط (جب کہ دوسرے حرف سے مل کر آواز دے جیسے پیاس ، پیاز یا کیا میں) کی پہچان کے لیے ہمارے یہاں کوئی نشان متعین نہیں (ب) مسائل کی اس شق کا تعلق علامات اوقاف کے تعین سے بھی ہے جو چند ایک کو چھوڑ کر اب تک اردو میں عام نہیں ہو سکی ہیں ۔ اس میں شک نہیں کہ بعض ان کے استعمال پر مصر ہیں مگر اکثر اس معاملے میں بے پروائی ہی برتتے ہیں ۔

مسائل کی دوسری قسم علمی ہے ، جس کے دو جزو ہیں : پہلے جزو کا تعلق الفاظ کے ہجا (Spelling) سے ہے یعنی کس لفظ میں کس جگہ کون سا حرف استعمال کیا جائے اور دوسرے جزو کا تعلق تلفظ اور بناوٹ کے لحاظ سے الفاظ کی لکھوٹ سے ہے ، مثلاً کتابت میں گڑمبا صحیح ہے اور

گڑم یا غلط ، اسی صورت سے یکرنگی کے مقابلہ میں یک رنگی زیادہ صحیح لکھت ہے کیونکہ ان مرکب الفاظ کے دونوں جزووں میں تلفظ کے لحاظ سے ادغام یا اتصال اور لکھت کے لحاظ سے انفصال ضروری ہے ۔ حروف منفصل اور حروف متصل کی تقسیم کی بنا پر یہ بات کافی غور طلب بن جاتی ہے[۱]۔

فی الحال ہمارے پیش نظر صرف وہ مسائل ہیں جن کا تعلق الفاظ کے ہجاً سے ہے (اس سلسلے کی تحقیقات کے لیے ضروری ہے کہ کام کو دو حصوں میں بانٹ لیا جائے) ۔ کام کے پہلے جزو کا تعلق اس سوال کے جواب سے ہو کہ اردو میں املا کے قواعد و ضوابط کیا ہیں ۔ دخیل اور ٹھیٹ اردو الفاظ کا املا کس طور پر کیا جائے ۔ دوسرے جزو کا تعلق ایسے الفاظ کی جمع و تلاش سے ہو جن کا املا اصول و قواعد کے باوجود مختلف فیہ ہی سمجھا جائے اور جن کے متعلق آسانی سے فیصلہ ممکن نہ ہو یا اہل علم کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہو ۔ ان میں سے بہت سے الفاظ کا املا اہل علم کی بحث و تمحیص کی روشنی میں طے پا جائے گا اور بالفرض گنتی کے کچھ الفاظ کے بارے میں ایک سے زیادہ وزنی رائیں ہوئیں تو اس میں کوئی مضائقہ نہ ہوگا کہ ان کے املا کی متبادل صورتیں باقی اور قائم رہیں ۔

سب سے زیادہ دشواری ان الفاظ کے املا میں پیش آتی ہے ، جنھیں مورد کہا جاتا ہے ، اگرچہ یہ بات خود اپنی جگہ غور طلب ہے کہ وہ کون سے الفاظ ہیں جنھیں ہم مورد سے تعبیر کریں ۔ آیا وہ الفاظ ۔

(الف) جن میں معنوی تصرف ہو ، مگر تلفظ کا فرق نہ پایا جائے ۔

(ب) جن کے تلفظ میں تصرف تو ہو ، مگر معنوی فرق نہ پایا جائے ۔

(ج) جس میں معنی اور تلفظ دونوں کا تصرف پایا جائے ۔ یا

(د) جو اردو میں بہت زیادہ گھل مل گئے ہیں اگرچہ تلفظ اور معنی میں کوئی تصرف نہیں پایا جاتا ۔

۱۔ اس سلسلے میں انجمن ترقی اردو (ہند) کے اجلاس منعقدہ ۲۲ مارچ ۱۹۴۳ء میں کمیٹی اصلاح رسم خط نے اپنی تجاویز پیش کی تھیں جن میں سے اکثر تجاویز مجلس ذیلی کل ہند اردو کانفرنس ناگ پور نے ۲۱ جنوری ۱۹۴۴ء کو منظور کیں اور بعد کو مجوزہ رسم خط کے مطابق کتابیں بھی لکھی گئیں ۔

تلفظ کے سلسلے میں ان حروف کے لہجوں کو جنھیں ہم آسانی سے ادا نہیں کر سکتے نظر انداز کرنا ہی ہوگا۔ بعض جگہ تصرف ایسا بھی ہو سکتا ہے جو اس زبان کے کسی قاعدے کے مطابق ہو جس زبان کا وہ اصلاً لفظ ہے، اگرچہ وہ مخصوص تصرف اس زبان میں متعارف و معمول نہ ہو۔ اس بے احتیاطی کو بھی تصرف ہی کہا جا سکتا ہے جو عربی یا فارسی سے اردو میں الفاظ لیتے وقت برتی گئی اور یہ خیال نہ کیا گیا کہ صرف و نحو کا لحاظ رکھتے ہوئے وہ اردو میں کس طرح سموئے جا سکتے ہیں۔ اس قسم کی بے احتیاطیاں فارسی والوں نے بھی عربی الفاظ کو اپناتے وقت کی تھیں۔

اب ذیل میں املا سے متعلق چند ایسے مسائل[1] پیش کیے جاتے ہیں جو مجلس مرتبین لغت اور دوسرے اہل علم کی توجہ و تصفیہ کے محتاج ہیں۔

(۱) حسب ذیل الفاظ مختفی (ہ) سے لکھے جائیں یا الف سے۔

(الف) ٹھیٹ اردو ہندی الفاظ مثلاً باڑا (باڑہ)، پتا (پتہ)، پیسا (پیسہ)، پنجرا (پنجرہ)، پٹاخا (پٹاخہ)، پسینا (پسینہ)، مہینا، (مہینہ)، چھاپا (چھاپہ)۔

(ب) اسمائے معرفہ جیسے کلکتہ، آگرہ، مغل پورہ۔

(ج) ایسے الفاظ جو یورپی زبانوں سے اردو میں آئے ہیں۔ جیسے ڈراما، فرما، مارکا۔

(د) ایسے الفاظ جو فارسی یا عربی سے نکلے تو ہیں مگر خود ان زبانوں میں ان کا وجود اس ہیئت میں نہیں پایا جاتا یا جن میں اردو والوں نے کوئی تصرف کر لیا ہے۔ جیسے بدلا (بدلہ)، بے فکرا (بے فکرہ)، نودولتا (نودولتہ)، بعضا (بعضہ)، دو ماہا (تصرف کی صورت)۔

(ہ) ایسے الفاظ جو ایک اردو اور ایک فارسی یا عربی جزو سے بنے ہیں: پچ رنگا (پچ رنگہ)، تماھا (تمھاہ)۔

---

۱ - ان مسائل کی چھان بین ڈاکٹر عبدالستار صدیقی کے "اردو املا" مطبوعہ ہندوستانی جولائی سنہ ۱۹۳۶ء سے خاص طور پر استفادہ کیا گیا ہے۔ (خ - ن)

(۲) (الف) وہ الفاظ جو خود عربی یا فارسی میں الف سے لکھے جاتے ہیں انھیں ہ سے اور جو ہ سے لکھے جاتے ہیں انھیں الف سے لکھنا کہاں تک درست ہے، مثلاً خارا کو خارہ، آشکارا کو آشکارہ، حلوا کو حلوہ، سقا کو سقہ، مزہ کو مزا، معا کو معمہ، مربا کو مربہ، سکتہ کو سکتا یا گلہ کو گلا وغیرہ۔

(۳) ایسے الفاظ کا املا فارسی طرز پر ہو یا عربی طرز پر جو اردو میں فارسی کی وساطت سے آئے ہیں اور جن میں فارسی والوں نے کچھ تصرف کر لیا ہے مثلاً "جزء" (حصہ) بغیر واو یا "جزو" واو کے ساتھ۔

(۴)[1] (الف) جن الفاظ میں الف بصورت (ی) یا الف بصورت (و) آتا ہے انھیں عربی طرز پر لکھا جائے یا تنہا الف سے۔ مثلاً زکوٰۃ یا زکاۃ (زکات)، اعلیٰ یا اعلا (ایسے الفاظ جنھیں فارسی یا خود عربی میں تنہا الف سے لکھتے چلے آئے ہیں یقیناً مستثنیات میں سے ہیں جیسے دنیا، عصا، تمنا، تماشا، تقاضا، ماجرا، معا وغیرہ۔ بعض الفاظ میں اردو والے الف بصورت (ی) لکھتے ہیں۔ حالانکہ ان کا تنہا الف سے لکھا جانا صحیح ہے۔ مثلاً استعفا، ارتضا اصطفا، اجتبا۔

(ب) جن الفاظ کے کسی حرف پر کھڑا زبر (الف بطنی) آتا ہے، انھیں دو طرح سے لکھتے ہیں۔ مثلاً اسحٰق، اسمٰعیل یا اسحاق، اسماعیل۔ پہلا طریقہ قدیم ہے جو بڑی حد تک متروک ہے۔ مثلاً سلیمان کو سلیمٰن کوئی نہیں لکھتا۔ بعض صرف ایک ہی طرح سے لکھے جاتے ہیں۔ مثلاً ہٰذا، الٰہ، الٰہ آباد وغیرہ۔ آیا ان مستثنیات کے باوجود قدیم طرز کو کلیتہً متروک قرار دے دینا مناسب ہوگا۔ (انجمن ترقی اردو کا فیصلہ ہے کہ ایسے تمام الفاظ جدید طرز پر لکھے جائیں یعنی زکواۃ کو زکات، اعلیٰ کو اعلا اور اسمٰعیل کو اسماعیل لکھا جائے)۔

(۵) (الف) جن عربی الفاظ میں مدور (ۃ) کی آواز اردو میں تائے طویلہ ہے، اس کی شکل گول (ۃ) کی ہو یا لمبی ت کی۔ جیسے زکوٰۃ،

---

[1] ۔ اس مسئلہ کا تعلق رسم الخط سے بھی ہے۔

صلوۃ وغیرہ میں (اکثر الفاظ کے ساتھ اردو اور فارسی میں ت ہی لکھی جاتی ہے لیکن ایسے الفاظ بھی ہیں جن میں عربی طرز املا کا لحاظ رکھا جاتا رہا ہے) ۔ (انجمن ترقی اردو کا فیصلہ ہے کہ ایسے تمام الفاظ ت سے لکھے جائیں) ۔

(ب) جن عربی الفاظ کے آخر میں مدور (ۃ) ہے ، ان پر تنوین دیتے وقت آخر میں ایک الف زائد کر دینا کہاں تک درست ہے ۔ مثلاً قدرت سے قدرتاً ، دفعہ سے دفعتاً ۔

(۶) فارسی اور ترکی کے بعض الفاظ ت کے بجائے ط سے بھی لکھے جاتے ہیں ۔ جیسے طپیدن ، طشت ، طوطی ، طشتری ، طباشیر وغیرہ ۔ کیا ان الفاظ کو ت سے لکھنا زیادہ صحیح ہوگا ؟

(۷) بعض جگہ فارسی والوں نے س کی جگہ ص اور ص کی جگہ س لکھنا شروع کر دیا ہے ۔ جیسے "اصطخر" کہ پہلوی میں "ستخر" تھا یا "صد" کہ دراصل "سد" تھا (چنانچہ فارسی امروز میں سد بمعنی قرن) ، "صینی" چین (صین) سے بنا مگر فارسی میں عموماً سینی ہے اور "شصت" کا املا دونوں طرح کیا جاتا ہے ۔ آیا ایسے الفاظ کا کون سا املا اردو میں قابل ترجیح ہوگا ۔

(۸) پیش یا زیر ظاہر کرنے کے لیے بعض الفاظ میں پہلے (و) یا (ی) لکھتے تھے مثلاً اوس ، اودھر ۔ ایدھر جو اب متروک ہے ، البتہ بعض الفاظ کو اب بھی (و) کے ساتھ اور بغیر (و) دونوں طرح لکھتے ہیں ، جیسے ہندوستان (ہندستان) ، گودام (گدام) ، دولارا (دلارا) اس طرح (ی) کے ساتھ اور بغیر (ی) بھی ، جیسے جیوں تیوں (جوں توں) ۔ آیا ایسے الفاظ میں (و) یا (ی) کی تخفیف قابل ترجیح ہے ۔ (وہ صورت اس سے جدا ہے جہاں فارسی الفاظ میں خاے معجمہ کے بعد واو معدولہ آتا ہے جیسے خواب ، خور ، خود ، خویش ، خوش وغیرہ میں کیونکہ اوستا میں (خو) ایک مخصوص صوت تھی جسے پہلوی میں خاء و واو معدولہ سے ادا کیا گیا ۔ (سبک شناسی ج ۱ : ص ۸۲) ۔

(د) بعض اہل علم خربزہ اور تربز لکھتے ہیں ، مگر محمد حسین آزاد (سخندان فارس) نے ان الفاظ کے اردو تلفظ کا لحاظ رکھتے ہوئے خربوزہ اور

تربوز لکھا ہے ۔ کیا ان فارسی الفاظ کے املا میں جن کا تلفظ اردو میں آ کر کچھ بدل گیا ہے اس قسم کا تصرف جائز نہ ہوگا ؟

(۹) دو چشمی (ھ) کا استعمال کہاں ہونا چاہیے ؟

(الف) آیا اس جگہ جہاں کسی دوسرے حرف کے ساتھ مل کر آواز دے ورنہ ہائے ہوز ، جیسے بھائی اور بہائی ۔

(ب) آیا جہاں دو (ہ) ایک ساتھ آئیں ، پہلی (ہ) کو دو چشمی (ھ) لکھنا مناسب نہ ہوگا ؟ جیسے قہقہہ ، دو ماہہ ، سہ ماہہ وغیرہ ۔

(۱۰) آیا حسب ذیل صورتوں میں ہمزہ (ء) لکھا جانا ضروری ہے ۔

(الف) جب کہ لکھا جائے اور پڑھا نہ جائے ۔ جیسے ضوء ، شیء ضیأ میں ۔ (اس کے ساتھ وہ صورت بھی نظر میں رہنی چاہیے جب کہ ایسا لفظ تنہا نہ آئے بلکہ کسی مرکب میں یا فقرے میں آئے ، جیسے ثناء اللہ ، انشاء اللہ وغیرہ) ۔

(ب) جب کہ بطور حرکت کسی حامل حرف کے ساتھ آئے ۔

(اول) بصورت الف جیسے جرأت ، تأخر ، توأم میں ۔

(دوم) بصورت واو جیسے مؤدب ، مؤنث ، مؤثر میں ۔

(۱۱) آیا اضافت کے وقت ان الفاظ کے بعد جن کے آخر میں الف یا واو ہے ، بڑی (ے) بغیر ہمزہ لکھنا چاہیے مثلاً دانائے روزگار ، خوے دوست ، علماے کرام ۔ (واضح رہے کہ اکثر اہل علم عربی کے ان الفاظ میں جن میں ہمزہ پایا جاتا ہے ، ہمزہ کے نیچے کسرہ دے دیتے ہیں ۔ جیسے علماءِ کرام ، ابتداء آفرینش وغیرہ) ۔

(۱۲) ہندی اردو الفاظ میں ہمزہ کا استعمال کس جگہ صحیح ہوگا اور کہاں غلط ؟

(الف) آیا دو حرف علت کے بیچ میں صحیح ہوگا جب کہ دونوں کی آوازیں مختلف ہوں مثلاً آ ء و ، جاءو ، لاء وں ، کھاء وں، آئے ، جائے میں ۔

(ب) آیا دو حرف علت کے بیچ میں جائز نہ ہوگا جب کہ دونوں کی آوازیں مل کر ایک آواز دیتی ہوں : مثلاً بناو سنگار ، داو پیچ ،

کھاو یا گاے ، چاے ، راے ، ھاے یا دیو ، سیو وغیرہ میں ۔

(ج) آیا ہمزہ اسی صورت میں آئے گا جب کہ اس سے پہلے حرف پر زبر ہوگا اور اگر زیر ہوگی تو نہ آئے گا اور اس کے بجاے (ی) لکھنا صحیح ہوگا ۔ مثلاً لیے (ہر دو معنوں میں) لیجیے ، دیجیے میں (ی) اور گئے میں ہمزہ ۔

(د) فارسی میں جز یا بجز تو مقطوع الاضافت ہیں مگر سوا (غیر) کو جب حرف استثنا کے طور پر استعمال کرتے ہیں تو سواے لکھتے ہیں اور اسی طرح بجاے ۔ اردو میں یہ الفاظ جوں کے توں لے لیے گئے ہیں (سوا یا ماسوا البتہ دونوں طرح آتے ہیں اور اس کثرت سے مستعمل ہیں کہ اب یہ کہنا مشکل ہے کہ اردو میں یہ صورت صحیح نہیں) ۔آیا ایسے الفاظ کا املا آئے اور جائے کی طرح ہمزہ کے ساتھ کیا جائے یا بغیر ہمزہ کے ۔

(۱۳) آیا حسب ذیل صورتوں میں ہمزہ چھوڑ جانا غلط ہے ۔

(الف) مثلاً لکھنؤ کو لکھنو لکھنا ۔

(ب) ہندوؤں ، بیواؤں ، دایاؤں کے بجائے ہندووں یا ہندوں یا بیووں اور دایوں لکھنا ۔

(۱۴) جب نون غنہ کے بعد ب آئے اور م کی آواز پیدا ہوتی ہو ، جیسے انبیا تلفظ میں (امبیا) یا (امیا) ہے اور نبیب (نیم) ، تو م لکھنا درست ہوگا یا ن ب ۔ اسی صورت سے فارسی الفاظ جیسے شنبہ ، تنبورہ کے املا میں م آنی چاہیے یا ن جیسا کہ فارسی میں لکھا جاتا ہے ؟

(۱۵) بعض فارسی الفاظ کو "ز" سے لکھنا چاہیے یا "ذ" سے مثلاً گذر یا گزر گزارش یا گذارش ، آذر یا آزر ، پذیرا یا پزیرا ۔ (ذ اور ز کے بارے میں کافی اختلافی بحثیں رہی ہیں ، لیکن یہ بات پایہ ثبوت تک پہنچ چکی ہے کہ ذ کی آواز عربی کے ساتھ ہی مختص نہیں ، ایران کی قدیم زبانوں مثلاً اوستا میں بھی یہ آواز پائی جاتی تھی ۔ سبک شناسی ج ۱ ، ص ۱۹۲) ۔

(۱۶) اردو کے جن مصادر میں ایک نون (نا) کا اور ایک پہلے جزو کا، دونوں ایک ساتھ آتے ہیں، انھیں تشدید کے ساتھ لکھنا صحیح ہوگا یا ن کی تکرار کے ساتھ۔ مثلاً بننا، تننا یا بنا، تنا۔

(۱۷) آیا حسب ذیل صورت میں یا الف کی جگہ ے لکھنا صحیح ہوگا۔

(الف) اردو تلفظ میں جہاں امالہ آئے جیسے دو بچے کھیل رہے تھے (بحالت جمع) یا بچے نے سبق پڑھا، کتے کو مت چھیڑ۔ اس واقعے سے عبرت پکڑنی چاہیے (بحالت واحد) یا جیسے پتے بازی، دھوکے کی ٹٹی وغیرہ۔

(ب) اسمائے معرفہ میں بھی یہ تبدیلی صحیح ہوگی؟ جیسے آگرے کے جوتے مشہور ہیں، بندے علی کو بلاؤ۔

(۱۸) بعضے الفاظ جن میں نون غنہ ہے کئی طرح سے لکھے جاتے ہیں۔ ان میں سے کون سی صورت تلفظ سے قریب تر ہونے کی بنا پر صحیح ہے؟ مثلاً — کنوا یا کنواں یا کوان؟ (بعض "کنوا" کو ترجیح دیتے ہیں اسی طرح "کانو" "پانو" زیادہ صحیح سمجھتے ہیں۔ کیونکہ ان کا کہنا ہے کہ نون غنہ صرف پہلے بول Syllable پر ہے دونوں پر نہیں ہے۔ غالب کے نزدیک پانو لکھنا غلط ہے)۔

(۱۹) (الف) بعض لوگ (۱۱ سے ۱۸ تک) گنتی کے لفظوں کے آخر میں الف لکھتے ہیں جیسے گیارا اور بعض اصلی اور ملفوظی (ہ) کے ساتھ یعنی گیارہ، بارہ مذکورہ بالا صورتوں میں سے کون سی صورت صحیح ہے؟

(ب) اسی صورت سے بعض لوگ "دونوں" کو "دونو" بغیر غنہ لکھتے ہیں۔ ان میں سے کون سا املا درست ہے؟

(ج) اگر منادی جمع ہو تو اس کے آخر میں نون غنہ لکھنا صحیح ہوگا یا غلط۔ یعنی "اے لڑکوں" لکھنا درست ہوگا یا "اے لڑکو" "صاحبو" "دوستو" وغیرہ۔

(۲۰) ان عربی الفاظ کو جن پر تنوین آتی ہے دو زیر یا دو زبر یا دو پیش سے لکھا جائے یا مطلوبہ حرکت کی علامت دے کر ن سے۔ مثلاً فوراً یا فورن نسلاً بعد نسل یا نسلن بعد نسلن، وغیرہ (بعض اوقات منون

ہمزہ ہوتا ہے ایسی صورت میں دو الف لکھنے ہوں گے یعنی ابتداء دو ابتداان؛ ۔

(۲۱) مندرجہ ذیل' الفاظ کا املا ایک سے زیادہ صورتوں میں رواج پا گیا ہے ۔ بعض کا مختلف فیہ بھی ہے ۔ ان میں سے کون سی صورت صحیح یا قابل ترجیح ہے ؟

اکا ، یکہ

(۱) تاش کا پتا (۲) سواری کا نام (۳) تنہا (۴) اکا دکا ۔

ملیدا ، ملیدہ

(فارسی لفظ مالیدہ ہے ، مگر فارسی الفاظ میں الف کا حذف جائز ہے جیسے اسوار سے سوار ، یا باغداد سے بغداد ہو گیا ، اسی طرح اردو والوں نے الف حذف کر کے مالیدہ کو ملیدہ بنا لیا ۔ اگر یہ تصرف قاعدے کے مطابق ہے تو اس کا املا ملیدہ ہی ہونا چاہیے اور اگر اسے مورد خیال کیا جائے تو ملیدا) ۔

زردا ، زردہ

(کھانے کا تمبا کو یا میٹھے چاول)

خط شفیعا ، خط شفیعہ

(خط شفیعہ لکھنا غلط ہوگا کیونکہ شفیعا ایک شخص کا نام ہے جو اس خط کا موجد تھا) ۔

آزوقہ ، آذوقہ

(یہ لفظ فارسی ہے ، اور اس کا املا ز سے صحیح سمجھا جاتا ہے مگر ایک تحقیق یہ بھی ہے کہ سنسکرت لفظ اجیوکا سے آذوغہ (بذال معجمہ) بنا ۔ (سبک شناسی ج ۱ ص ۸۲) ذ اور ت کی آوازیں ساسانیوں کے عہد میں بھی پائی جاتی تھیں ۔ یہ آوازیں فارسی میں بعد کو گری ہیں بعض الفاظ میں ذ اب تک دیکھنے میں آتی ہے ۔

---

۵ یہ کوئی مکمل فہرست نہیں ۔ ایسے اور بہت سے الفاظ ہیں جن کے املا میں اختلاف پایا جاتا ہے ۔ (خ ۔ ن)

آزر (حضرت ابراہیم کے چچا کا نام)

(لفظ آذر سے اس کا کوئی تعلق نہیں) -

زات ، ذات

(عربی میں ذات کے معنی نفس یا شخص کے ہیں ، نژاد یا قوم کے نہیں ہیں - کہا جاتا ہے کہ یہ لفظ سنسکرت لفظ جات سے نکلا ہے ، عربی لفظ ذات سے اس کا کوئی تعلق نہیں) -

لمبردار ، نمبردار - زرا ، ذرہ ، ذرا

[اختلاف اللسان (وجاہت جھنجھاوی) میں اس پر بحث یکجا ملتی ہے] -

ازدحام ، ازدھام ، اژدھام ، اژدحام - چھے ، چھ ، چھہ -

کیونکے ، کیونکہ (مثلاً - نہ جانوں کیونکے مٹے (یعنی کیونکر) داغ طعن بد عہدی - غالب) -

دکان ، دوکان ، خرد ، خورد

گرم مصالح ، گرم مصالحہ ، گرم مسالا -

(سرسید مرحوم نے خطبات میں گرم مصالح لکھا ہے) -

منھ ، منہ ، مونھ - ناتا ، ناطہ

(ابوالکلام آزاد نے غالباً اس لفظ کا رشتہ نوط سے جوڑ کر ط اور مختفی ہ سے لکھا ہے) -

عضلہ (پنڈلی کا گوشت) ادلا حضیرہ (ایک طرح کا اجتماع ، میلا جو بدایوں اور دیگر اضلاع میں سالار مسعود غازیؒ کی یادگار میں ہوتا ہے) - ضربیہ (آگرے یا دہلی میں پنواڑیوں کا بازار یا محلہ) -

یہاں یہ دقت پیدا ہوتی ہے کہ اردو میں ض کا تلفظ (ذ) کی طرح نہیں بلکہ ز کی طرح کرتے ہیں - اگر ایسے الفاظ کو عربی طرز پر لکھا جائے تو اردو تلفظ کو کس طرح ظاہر کیا جائے -

(اردو نامہ کراچی اگست ۱۹۶۰ء)

عبدالستار

املا و تلفظ

مختلف زبانوں کے جو الفاظ اردو میں مستعمل ہیں اُن کے املا اور تصرف کیے جانے کے متعلق کچھ اصول اور ضوابط مرتب کرنے چاہئیں۔ مثلاً عربی کے الفاظ کے بارے میں ایک موٹا سا اصول میرے نزدیک یہ ہونا چاہیے کہ ان الفاظ کو ہم اپنے لہجے میں جس حد تک آسانی سے صحیح بول سکیں اُس حد تک اُن کے املا کو بھی صحیح رکھنے کی کوشش کریں۔

استعفاؔ کو استعفا (بلا ہمزہ) لکھنا میرے نزدیک جائز ہے مگر "استعفیٰ" لکھنے کی اجازت ہرگز نہیں دی جا سکتی۔ اسی طرح وہ تمام الفاظ جن کے آخر میں ہمزہ ہوتی ہے بلا ہمزہ کے لکھے جا سکتے ہیں کیونکہ ہم ہمزۂ ساکن کا تلفظ آسانی سے نہیں کر سکتے۔ مؤمن کو ہم مومن (بلا ہمزہ) لکھتے ہیں[1]، یہ بھی جائز ہے اگرچہ یہاں ہمزہ آخر میں نہیں ہے لیکن بہرحال ساکن تو ہے۔

۱۔ لیکن اس لفظ کے تلفظ میں یہ تصرف میرے نزدیک جائز نہیں کہ اسے بواو مجہول بولا جائے۔ اسے مؤنس کے وزن پر مؤمن بواو معروف بولنا چاہیے۔ مونس بھی تو اصل میں مؤنس تھا۔ غالباً یہ لفظ عربی میں بھی بغیر ہمزہ لکھا اور بواو معروف بولا جاتا ہوگا ورنہ اس کا بھی اردو میں بواو مجہول بولا جانا یقینی تھا۔ کیونکہ ہم ضمہ کو جس کے بعد یا تو ح، ع، ہ، ء میں سے کوئی حرف ہو یا کوئی حرف نہ ہو، مائل بواو مجہول بولتے ہیں۔ چنانچہ رومن رسم الخط میں محمد کو عام طور پر Mohammad لکھا جاتا ہے۔ اسی طرح کسرہ کو انہی صورتوں میں مائل بہ یائے مجہول بولتے ہیں۔ یعنی کسی حد تک انگریزی کے Short e (I. P. A. [E]) سے ملتا جلتا۔ خیر یہ دونوں

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

"اِن شا اللہ" بمعنی اگر خدا نے چاہا (لاطینی (D. V : Deo volente) کو "انشاء اللہ" لکھنا جائز نہیں اگرچہ اس سے تلفظ میں کوئی فرق نہیں پڑتا مگر چونکہ انشا (اِنشاؔ) خود ایک لفظ ہے اور اس ترکیب میں اِن اور شاؔ دو الگ الگ الفاظ ہیں ، اس لیے انھیں علیحدہ ہی لکھنا چاہیے - ان کے برعکس Baby کو "بے بی" اور Laboratory کو "لے بارے ٹری" لکھنا بھی صحیح نہیں کیونکہ بے اور بی دو الگ الفاظ نہیں ہیں - چنانچہ اسے بیبی لکھنا چاہیے (بیوی کو ہم "بی وی" نہیں لکھتے) اور Laboratory کو لیباریٹری - رہا یہ سوال کہ اس طرح تلفظ واضح نہیں ہوتا تو عرض کر دوں کہ آخر شیر (درندہ) اور شیر (دودھ) بھی تو ایک ہی طرح لکھے جاتے ہیں - اول الذکر کو "شے ر" اور مؤخر الذکر کو "شی ر" کوئی نہیں لکھتا - ویسے ، اسی طرح کے الفاظ میں یائے معروف کو کسرہ کی مدد سے یائے

(بقیہ بر صفحہ ۲۳)

تصرفات تو لہجے کے فرق کی بنا پر قابل قبول قرار دیے جا سکتے ہیں لیکن مومن میں جب سرے سے ہمزہ ہی نہیں تو پھر ضمہ کا (میلان امالہ) واو مجہول کی طرف کیوں ہو جب کہ یہاں واو بھی موجود ہے اور یہ واو چونکہ عربی کا ہے لہذا اس کے مجہول ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا - بنا بریں مومن کے واو کو معروف ہی پڑھنا چاہیے - یہاں اطمینان کی مثال بھی سامنے رہنی چاہیے - اس لفظ کو ہم بیائے معروف پڑھتے نہیں حالانکہ یہ لفظ دراصل اطْمأنانؔ یا اطْمئنانؔ تھا - ہمزہ کو ی سے بدل دیا گیا جس طرح کہ اٗمانؔ یا اِیمانؔ کو ایمان کر لیا گیا۔ یہ دونوں تصرفات چونکہ خود عربی زبان میں پائے جاتے ہیں اسی لیے ہم نے انھیں جوں کا توں اپنا لیا ورنہ اگر اطمینان اور ایمان ہمیں اطمئنان اور ائمان ملتے تو ہم یقیناً انھیں بیائے مجہول بولتے - قصہ کوتاہ چونکہ ہم مومن کو بآسانی مؤمن بولنے کی قدرت رکھتے ہیں تو کیوں اس کے معروف واو کو خواہ مخواہ مجہول بنائیں -

مجہول سے ممتاز کیا جا سکتا ہے ، یعنی شیر (درندہ) اور شیر (دودھ) یا پھر شِیر اور شیر ۔

"حاجی" جو فارسی اور اردو میں عام مستعمل ہے خواہ مخواہ "پاجی" کی یاد دلاتا ہے ۔ اس کا مادہ حجو یا حجی نہیں ہے ۔ دراصل یہ "حاجّ" (حاجج) کا مفرس ہے ۔ میرے نزدیک یہ تصرف قطعاً جائز نہیں کیونکہ اس طرح (یعنی اس ہجا کو دیکھ کر) یہ شبہ ہوتا ہے کہ اس کا مادہ حجو یا حجی ہے حج سے "حجی" بنایا جا سکتا تھا ۔ خیر اردو میں "حاج" کچھ اچھا نہیں محسوس ہوگا لہٰذا "الحاج" استعمال کرنا چاہیے جو ہمارے لیے اجنبی بھی نہیں ۔

پانچویں اور چھٹے قمری مہینوں کے نام عموماً "جمادی الاول" اور "جمادی الثانی" لکھے اور پڑھے جاتے ہیں حالانکہ ہم آسانی سے انہیں صحیح صحیح "جمادَی الاُولیٰ" اور "جمادَی الاُخرہ" (یا جمادَی الآخریٰ) لکھ اور بول سکتے ہیں ۔ میرے نزدیک یہ اغلاط فصیح قرار نہیں دی جا سکتیں ۔ اسی طرح آخری دو مہینوں کے نام "ذیقعد" اور "ذی الحجہ" عموماً لکھے اور بولے جاتے ہیں ۔ بہتر ہے کہ ہم انہیں "ذوالقعدہ" اور "ذوالحجّہ" لکھیں اور بولیں ۔

قمری مہینوں کے ناموں پر "رمضان المبارک" یاد آ گیا اور اس کے ساتھ ہی ذہن تراکیب اور تلفظ کی غلطیوں کی طرف منتقل ہو گیا ۔ ضمناً ان کا بھی تذکرہ کرتا چلوں :

بعض غلط تراکیب یہ ہیں :

غوث الاعظم ، دائم المریض ، قریب المرگ ، فوق البھڑک ۔ "غوث الاعظم" کے بجائے "الغوث الاعظم" ہونا چاہیے کیونکہ یہ مرکب توصیفی ہے اور "غوث" رمضان کی طرح غیر منصرف نہیں ہے کہ اس پر "ال" داخل نہ ہو سکے یا پھر فارسی تراکیب "غوث اعظم" استعمال کرنی چاہیے ۔ "دائم المریض" ایک زبردستی کی عربی کی ترکیب ہے جو قطعاً غلط ہے ۔ بجائے اس کے اردو ترکیب "دائمی مریض" استعمال کرنی چاہیے ۔ اگر عربی

ترکیب ہی استعمال کرنے کا شوق ہو تو "دائم المرض" (دائمِ المرض، ترکیبِ اضافی) غالباً صحیح ہے "قریب المرگ" کی طرف تو محترم جوش صاحب اشارہ کر چکے ہیں، "قریب الموت" یا "قریبِ مرگ" (فارسی ترکیب) استعمال کرنا چاہیے - یہی حال "فوق البھڑک" کا ہے جو محض لغت گوئی ہے - سیدھا سادہ ہندی لفظ "بھڑکیلا" یا "بھڑ کول" (یہ دوسرا ثقیل ہے) استعمال کیا جا سکتا ہے - "فوق البھڑک" میں قاف جو مضموم بولا جاتا ہے اس پر یاد آیا کہ "فوق البشر" اور "فوق الفطرت" میں بھی قاف کو عموماً مضموم بولتے ہیں حالانکہ یہ غلط ہے - بینَ، تحتَ، فوقَ وغیرہ الفاظ عام حالات میں منصوب ہی ہوتے ہیں چنانچہ "بین الاقوامی" میں نون، "تحت الثریٰ" میں تائے ثانی اور "حتّٰی الامکان" میں ت کو مضموم پڑھنا غلط ہے -

تلفظ :

تلفظ کی بعض غلطیاں یہ ہیں :

رَمَضَان کو عموماً "رمْزان" (بسکون میم) بولا جاتا ہے - لیکن ہمارے لہجے کی مناسبت سے عام بول چال میں اس تلفظ کو جائز قرار دیا جا سکتا ہے (گو کہ فصیح بفتح میم ہی کو سمجھا جائے گا، چنانچہ اقبال نے "رمضان" کو فعلان کے وزن پر باندھا[۱] ہے کیونکہ بے در بے تین یا زیادہ متحرک حروف کو آسانی سے ادا نہیں کر سکتے - ایسی صورت میں یا تو ہم دوسرے حرف کو ساکن کر دیتے ہیں یا تیسرے کو - مثالیں ملاحظہ ہوں :

"برکت" اور "حرکت" دونوں میں پہلے تینوں حروف مفتوح ہیں مگر ہم ان دونوں میں "ر" کو ساکن بولتے ہیں یعنی ان تبولے (Trisyllabic) الفاظ کو دوبولا (Disyllabic) کر دیتے ہیں - "نظر" کو ہم بر وزن "خبر" بولتے ہیں مگر جب اس کی جمع بناتے ہیں تو "ظ" مفتوح سے ساکن ہو جاتا ہے چنانچہ شعراء کرام بھی "نظروں" کو فعلن کے وزن پر باندھتے ہیں :

---

۱ - طبع آزاد پہ قید رمضان بھاری ہے - ("جواب شکوہ" : بانگ درا)

وزیر :

ترچھی نظروں سے نہ دیکھو عاشق دلگیر کو
کیسے تیر انداز ہو ؟ سیدھا تو کرلو تیر کو
(آب حیات آزاد)

ہندی الفاظ میں بھی یہی ہوتا ہے ۔ "پَلَک" سے "پلکیں"، "بَلَہ" سے "بَلَّہ" وغیرہ عام ہیں ۔ ان وجوہات کی بنا پر تلفظ میں اس تصرف کو کم از کم عام بول چال کی حد تک جائز قرار دیا جا سکتا ہے ۔ علاوہ ازیں یہ تصرف عام بھی ہے ۔ لیکن دوسری طرف مندرجہ ذیل اغلاط عامہ کو جائز قرار نہیں دیا جا سکتا :

احسن ، احمد ، احوال[1] ، اہل ، تہذیب ، فہم اور مشتقات ، محسوس ، محمود وغیرہ الفاظ میں حرف اول کو بکسر اول پڑھنا جبکہ ہم بآسانی بفتح بھی پڑھ سکتے ہیں ۔

---

۱ ۔ خلیق نقوی صاحب کے نزدیک "احوال" وغیرہ میں ہم الف کو نہ فتح سے بولتے ہیں نہ کسرہ سے بلکہ ایک درمیانی حرکت ہوتی ہے (جس کے لیے بقول ان کے ایک نئی علامت کا تعین ہونا چاہیے) اور یہ کسی حد تک صحیح بھی ہے کہ کچھ لوگ اس حرکت کو انگلش کے Short a (I. P. A. [ae]) سے قریب ادا کرتے ہیں ۔ لیکن میرے نزدیک بہتر یہ ہے کہ اس حرکت کو کسرہ سے تعبیر کیا جائے ۔ کیونکہ اکثر ہم "اَحسن" اور "اِحسان" ، اسی طرح محمود اور "محنت" میں پہلے بول (Syllable) کو ایک ہی طرح ادا کرتے ہیں ۔ بالفاظ دیگر ہم ہر دو کو بالکسر بولتے ہیں اور یہ بدعت تو ہمارے ہاں عام ہے کہ ح ، ع ، ہ اور ء سے قبل کسرہ کو مائل بہ یائے مجہول بولتے ہیں (ملاحظہ ہو حاشیہ بر صفحہ اول) اس سلسلے میں تو خیر ہم کسی حد تک معذور ہیں ۔ مگر ح اور ہ (سندھی میں ع تعلیم کو عموماً "تَیلِیم" یا "تیلئِیم" ۔ یائے اول مجہول بولا جاتا ہے)

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

باب اِفعَال کے بعض مصادر ، خصوصاً اغوا (اغواء) ، افشا (افشاء) ،

(صفحہ ۲۷ کا بقیہ)

ما قبل مفتوح کو ما قبل مکسور کی مانند بولنے کی بدعت سیئہ اور ضلالت ہرگز قابل مغفرت قرار نہیں دی جا سکتی ۔ "مَحمُود" کو "محمود" بولنا اور رومن میں Mehmood لکھنا یا "سَحَر" کو "سحر" بروزن "بہن" (عموماً اس کا تلفظ [Behan] کیا جاتا ہے جو غلط العام ہونے کی وجہ سے عام بول چال میں جائز ہے ، حالانکہ درحقیقت یہ بھی بروزنِ "خبر" یا بروزن "خَجِل" ہے) بولنا میرے نزدیک اس لیے قابل معافی نہیں ہے کہ ہم ان الفاظ کا آسانی سے صحیح صحیح تلفظ ادا کر سکتے ہیں ۔ مَقَاماً مَحمُوداً (سورۂ بنی اسرائیل ، دعا بعد از اذان) چونکہ عربی ہے لہذا مسلمان بچے بھی آسانی سے دوسرے لفظ کو صحیح طور پر ادا کرتے ہیں ("میم پر زبر جو لگا ہے") ۔ سحر کو شعرا حضرات بروزن "خبر" باندھتے اور پڑھتے ہی ہیں ۔

(۴) قرآن مجید (مترجم) اور نماز مترجم میں لفظ مترجم دراصل اسم مفعول ہے اسی لیے بفتح جیم ہے ۔ اسی طرح کچھ کتابوں میں مصنف یا مؤلف کے نام سے پہلے عموماً جو "مصنفہ" یا "مؤلفہ" لکھا ہوتا ہے وہ بھی اسم مفعول (مؤنث) ہوتا ہے لہذا اسے بفتح ثالث پڑھنا چاہیے بکسر نہیں ورنہ اچھے خاصے مصنف یا مؤلف کی جنس تبدیل ہو کے رہ جائے گی یعنی وہ اسم مفعول مؤنث جو کتاب (اردو میں مؤنث) کی صفت کے طور پر استعمال ہوا ہے ، اسم فاعل مؤنث بن کر بچارے صاحب کتاب کی تعریف بن جائے گا ۔ مگر قربان جائیے ہمارے کاتب صاحبان کے ، وہ اپنی قابلیت کا مظاہرہ مصنفہ کے نون کو زیر لگا کر کرتے ہیں حالانکہ اس کی ضرورت ہی کیا ہے ؟ اخبارات میں اکثر ممالک کے میم پر پیش اور کبھی مطالبہ کے میم پر زبر لگا ہوتا ہے ، یہ بھی کاتب صاحبان کی نوازش ہے !

افلاس وغیرہ کو بفتح الف اور افعال کے وزن پر آنے والی بعض جمعوں خصوصاً اطفال (ایک مشہور یونانی دوا خانے کی ایک دوا "اطفالی" کا نام رومن میں Itfali ڈبے اور شیشی پر چھپا ہوا ہوتا ہے)، امراض وغیرہ کو بکسر الف بولنا۔

تَفعِلَۃ (تفعیل) کا مبدل) کے وزن پر آنے والے بعض الفاظ کو عموماً غلط بولا جاتا ہے۔ تجربہ (تجریب کا مبدل) کو بفتح جیم و سکون را (تجربہ) یا تجربہ (بسکون جیم و ضم را)، تبصرہ، تذکرہ وغیرہ کو بفتح ثالث عام طور پر بولا جاتا ہے۔ ترجمہ جو دراصل فعللہ کے وزن پر ہے تفعلتہ (مثال: تہلکہ، بضم لام۔ کم از کم قرآن کریم میں تو ایسا ہی ہے۔ مگر اسے بھی عموماً (Tehelka) بولا جاتا ہے) کے وزن پر بضم جیم بولا جاتا ہے۔ (غالباً یہ ضمہ ترجمان کی مناسبت سے آیا ہوگا۔ اس کے مشتقات مترجم مترجم کو "مترجم" بشد جیم بولنا بھی عام ہے۔

"جلاء وطن" (بفتح جیم، ترکیب اضافی) کو "جلا وطن" بکسر جیم، خزانہ بکسر خا کو بفتح خا (غالباً خزینہ اور خزائن کی مناسبت سے)، خضرا (مثلاً "مسجد خضرا" حالانکہ مسجد چونکہ مذکر ہے اس بنا پر تو "مسجد اخضر" یا بہتر ہے کہ المسجد الاخضر استعمال کیا جائے ورنہ پھر فارسی ترکیب "مسجد سبز" یا اردو ترکیب "ہری مسجد"۔ "ہرا" اس لیے نہیں کہ اب یہ عربی یا فارسی ترکیب نہیں رہی اور اردو میں مسجد مؤنث ہے) بفتح خا کو بکسر خا (غالبا خضر کی مناسبت سے)، شفا بکسر شین کو بفتح شین ("شفا" کے معنی کنارہ)، قضا بفتح قا کو بکسر قا ("قضا" کے معنی گندے پانی کا جوہڑ)، صحت بشد حا کو بلا تشدید (بعض الفاظ کے آخر میں آتی ہے اس کا حذف میرے نزدیک جائز ہے مثلاً حد، سرحد، ضد، مشام وغیرہ میں، مگر صرف اس صورت میں جبکہ یہ مجرد ہوں۔ ترکیب یا نسبت کی صورت میں مشدد ہی پڑھنا چاہیے مثلاً حدِ نگاہ، سرحدی ضدن، مشامِ جاں۔

اقبال نے بلا تشدید باندھا ہے ۔ ملاحظہ ہو ع

"مشام تیز سے ملتا ہے صحرا میں نشاں اس کا"

مرحوم نے "بچوں" کو بھی بلا تشدید موزوں کیا ہے : ع
"پھر ان شاہیں بچوں کو بال و پر دے"
(بال جبریل)

بعض بفتح نون کو بضم اول (غالباً نقصان کی مناسبت سے) بولنا ۔

فَعْل کے وزن پر آنے والے بعض الفاظ مثلاً امن ، قہر وغیرہ یا فارسی کے برف ، شرم ، گرم ، نرم وغیرہ کو بفتح ثانی اور فعل کے وزن پر آنے والے بعض الفاظ مثلاً حرج ، مرض وغیرہ کو بسکون ثانی بولنا ۔

مُفاعلتہ کے وزن پر آنے والے اکثر الفاظ کو یا تو بسکون رابع بولنا (مثلاً مطالبہ ، معاملہ ، مقابلہ ، مکالمہ وغیرہ) یا بکسر رابع (حالانکہ اس طرح یہ مصدر اسم فاعل مؤنث بن جاتا ہے ۔ مجادلہ معنی جھگڑنے والی) مثلاً مشاعرہ ، مطابقت ، مظاہرہ ، مفاہمت ، مماثلت ، مناسبت وغیرہ کو ۔

مَحبت ، مَذمت ، مَروت ، مَسرت ، مَشقت وغیرہ کو عموماً بضم اول بولا جاتا ہے حالانکہ یہ سب مصادر میمی ہیں دراصل مَفعَلَۃ کے وزن پر (مَحببۃ وغیرہ ادغام کی وجہ سے مَحبت وغیرہ بن گئے) ہیں ۔ مُروت میں میم مضموم ہے کیونکہ یہ مصدر میمی نہیں ہے ۔ اس لفظ کا تلفظ عموماً "مروت" بفتح را کیا جاتا ہے حالانکہ یہ بھی غلط ہے اس ہجا کی رو سے اس میں "ر" کو مضموم ہونا چاہیے کیونکہ اس کا اصل ہجا مُروءۃ یا مُرُوّت" (تلفظ بر وزن حکومت ہے) کہیں کہیں ہمزہ کو واو سے بدل دینا غالباً عربی میں بھی جائز ہے لہذا "مُروت" کو جائز قرار دیا جا سکتا ہے ۔ مگر مَرَوّت کو نہیں ۔

مُحمل (احمال سے اسم مفعول) ، مُساوی ، مُنادی وغیرہ کو بفتح میم اور مُمالک وغیرہ (جو مُفاعِل کے وزن پر جمع کے صیغے ہوتے ہیں) کو بضم اول بولنا ۔

املا :

اب تلفظ سے پھر املا کی طرف لوٹتا ہوں ۔

جمعِیّت اور طبعِیّت کو عام طور پر "جمیعت" اور "طبیعت" لکھا اور پڑھا (بولا) جاتا ہے ۔ یہ جائز نہیں ۔

"طلبا" طالب کی جمع کے طور پر عموماً استعمال ہوتا ہے حالانکہ یہ طلیب کی جمع ہے طالب کی نہیں ۔ موخرالذکر کی جمع "طلبہ" یا "طلاب" آتی ہے ۔ طلبہ کو بجائے "طلبا" کے اختیار کرنا چاہیے ، کیونکہ ہمارے لیے اجنبی بھی نہیں ۔ ویسے طلّاب بھی استعمال کیا جا سکتا ہے ، آخر حکّام ، حفّاظ ، حجّاج وغیرہ بھی تو استعمال ہوتے ہی ہیں ۔

اب خلیق نقوی صاحب کے پیش کردہ بعض مسائل پر بھی قلم اٹھانے کی جرأت کر رہا ہوں :

(۱۴) انبیا ، تنبورہ ، شنبہ وغیرہ کو نون سے لکھنا ہی درست ہے ، ورنہ عربی ، منبر اور انگریزی Member (جسے ہم "مِمبر" لکھتے اور بولتے ہیں) میں کوئی فرق نہیں رہے گا ۔

افسوس کہ میں نیمب (نیم) کے متعلق یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا کہ اسے کیا ہونا چاہیے ، غالباً "نیمب" غلطی سے "نیمب" چھپ گیا ہے ۔ اگر (نیم) سے مراد آزاد درخت (Melia azadiracta) شجر معروف ہے تو یہ غالباً "نمب" یا "نِمب" (سنسکرت) ہے ۔ اردو میں "نیم" ہی صحیح ہے ۔

(۱۶) بننا ، تننا وغیرہ صحیح ہیں ۔ اسی طرح تشدید چھوٹ جانے پر جانا اور جاننا کی تمیز نہ ہو سکنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ۔

(۱۸) میرے نزدیک "کنواں" لکھنا تلفظ سے قریب تر ہے ۔ "پاؤں" اور "پانو" میرے نزدیک دونوں تلفظ سے مطابقت نہیں رکھتے ۔ اول الذکر سے نون غنہ کا صرف دوسرے بول پر ہونا ثابت ہوتا ہے جبکہ دوسرے ہجا کی رو سے صرف پہلے بول پر ہے ۔ حالانکہ ہم دونوں بولوں میں نون غنہ کو شامل کرتے ہیں ، لہذا "پاںؤں" لکھنا چاہیے ۔ مصدر "پانا" سے مضارع

واحد متکلم کے صیغے "پاؤں" (بمعنی پایم در فارسی یا واحد با العربی) کا عموماً جو تلفظ کیا جاتا ہے اس میں نون غنہ صرف دوسرے بول میں ہوتا ہے پہلے میں نہیں اس لیے اس کا یہ ہجا درست ہے ۔ "پانؤں" کے دونوں بولوں میں چونکہ غنہ ہے لہذا اسے اسی طرح لکھنا چاہیے ۔ "یا" سے پہلے جب نون ہو تو اس کے بعد نون غنہ کی آواز خود بخود نکلتی ہے اس لیے اس نون غنہ کو لکھا نہیں جاتا ۔ "بنیا" "دھنیا" وغیرہ کو عموماً "بنیاں" اور "دھنیاں" بولا جاتا ہے مگر اس طرح لکھتے نہیں ۔ پھر ان کی مناسبت سے عربی دُنیا کو بھی "دنیاں" بولا جاتا ہے (تعجب ہے کہ ہندی کنیا کو "کنیاں" نہیں بولتے ۔ (شاید اس لیے کہ "کنی" جمع "کنیاں" سے ممتاز رہے) اسی طرح "نا" کے بعد بھی نون غنہ کی آواز خود بخود نکلتی ہے چنانچہ اسے یہاں بھی نہیں لکھا جاتا ۔ مصدر (ہندی) جانا اور فارسی جاناں دونوں کو ہم "جاناں" ہی بولتے ہیں مگر واو کے بعد نون غنہ کو عموماً لکھا جاتا ہے چنانچہ "دونوں" کو بھی اسی طرح لکھنا چاہیے ۔ پھر یہ تو تینوں ، چاروں ، پانچوں وغیرہ کی مناسبت سے بھی اسی طرح ہونا چاہیے ۔

(۱۹ ۔ ج) اے لڑکو ! ، صاحبو ! ، دوستو ! وغیرہ لکھنا صحیح ہے ۔

(۲۰) فوراً ، نسلاً بعد نسل ، ابتداء ، وقتاً فوقتاً ، ضرورۃ ("ضرورتاً" یا "ضرورتہً" صحیح نہیں) دفعتہً ("دفعتاً" یا "دفعتہ" نہیں) نتیجتہً وغیرہ صحیح ہیں ۔

(۲۱) اکّا : یکہ ، تاش کے لیے اور سواری کے نام کے لیے "اکّا" استعمال کرنا چاہیے ۔ بہتر ہے کہ اس کا تلفظ (Ekka) کیا جائے (اس کے اظہار کے لیے افقی کسرہ استعمال کیا جا سکتا ہے) اور کچھ لوگ بولتے بھی اسی طرح ہیں ۔ ہندی میں بھی اِکّا یا ایکا لکھتے ہیں ۔

"یکّہ و تنہا" فارسی ترکیب عام استعمال ہوتی ہے چنانچہ تنہا کے معنی میں یکہ استعمال کرنا چاہیے ۔

"اکّا دُکّا "م بھی عام ہے لہذا اکّا (Ikka) جائز ہے ۔

زردا ، زردہ ، تمبا کو کے لیے بالالف اور چاولوں کے لیے بالہا استعمال

کرنا چاہیے ۔ "زردہ" کو اگر جائز قرار نہ دیا گیا تو "سبزہ" کو بھی "سبزا" بنانا پڑے گا اور پھر "سبزۂ نَورُستہ" کسی "گھر کی نگہبانی" کیسے کرے گا ؟ اور "سبزہ و گل کہاں سے آئیں گے ؟"

خط شفیعا :

اس کا تو آپ نے خود ہی فیصلہ کر دیا ہے ۔ پنجاب میں اکثر "شفیع" سے "شَفْیا" (تلفظ کے اعتبار سے) ، حمید سے "مِیدا" بنا لیتے ہیں چنانچہ "حمیدا پہلوان" ایک مرد بھی گزرا ہے (ایک حمیدہ صاحبہ بھی پہلوانی کے اکھاڑے میں کود چکی ہیں) ۔ سلطانا گو کہ پنجابی نہ تھا مگر ڈاکو تھا ، سلطانہ ڈاکن نہ تھی یا یہ ڈاکو "سلطانہ" نہ تھا ۔

آزر :

قرآن کریم میں یہ لفظ ز سے ہی ہے ذال سے نہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد ۔ (ممکن ہے مراد چچا ہو یعنی اب بمعنی سرپرست یا مربی ۔ بعض کتابوں نے والد ہی ثابت کیا ہے برخلاف Bible کے لیے استعمال ہوا ہے) ۔

زکریا :

(زَکَرِیَّا Zechariah) بھی "ذِکر" کی مناسبت سے ذال سے لکھا جاتا ہے اور یہ بھی صحیح نہیں ۔

زات :

غالباً ہندی "جات" (یا "جاتی" جو سنسکرت جن بمعنی جننا یا پیدا ہونا سے مشتق ہے) ہی کا مؤرد ہے جسے خواہ مخواہ عربی "ذات" سے نسبت دے دی گئی ۔ اگر یہ قیاس صحیح ہے تو پھر بہتر یہ ہے کہ "جات" ہی استعمال کیا جائے ورنہ پھر "زات" ، ذات نہیں ۔

زرا :

یہ غالباً عربی ذَرّۃ ہی ہے مگر چونکہ تشدید کے حذف کی وجہ سے مؤرّد ہو گیا لہذا ذال کو ز سے بدلنے کی تأرید بھی گوارا کی جا سکتی ہے اور ساتھ ہی ہ کو بھی الف سے بدلا جا سکتا ہے ۔

ازدحام : یہی صحیح ہے کیونکہ عربی ہے۔ مادہ زحم سے اِفتعال کا صیغہ (مصدر) ہے۔ اسی طرح اِزدِواج بھی ہے۔ ز (مجہورہ) کے بعد ت (مہموسہ) کو جو زائد ہے تلفظ میں آسانی کے لیے د (مجہورہ ، مگر دوسری صفات وہی ہیں جو ت کی ہیں ، مخرج بھی ایک ہی ہے) سے بدل دیا گیا۔ (انگریزی میں بھی یہ تصرف کیا جاتا ہے کہ D کے بعد ، جو مجہورہ یعنی voiced ہے ، S کو جو مہموسہ یعنی unvoiced ہے Z بولا جاتا ہے جو S کا voiced counter part ہے چنانچہ deeds کو "ڈیڈز" بولتے ہیں۔ D کے علاوہ B ، G اور V کی آواز کے بعد بھی S کی آواز Z کی سی نکالتے ہیں۔ اسی طرح F ، CH (چ ، خ ، ش ، ک) ، K ، P ، S ، SH کی آوازوں کے بعد D کی آواز T کی سی نکالتے ہیں۔ چنانچہ roofed کو "روفٹ" اور fixed کو "فکسٹ" بولا جاتا ہے)۔ "اَژدہام" بفتحِ الف و دال ایک قسم کا چتکبرا عقاب ہوتا ہے (شتائنگاس)۔

چھہ : ہندی میں بفتح بروزن "نَہ" ہے۔ کچھ لوگ بکسر بروزن "یہ" بولتے ہیں۔ ان دونوں تلفظوں کی گنجائش اس ہجا میں ہے (یعنی ہائے مختفی بعد از ہائے مخلوط التلفظ) کچھ لوگ "چھَے" بر وزن "اے" (بفتح) بولتے ہیں اس لحاظ سے یہ ہجا ہو سکتا ہے (چھے) مگر "چھ" بالکل غلط ہے اور "چھہ" بالکل صحیح۔

کیونکے : بمعنی "کیونکر" کا یہی ہجا صحیح ہے۔ "کر" کے بجائے اکثر "کے" استعمال ہوتا ہے :

ع جو جا کے نہ آئے وہ جوانی دیکھی!

نہ کہ کاف بیانہ (کہ)۔

دُکان : عربی میں دُکّان بتشدید ہے۔ مورد ہوا ، تشدید حذف ہوگئی ، مگر دوکان تو نہیں بنانا چاہیے۔ واو کے بغیر بھی ضمہ کا اظہار ہو سکتا ہے۔

خرد ، خورد : فارسی میں بھی دونوں ہجا پائے جاتے ہیں مگر بہتر ہے کہ "خرد" استعمال کریں تا کہ "خورد و نوش" والے خورد سے ممتاز رہے۔

گرم مسالا : یہی ہجا صوتی اور معنوی اعتبار سے مناسب ہے۔ مصالح

بکسر "لام مصلحت" کی جمع ہے ، مگر نہ تو عربی اور نہ فارسی ہی میں ان معنوں میں مستعمل ہے۔ مصالح یا مصالحہ بفتح میم و لام کوئی لفظ نہیں۔ مصالحہ (مصالحۃ) بضم میم تو ایک لفظ ہے جو مصالحت کی صورت میں اردو میں بھی مستعمل ہے۔ نہ جانے ہمارے "گرم مسالے" کا "مصالح" کہاں سے آیا ؟ شامی عربی میں مصلِح نمک کے معنوں میں مستعمل ہے (اور صحیح بھی ہے کہ نمک مصلح ہوتا ہے)۔ ممکن ہے ہمارا مصالح اس مصلح کی جمع بنا کر "وضع" کیا گیا ہو۔ شٹائنگاس (Steingass) کی لغات فارسی میں "مصالحدار" Spiced اور Seasoned کے معنی میں ملتا ہے ، مگر ممکن ہے یہ ہندوستان کے طفیل ہو۔ مسالے اپنے ہاں کے مشہور ہی ہیں۔

منھ ، منہ (۱) مونھ : ہجا چاہے کچھ ہو ، تلفظ ہم "موں" کرتے ہیں پھر کیوں نہ اسے لکھیں بھی موں ہی ؟

ناتا : ایس۔ ڈبلیو فوالن (S. W. Fallen) بابائے اردو نے اس کا تلفظ "فیلن" لکھا ہے ممکن ہے وہی صحیح ہو) نے اس کی اصل سنسکرت

---

۱ - S.W. Fallen کی ہندوستانی ڈکشنری میں "منہ" لکھا ہوا ملتا ہے اور تلفظ بھی صرف munh دیا ہوا ملتا ہے ، لیکن آج کل شاید ہی کوئی اس طرح بولتا ہو۔ مذکورہ لغت نے پاؤں کو "پانوں" لکھا ہے اور تلفظ panon, pano, paon, panun دیے ہیں۔ ہمارے ہاں پہلا تلفظ عام ہے لہذا "پانوں" لکھنا مناسب ہے۔ اسی طرح کنواں کو "کواں" لکھا ہے مگر تلفظ kuan دیا ہے جو ہندی ہجا کی رو سے صحیح ہے جبکہ اردو ہجا میں اس تلفظ کو "کوآں" سے واضح کیا جا سکتا ہے (کچھ لوگ اسی طرح لکھتے ہیں) ، نہ کہ "کواں" سے۔ دوسرا تلفظ kua دیا ہوا ہے جو صرف بعض علاقوں میں رائج ہے۔ آخری تلفظ (جو Tirhuti میں عام ہے) kunan دیا ہوا ہے۔ ہم اسی کے قریب قریب عموماً kunan یا Kunvan بولتے ہیں۔ اول الذکر تلفظ کی مناسبت سے "کنؤاں" اور دوسرے کی رو سے "کنواں" صحیح ہجا ہے۔ گانو کو لغت مذکورہ نے اردو میں "گانو" لکھا ہے مگر تلفظ ganv کے ساتھ ساتھ gano ganon, gaon بھی دیے ہیں۔ ہم عموماً ganon بولتے ہیں لہذا "گانوں" لکھنا چاہیے۔

بتلائی ہے جو قرین قیاس ہے لیکن ممکن ہے مولینا آزاد مرحوم حق پر ہوں
ویسے "تیار" کے متعلق تو ان کی تحقیق صحیح ہے کہ یہ دراصل طیار ہے
ویسے میرے نزدیک "ناتا" صحیح ہجا ہے۔

ادلا: تلفظ کے اعتبار سے یہی صحیح ہجا ہے۔ عضلہ کا تلفظ ہمارے لہجے میں "ازلا" ہونا چاہیے چنانچہ جمع کے صیغے کو عموماً "ازلات" (عضلات) بولتے ہیں مگر چونکہ تلفظ "ادلا" ہمارے ہاں عام ہے لہذا ہجا بھی اسی کی مناسبت سے اختیار کرنا چاہیے۔

اب چند ایسے الفاظ کی طرف کچھ اشارہ کر دوں جن کا ہجا اردو تلفظ کے اعتبار سے غلط ہے۔

متوفّٰی اور مسمّٰی کو ہم عموماً "متوفِی" اور "مسمِّی" (بیائے معروف) لکھتے اور بولتے ہیں حالانکہ یہ غلط ہے۔ ان دونوں کو الف سے "متوفا" اور "مسما" لکھنا چاہیے، مبتلٰے اور مولیٰ کو بھی تو ہم "مبتلا" (مگر اسے بکسر تا پڑھنا جو عام ہے وہ بھی غلط ہے بالفتح پڑھنا چاہیے) اور "مولا" لکھتے ہی ہیں۔

اغوا شدہ لڑکی کے لیے "مغویہ" استعمال ہوتا ہے۔ اسے عام طور پر "مَغوِیہ" بروزن نمونہ بولا جاتا ہے حالانکہ یہ مہملہ (مُفعلہ) کے وزن پر "مُغوِیَہ" ہے جسے تعلیل کے بعد مُغواۃ ہو جانا چاہیے۔ اردو میں "مغوات" لکھا جا سکتا ہے۔ مسمّیہ بھی تو مسماۃ ہو کر "مسمات" (کم از کم تلفظ کے اعتبار سے، ویسے مسماۃ عام ہے) کی شکل میں اردو میں مستعمل ہے۔

(باقی باقی)

(اردو نامہ کراچی شمارہ جولائی ۱۹۶۱ء)

* * *

جوش ملیح آبادی

امالہ۔ لغوی تشریح اور قواعد

امالہ - (کس - ، ، فت - ل) امذ

(۱) مائل کرنا ، کسی شے کو ، کسی دوسری شے کی جانب موڑ دینا۔ جیسے طبیب نے نزلے کے مادے کا ، سر کی طرف سے ناک کی طرف امالہ کر دیا (بہا دیا) :

بدن سے گریہ ، جذب خون ، طرف آنکھوں کے کرتا ہے
ہے الٹا ضابطہ یاں کے طبیبوں کے امالے کا

قائم ص ۳

(۲) قواعد کی رو سے کسی لفظ کے آخری الف ، یا اس کی آخری ہائے ہوز یا آخری (ع) کو کسرے یا یائے مجہول (ے) میں تبدیل کر دینا۔ یوں تو جب متذکرہ بالا الفاظ کی جمع بنا دی جاتی ہے ، اس موقعے پر بھی امالے کی شان پیدا ہو جاتی ہے۔ مثلاً گھوڑا (واحد) "گھوڑے" جمع، "تحفہ" (واحد) تحفے" (جمع) ، "مطبع" (بفتح "ب" واحد) ، "مطبع (بکسر "ب" جمع) ۔

لیکن اصلی امالہ اس حالت میں ہوتا ہے جب کہ "الف" "ہائے ہوز" اور "ع" پر ختم ہونے والے الفاظ کو حروف مغیرہ یعنی "سے" "میں" "تک" "پر" "کا" "کی" "کے" "نے" "کو" سے مربوط کر دیا جاتا ہے۔ جیسے "زید گھوڑے پر سوار ہو رہا ہے" یا "احمد کلکتے سے آ گیا ہے" یا اس مرقع کے تصاویر ۔

مندرجہ ذیل الفاظ امالہ قبول نہیں کرتے ہیں :

(الف) تشریحات و مستثنیات ۔

(۱) فارسی ، عربی کے الف اصلی رکھنے والے الفاظ ۔ جیسے دعا ، دغا ، وفا ، جفا ، سزا ، جزا ، فنا بقا وغیرہ ۔ اصلاً اور "سودا" مستثنی ہیں ۔ لیکن "سودا" اس وقت مستثنی ہوگا جب اسے اردو کے معنی یعنی "سودے سلف" میں بولا جائے گا ۔ مثلاً "اس سودے میں گھاٹا نہیں ہوگا" ۔

(۲) عربی الفاظ بحالت جمع ۔ جیسے طلبا ، علما ، فصحا ، شعرا ، اساتذہ ، فقرا وغیرہ ۔

(۳) فارسی کے اسمائے صفات و اسمائے مفعول ۔ جیسے دانا ، بینا ، گویا ، توانا ، شنیدہ ، دیدہ ، شگفتہ ، پژمردہ ، افروختہ ، افسردہ ، گفتہ ، خفتہ ، رمیدہ ، کشتہ وغیرہ ۔ (لفظ "کشتہ کو جب طبی اصطلاح میں بمعنی دوا بولیں گے تو وہ امالہ قبول کر لے گا") "نوشتہ" "زندہ" اور "مردہ" اس سے مستثنی ہیں ۔ لفظ "دیدہ" اس حالت میں مستثنی ہوگا جب اسے "آنکھ" کے معنی میں لیا جائے گا ۔

یہ دیدے ندیدے ہیں دیدار کے

(۴) عربی کے الف کے بعد ہمزہ پر ختم ہونے والے الفاظ (مصادر) جیسے انشاء ، اجراء ، مبداء وغیرہ ۔

(۵) عربی کے آخر میں الف مقصورہ رکھنے والے الفاظ ۔ جیسے تقاضیٰ ، تعالیٰ ، مولیٰ ، مصطفیٰ ، مرتضیٰ ، لیلیٰ ، سلمیٰ ، عقبیٰ ، اعلیٰ ، ادنیٰ ، عیسیٰ ، موسیٰ ، طوبیٰ وغیرہ ۔ لفظ "دعویٰ" مستثنی ہے ، اس لیے کہ اسے بعض لوگ "دعوہ" لکھنے لگے ہیں ۔

(۶) مقدس اسماء اور خطابات کے الفاظ ، جیسے خدا ، سیدنا ، مولانا ، مرشدنا ، راجہ ، مہاراجہ ، لالہ ، آقا ، آغا ، میرزا ، پیشوا ، داتا ، دیوتا ، دولھا یا نوشہ وغیرہ ۔

(۷) اسما و صفات مونث ۔ جیسے زہرا ، جمیلہ ، شکیلہ ، عقیلہ ، صفیہ ، سندریا ، روپا ، سلیمہ ، حلیمہ ، چڑیا ، مینا ، چمپا ، فاختہ ، میلا تتیا (پرندہ نیش دار ، بر ، بھڑ) بندریا ، چھپیا ، حرافہ ، علامہ ، قطامہ ، ٹنھیا (ٹونے کرنے والا) وغیرہ ۔

(۸) اسمائے تصغیر - جیسے گدھیا ، گڑھیا ، پڑیا ، بغچیا ، صندوقچیا ، پنکھیا چدریا ، بدریا ، (بدلی ، بدری) بجلیا (بجلی) ، نیا ، بٹیا ، وغیرہ -

(۹) الف ندا کے ساتھ - جیسے خدایا ، کردگارا ، ساقیا ، دل برا (الف تمنائی بھی اسی ذیل میں ہے :

"الہی ، بخت تو بیدار بادا"

لیکن یہ اردو میں غریب ہے

(۱۰) تمثیلی و تشبیہی "آنہ" (بطور لاحقہ) جیسے - مادرانہ ، خسروانہ ، مجرمانہ ، شریفانہ ، عاشقانہ ، حریفانہ ، پیمبرانہ ، شاعرانہ ، رندانہ ، طفلانہ ، بزرگانہ وغیرہ - لیکن "زنانہ" مستانہ ، مردانہ ، پروانہ ، دیوانہ ، جرمانہ ، بیعانہ ، محنتانہ ، افسانہ ، پیمانہ وغیرہ مستثنی ہیں - (جہاں "آنہ" کا لاحقہ تمثیلی و توصیفی معنی پیدا کرتا ہے ، وہاں امالہ نہیں ہوتا اور جہاں شخصیت کے معنی ہوتے ہیں یا "آنہ" لفظ کا اصلی جزو ہوتا ہے ، امالہ ہوتا ہے) -

(۱۱) بزرگوں کے ہندی رشتوں کے نام ، میا ، ماتا ، پتا ، باوا ، بابا ، باوا ، ابا ، دادا ، نانا ، چچا ، پھپا ، خالہ ، بھیا ، انا ، ددا ، دایا ، تایا ، آیا ، آپا ، بچیا وغیرہ -

(۱۲) فارسی کے عطف و اضافت والے مرکبات - غلاف کعبہ ، چراغ صومعہ ، مرد دانا ، حیوان گویا ، چشم بینا ، زیرک و فرزانہ ، آب و دانہ ، شمع و پروانہ وغیرہ - (دیکھیے تشریح "ب" نمبر ۱۱) -

(۱۳) الفاظ "جدا" "زرا" (اب ان کا امالہ متروک ہو چکا ہے) -

(۱۴) ہندی کے وہ اسما جن کے آخری الف سے پیش تر (ی) ہوتی ہے ، بشرطیکہ وہ اسمائے فاعل نہ ہوں - مثلاً سنکھیا ، ڈھنڈیا ، گرگریا ، نیا ، گڑیا ، گوریا ، ڈلیا ، اٹریا ، انیٹیا ، لیا ، کن کیا وغیرہ -

(ب) مندرجہ ذیل الفاظ امالہ قبول کرتے ہیں :

(۱) عربی فارسی کے وہ الفاظ جن کے آخر میں ہائے ہوز ہوتی ہے - بشرطیکہ وہ اسمائے مفعول و اسمائے صفات نہ ہوں) مثلاً مناظرہ ،

مباحثہ مکابرہ ، مشاعرہ ، معاملہ ، مسئلہ ، مکاشفہ ، معانقہ ، محاورہ ، تحفہ ، جلسہ ، حلیہ ، وظیفہ ، قصیدہ ، تبصرہ ، تجزیہ ، تجربہ ، تکملہ وغیرہ -

(۲) عربی کے وہ الفاظ جو (ع) پر ختم ہوتے ہیں ، (بصورت واحد) ان کی عین صرف کسرے میں تبدیل ہو جاتی ہے - جیسے

مقطع میں آ پڑی ہے سخن گسترانہ بات
(غالب)

(بصورت جمع) ہرچند "عین" کو لکھتے تو ضرور ہیں لیکن اس کو تلفظ و تقطیع سے خارج کر کے یائے مجہول میں تبدیل کر دیتے ہیں - جیسے

گل مرقع ہیں ترے چاک گریبانوں کے
(ریاض خیر آبادی)

اس صورت میں "مرقع" کی آواز اور اس کا وزن ہوگا "مرقے"-

(۳) جن الفاظ کی آخری ہائے ہوز کے قبل (ع) ہوتی ہے ، مثلاً رقعہ ، مقنعہ (عربی) میں حرف اول مکسور) ان کا املا یوں ہوتا ہے کہ ان کی "عین" اور ہائے ہوز ، دونوں کو ، بصورت واحد کسرے میں بدل دیتے ہیں مثلاً اس نے رقعہ (بکسر "عین" اور ہائے ہوز غیر ملفظ)میں لکھا ہے اور بصورت جمع ، "عین" اور ہائے ہوز کو لکھتے تو ضرور ہیں ، مگر دونوں کو تلفظ و تقطیع سے خارج کر کے ، یائے مجہول میں تبدیل کر دیتے ہیں - مثلاً "شادی کے رقعے تقسیم کر دو" اور "چار مقنعے خرید لاؤ" اس صورت میں ان دونوں کی آواز ہو جاتی ہے - "رقے" اور "مقنے"-

(۴) جن الفاظ میں الف تحقیر و تصغیر بڑھا دیا جاتا ہے - مثلاً "مرغ" سے "مرغا" اے مرغے کیا بکتا ہے - "نوری" سے "نورا" "نورا ادھر آ"-

(۵) شہروں کے یا مقاموں کے نام - مثلاً کلکتہ ، آگرہ ، پٹنہ ، اٹاوہ ڈھاکا ، ٹھٹا ، مکہ ، مدینہ ، بصرہ ، کوفہ وغیرہ (دتیا ، بلیا ، قسطنطنیہ ، نینوا ، بطحا ، کربلا کو مستثنی قرار دیا گیا ہے)-

(۶) ہندی و اردو کے الف پر ختم ہونے والے اسما و صفات۔ مثلاً کھٹا، کسیلا، سیٹھا، میٹھا، پھیکا، اکراتا، بھکرپندا، نیلا، پیلا، ڈھیلا، رسیلا، چھبیلا، نکیلا، اچھا، برا، بھلا، سنہرا، روپہلا، سرخا وغیرہ۔

(۷) ہندی کے خوردوں کے رشتوں کے نام جیسے بیٹا، پوتا، نواسا، بھتیجا، بھانجا، سالا، (سالا خواہ بڑا ہو یا چھوٹا)۔

(۸) اردو کے "والے" اور حروف وغیرہ سے مربوط مصادر، جیسے پھیری والا، آنا، جانا، سونا، رونا، ہنسنا، جاگنا وغیرہ۔

دل چھیننے والے کو خبر ہے کہ نہیں ہے

یا

نہ جاگنے میں یہ لذت، نہ شب کو سونے میں (میر)

یا

رونے والے رو چکے اور ہنسنے والے ہنس چکے
(حکیم دانش لکھنوی)

(۹) ہندی، اردو اور فارسی کے وہ اسمائے فاعلی و وصفی جن کے آخری الف سے قبل (ی) ہوتی ہے۔ جیسے گویا، سرودیا، سارنگیا، طبلیا، طبلچیا، ستاریا، نیاریا، انیسیا (میر انیس کا پرستار) دبیریا (میرزا دبیر کا پرستار)، غزلیا (غزل گو) ڈاکیا، ڈھندوریا، کبڑیا، کباڑیا، مداریا، جھپ جھالیا، مراقیا، بہروپیا، کان میلیا، مالشیا، چپڑقناتیا وغیرہ۔

(۱۰) وہ الفاظ جو، بوجہ اضافت مقلوب، یا بربنائے ترکیب، لفظ واحد کے طور پر مستعمل ہوتے ہیں۔ جیسے، مے خانہ، شراب خانہ، بت خانہ، صنم خانہ، غم خانہ، عزا خانہ، قید خانہ، دولت کدہ، بت کدہ، گل کدہ، عشرت کدہ وغیرہ۔

(۱۱) وہ دو، واو عطف سے مربوط الفاظ، جن کی علامت عطف کو خارج کر دیا گیا ہو۔ جیسے "آب و دانہ" کے واو عطف کو خارج کرکے "آب دانے" بنا لیا جائے۔

یہ تھی بات سب آب دانے کے ساتھ (میر حسن)

(اردو نامہ کراچی جولائی ۱۹۶۱ء)

غلام رسول

اردو املا کے مسائل کا حل

اردو نامہ بابت اگست سنہ ۱۹۶۰ء میں خلیق نقوی نے ایک سوال بند دیا ہے جس میں بعض الفاظ کا اردو املا دریافت کیا گیا ہے۔ میں نے ہر سوال کا جواب اس طرح دینے کی کوشش کی ہے، جس سے مسائل کی تشفی ہو سکے۔

اس میں شک نہیں کہ اردو املا کا مسئلہ ایک ٹیڑھا مسئلہ ہے جو ارباب اردو کو دعوت غور و فکر دیتا ہے، تا کہ اردو رسم الخط کی اصلاح ہو سکے اور اس کے ذریعے زبان کی اشاعت و مقبولیت بڑھے۔ ہماری زبان اور ادب کی تعلیم شروع ہی سے علمائے فارسی عربی کے زیر تربیت ہوتی رہی ہے۔ اس کا فطری نتیجہ یہ ہوا کہ فارسی عربی کے اثرات اردو رسم الخط پر پڑے، جس سے اردو املا بھی متاثر ہوا۔ خالص زبان کی حیثیت سے اس کی لکھاوٹ کی اصلاح کا خیال اس کے پیش رؤں کو پیدا نہیں ہوا۔ موجودہ زمانے میں جب کہ اردو میں تبادلۂ خیال کے ذریعے اور تجارتی کاروبار کے سبب کئی زبانوں کے الفاظ داخل ہوئے ہیں ایسے موقع پر اردو رسم الخط اور اس کے املا میں اصلاح کی سخت ضرورت ہے۔ اسی وجہ سے پیش آنے والی دقتوں کا حل نیچے سطروں میں بیان کیا جاتا ہے۔

س: (۱) حسبِ ذیل مختفی (ہ) سے لکھے جائیں یا (الف) سے؟

(الف) ٹھیٹ اردو ہندی الفاظ مثلاً: باڑا (باڑہ) پتا (پتہ) پیسا (پیسہ) پنجرا (پنجرہ) پٹاخا (پٹاخہ) پہیا (پہیہ) مہینا (مہینہ) چھاپا (چھاپہ)۔

(ب) اسمائے معرفہ جیسے کلکتہ، آگرہ، مغل پورہ۔

(ج) ایسے الفاظ جو یورپی زبانوں سے اردو میں آئے ہیں، جیسے ڈراما، فرما، سارکا۔

(د) ایسے الفاظ ، جو فارسی یا عربی سے نکلے تو ہیں ، مگر خود ان زبانوں میں ان کا وجود اس حیثیت میں نہیں پایا جاتا یا جن میں اردو والوں نے کوئی تصرف کر لیا ہے ۔ جیسے بدلا (بدلہ) بے فکرا (بے فکرہ) نودولتا (نودولتہ) بعضا (بعضہ) دوماہا (تصرف کی صورت) ۔

(ہ) ایسے الفاظ : جو ایک اردو اور ایک فارسی یا عربی جز سے بنے ہیں : پچ رنگا (پچ رنگہ) تماہا (تماہہ) ۔

ج : (الف) انہیں الف ہی سے لکھا جائے ، کیوں کہ اوپر کے الفاظ ٹھیٹ اردو ہندی کے ہیں ۔ ہائے مختفی کا استعمال زیادہ تر فارسی لفظوں میں ہوتا ہے ، اردو میں بہت ہی کم ، چونکہ پہلے کے اہل علم کو فارسی کی زبان زیادہ مزاولت تھی ۔ اس لیے انھوں نے فارسی نہج پر اردو لفظوں کو بھی لکھنا شروع کیا ، جو اب تک ہماری زبان میں رائج ہے ۔ اردو کے لحاظ سے ان کی لکھاوٹ پر نظر ثانی کرنے کی ضرورت ہے ۔

(ب) ہائے مختفی سے لکھے جائیں ، کیوں کہ ان لفظوں کے آخر میں (ہ) مختفی ہے ۔

(ج) الف سے لکھے جائیں ، کیوں کہ یہ الفاظ انگریزی کے ہیں ان میں ہائے مختفی کا استعمال نہیں ہوتا ہے ۔

(د) بدلا ٹھیٹ اردو لفظ ہے ، اس لیے اس کو (ہ) مختفی سے نہ لکھا جائے بے فکرہ ، نودولتہ ، بعضہ ، دو ماہہ ، میں سے (بے فکرہ اور نودولتہ) کو فارسی سے اور (بعضہ) کو عربی سے مورد بنایا ہے ۔ یہ سب صفت ہیں ۔ اردو کے لحاظ سے صفت کی علامت الف ہونی چاہیے ، لہذا ان کو الف سے لکھا جائے اور دوماہہ میں تصرف کر کے مورد بنایا گیا ہے ۔ اس لحاظ سے اس میں صفت کی علامت الف ہونی چاہیے ۔ پس اس کو بھی الف سے لکھا جائے ۔

(ہ) الف سے لکھے جائیں ، کیوں کہ یہ سب صفت ہیں ۔ صفت کے لحاظ سے الف کی علامت ہونی چاہیے ۔

س : (۲) وہ الفاظ جو خود عربی یا فارسی میں الف سے لکھے جاتے ہیں ، انہیں (ہ) سے اور جو (ہ) سے لکھے جاتے ہیں ، انہیں الف سے لکھنا

کہاں تک درست ہے ؟ مثلاً خارا کو خارہ ، آشکارا کو آشکارہ ، حلوا کو حلوہ ، سقا کو سقہ ، مزہ کو مزا ، معما کو معمہ ، مربا کو مربہ ، سکتہ کو سکتا یا گلہ کو گلا ۔

ج : (۲) ان میں خارہ ، آشکارہ ، مزہ فارسی الفاظ ہیں اور یہ صفت ہیں ۔ اردو کے لحاظ سے ان کو الف ہی سے لکھنا مناسب ہے ۔ حلوہ ، سقہ ، معمہ اور سکتہ ، یہ عربی کے الفاظ ہیں ۔ ان میں سکتہ کو (ہ) سے لکھا جائے تاکہ سکتا فعل سے التباس پیدا نہ ہو ۔ باقی کو اردو کے لحاظ سے الف ہی سے لکھنا چاہیے ۔ گلہ خالص فارسی کا لفظ ہے اور اس کے آخر میں (ہ) مختفی ہے اس لیے اس کو ہائے مختفی سے لکھا جائے ۔

س : (۳) ایسے الفاظ کا املا فارسی طرز پر ہو یا عربی طرز پر ، جو اردو میں فارسی کی وساطت سے آئے ہیں اور جن میں فارسی والوں نے کچھ تصرف کر لیا ہے ۔ مثلاً : جزء (حصہ) بغیر واو یا (جزو) واو کے ساتھ ۔

ج : (۳) جزء کا املا عربی طرز پر ہونا چاہیے کیوں کہ اس کا اصل املا یہی ہے ، البتہ جب اس کو موصوف بنایا جاتا ہے تو اس وقت ہمزے کو (واو) سے بدل دیتے ہیں جیسے : جزوی وقت ، جزوی آمدنی ۔ لیکن جزء کا خود اردو املا بغیر ہمزے کے ہونا چاہیے ۔

س : (۴) (الف) جن الفاظ میں الف بصورت (ی) یا الف بصورت (واو) آتا ہے ، انھیں عربی طرز پر لکھا جائے یا تنہا الف سے ؟ مثلاً : زکوٰۃ یا زکات ۔ اعلیٰ یا اعلا ایسے الفاظ ، جنھیں فارسی یا خود عربی میں تنہا الف سے لکھتے چلے آئے ہیں ، یقیناً مستثنیات میں سے ہیں جیسے دنیا ، عصا ، تمنا ، تماشا ، تقاضا ، ماجرا ، معما وغیرہ ۔ بعض الفاظ میں اردو والے الف بصورت (ی) لکھتے ہیں ، حالانکہ ان کا تنہا الف سے لکھا جانا صحیح ہے ۔ مثلاً : استعفاء ، ارتضاء ، اصطفاء اجتباء ۔

(ب) جن الفاظ کے کسی حرف پر کھڑا زبر (الف بطنی) آتا ہے ، انھیں دو طرح سے لکھتے ہیں مثلاً : مثلاً اسحٰق ، اسمٰعیل یا اسحاق ، اسماعیل ۔ پہلا طریقہ قدیم ہے ، جو بڑی حد تک متروک ہے ۔ مثلاً سلمان کو سلیمن کوئی نہیں لکھتا ۔ بعض صرف ایک ہی طرح سے لکھے جاتے ہیں ۔ مثلاً : ہٰذا ، الٰہ ، الہ آباد وغیرہ ۔ آیا ان مستثنیات کے باوجود قدیم طرز کو کلیتہً

متروک قرار دے دینا مناسب ہوگا ؟ (انجمن ترقی اردو کا فیصلہ ہے کہ ایسے تمام الفاظ جدید طرز پر لکھے جائیں یعنی زکواۃ کو زکات، اعلیٰ کو اعلا ، اسمٰعیل کو اسماعیل لکھا جائے)۔

ج : (۴) (الف) زکواۃ میں الف بصورت واو اعلیٰ میں الف بصورت (ی) ۔ یہ قدیمی اور عربی طرز ہے جو عربی علماؑ کی وساطت سے اردو میں رائج ہوگیا ہے اور اس کا اب تک چلن ہے ۔ اس کو بدلنے کی ضرورت ہے ۔ جدید طرز پر اردو میں تنہا الف کے ساتھ زکات اور اعلا اور بغیر ہمزے کے استعفا ، ارتقا ، اصطفا ، اجتبا کو لکھنا چاہیے ۔

(ب) اوپر کے الفاظ کو کھڑے زبر سے لکھنے کا عربی طرز ہے ، جو اردو کے لیے موزوں نہیں ہے ، اس کے لحاظ سے ان کو متصل الف سے لکھنا چاہیے ۔ جیسے : اسحاق اسماعیل ، ہذا ، لہذا ، الہ ، الہی ۔ یہ عربی کھڑے زبر کی مثالیں ہیں ، جو اردو میں قدیم سے بلا الف بطنی مروج ہیں یعنی ھذا ، لہذا ، الہ ، الہی ، ان کی لکھاوٹ کو بالاتفاق مان لیا گیا ہے ، اس لیے ان کو اسی نہج پر لکھنا چاہیے ۔

س : (۵) (الف) جن عربی الفاظ میں مدور (ۃ) کی آواز اردو میں تائے طویلہ ہے ۔ اس کی شکل گول (ۃ) کی ہو یا لمبی (ت) کی ؟ جیسے : زکواۃ ، صلواۃ وغیرہ میں اکثر الفاظ کے ساتھ اردو اور فارسی میں (ت) ہی لکھی جاتی ہے ، لیکن ایسے الفاظ بھی ہیں ، جن میں عربی طرز املا کا لحاظ رکھا جاتا ہے ۔ (انجمن ترقی اردو کا فیصلہ ہے کہ ایسے تمام الفاظ (ت) سے لکھے جائیں) ۔

(ب) جن عربی الفاظ کے آخر میں مدور (ۃ) ہے ۔ ان پر تنوین دیتے وقت آخر میں ایک الف زائد کر دینا کہاں تک درست ہے ؟ مثلاً : قدرت سے قدرتاً ، دفعہ سے دفعتاً ۔

ج : (۵) (الف) مدور (ۃ) خالص عربی طرز ہے ، اس لیے اردو کے لیے موزوں نہیں ہے ۔ اس کے لحاظ سے لمبی (ت) کا استعمال کرنا چاہیے ۔

(ب) اس طرح لکھنا بالکل غلط ہے ۔ املا کا قاعدہ یہ ہے کہ اگر کسی عربی لفظ کے آخر میں (ت) یا (ہ) ہو ، تو زبر کی تنوین لکھی جاتی ہے اور

اگر یہ نہ ہو ، تو الف بڑھا کر تنوین لگاتے ہیں جیسے قدرت سے قدرةً ، دفعہ سے دفعتہً ، اشارہ سے اشارةً ، اتفاق سے اتفاقاً ، یقین سے یقیناً احتیاط سے احتیاطاً ۔

س : (۶) فارسی اور ترکی کے بعض الفاظ (ت) کی بجائے (ط) سے بھی لکھے جاتے ہیں ۔ جیسے : طپیدہ ، طشت ، طوطی ، طشتری ، طباشیر وغیرہ ۔ کیا ان الفاظ کو ت سے لکھنا زیادہ صحیح ہوگا ؟

ج : (۶) (ت) ہی سے لکھنا زیادہ صحیح ہے ، کیوں کہ ط خالص عربی ہونے کے سبب آج کل متروک ہو چلا ہے ، اس کی جگہ ت مخصوص فارسی کا استعمال کیا جا رہا ہے ۔

س : (۷) بعض جگہ فارسی والوں نے (س) کی جگہ (ص) اور (ص) کی جگہ (س) لکھنا شروع کر دیا ہے ۔ جیسے : اصطخر کہ پہلوی میں تسخر تھا یا صد کہ دراصل سد تھا (چنانچہ فارسی امروز میں سدہ یعنی قرن) صینی ، چین (صین سے بنا) ، مگر فارسی میں عموماً سینی ہے اور شصت کا املا دونوں طرح کیا جاتا ہے ۔ آیا ایسے الفاظ کا کون سا املا اردو میں قابل ترجیح ہوگا ؟

ج : (۷) ایرانیوں نے ملت پرستی کے تحت اپنی زبان میں رد و بدل اور اصلاح شروع کر دی ، چنانچہ یہ بعض الفاظ کے املا میں مخصوص عربی حرفوں کی جگہ ٹھیٹ فارسی حرفوں کا استعمال کرنے لگے ہیں ، تا کہ موجودہ ایرانی زبان پہلوی اور اوستا کے مماثل ہو جائے ۔ چوں کہ ہندوستان میں قدیم الایام سے جو فارسی زبان رائج تھی ، وہی اب تک ادب اور لغت میں جاری ہے اس لیے اصطخر ، صد ، سینی اور شصت کا املا قدیم طرز ہر ہی ہونا چاہیے تا کہ گڑبڑ نہ ہو جائے ، البتہ لغت میں قدیم لفظ کے ساتھ جدید لفظ کو بھی ظاہر کیا جا سکتا ہے ۔

س : (۸) (الف) پیش یا زیر ظاہر کرنے کے لیے بعض الفاظ میں پہلے (و) یا (ی) لکھتے تھے مثلاً : اوس ، اودھر ، ایدھر جو اب متروک ہے ، البتہ بعض الفاظ کو اب بھی (و) کے ساتھ اور بغیر (و) دونوں طرح لکھتے ہیں جیسے : ہندوستان (ہندستان) ، گودام (گدام) ، دولارا (دلارا) اس طرح (ی) کے ساتھ اور بغیر (ی) بھی جیسے : جیوں تیوں (جوں توں) ۔ آیا ایسے

الفاظ میں (و) یا (ی) کی تخفیف قابل ترجیح ہے ؟ (وہ صورت اس سے جدا ہے ، جہاں فارسی الفاظ میں خائے معجمہ کے بعد واو معدولہ آتا ہے جیسے : خواب ، خود ، خور ، خوش وغیرہ ہیں ، کیوں کہ اوستا میں (خو) ایک مخصوص صوت تھی - جیسے پہلوی میں خا و واو معدولہ سے ادا کیا گیا (سبک شناسی ج ۱ ، ص ۸۲) - (ب) بعض اہل علم خربزہ اور تربز لکھتے ہیں ، مگر محمد حسین آزاد نے (سخندان فارس میں) ان الفاظ کے اردو تلفظ کا لحاظ رکھتے ہوئے خربوزہ اور تربوز لکھا ہے - کیا ان فارسی الفاظ کے املا میں جن کا تلفظ اردو میں آ کر کچھ بدل گیا ہے - اس قسم کا تصرف جائز نہ ہوگا ؟

ج : (۸) (الف) چوں کہ روزمرہ بول چال میں ہندوستان کو ہندستان ، گودام کو گدام اور دولارا کو دلارا واو کے حذف کے ساتھ بولا جاتا ہے - اردو تلفظ کے لحاظ سے بلا واو کے لکھنا قابل ترجیح ہے - اسی طرح جیوں تیوں میں (ی) حذف کر کے جوں توں لکھا جائے -

(ب) اردو تلفظ کے لحاظ سے تصرف کرنے کی ضرورت ہے ، لہذا خربوزہ اور تربوز میں واو حذف کر کے ان کو خربزہ اور تربز لکھا جائے -

س : (۹) دو چشمی (ھ) کا استعمال کہاں ہونا چاہیے ؟

(الف) آیا اس جگہ جہاں کسی دوسرے حرف کے ساتھ مل کر آواز دے ، ورنہ ہائے ہوز - جیسے : بھائی ، بہائی -

(ب) آیا جہاں دو (ہ) ایک ساتھ آئیں ، پہلی (ہ) کو دو چشمی (ھ) لکھنا مناسب ہوگا ؟ جیسے : قہقہہ ، دوماہ ، سہ ماہ وغیرہ -

ج : (۹) (الف) ہائے دو چشمی کا استعمال اس جگہ کرنا چاہیے جہاں وہ اگلے حرف کے ساتھ مل کر آواز دے - یہ پندرہ حروف ہیں ، جن کا استعمال ٹھیٹ اردو ہندی لفظوں میں ہوتا ہے -

(ب) جہاں دو (ہ) ایک ساتھ آئیں اور وہ ہائے مخلوطی میں داخل نہ ہوں ، تو ایسی (ہ) کو کہنی دار ہے (ہ) یا گول ہے (ھ) کے ساتھ لکھنا چاہیے - جیسے : قہقھہ ، دو ماھہ ، سہ ماھہ -

س : (۱۰) آیا حسب ذیل صورتوں میں ہمزہ (ء) لکھا جانا ضروری ہے ؟

(الف) جب کہ لکھا جائے اور پڑھا نہ جائے - جیسے : ضوٗ ، شیٔ ، ضیاٗ ، میں (اس کے ساتھ وہ صورت بھی نظر میں رہنی چاہیے جب کہ ایسا لفظ تنہا نہ آئے ، بلکہ کسی مرکب میں یا فقرے میں آئے - جیسے : ثناٗ اللہ ، ان شاٗ اللہ وغیرہ -

(ب) جب کہ بطور حرکت کسی حامل حرف کے ساتھ آئے - (اول) بصورت الف - جیسے :[1] جرأت ، تأخر ، توأم میں -

(دوم) بصورت واو - جیسے : مؤدب ، مؤنث ، مؤثر میں -

ج : (۱۰) (الف) املا کا قاعدہ یہ ہے کہ جن عربی لفظوں کے آخر میں الف واو یا میں سے کوئی ایک حرف ہو یا نہ ہو ، مگر ہمزہ موجود ہو ، اردو میں ان کو ہمزے کے بغیر لکھا جائے - جیسے : بنا ، ضیا ، ضو ، سو ، شے ، طے وغیرہ ، البتہ ترکیب کی صورت میں ہمزہ کا لکھنا ضروری ہے -

(ب) (۱) جن عربی لفظوں کے درمیان (ا) آئے - ان کو اردو میں ہمزہ چھوڑ کر صرف الف سے لکھا جائے - جیسے : جرات ، تاخر ، توام
(ب) جو عربی الفاظ مفصل کے وزن پر آئیں ، ان کو اردو میں ہمزہ چھوڑ کر صرف واو سے لکھا جائے - جیسے : مودب ، مونث ، موثر -

س : (۱۱) آیا اضافت کے وقت ان الفاظ کے بعد جن کے آخر میں الف یا واو ہے ، بڑی (ے) بغیر ہمزہ لکھنا چاہیے ؟ مثلاً : دانائے روزگار ، خوئے دوست ، علمائے کرام (واضح رہے کہ اکثر اہلِ علم عربی کے ان الفاظ میں جن میں ہمزہ پایا جاتا ہے - ہمزہ کے نیچے کسرہ دے دیتے ہیں - جیسے : علماٗ کرام ، ابتداٗ آفرینش وغیرہ)

ج : (۱۱) (ا) ایسے الفاظ جن کے آخر میں الف یا واو آئے ان کو اضافت کی صورت میں ہمزہ کے ساتھ بڑی (ے) بڑھا کر لکھنا چاہیے - اس

---

۱ - جرأت کا املا عربی طرز کا ہے - عربی میں متحرک الف (ہمزہ) کہلاتا ہے اور ساکن الف لفظ مذکور کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں ہمزہ ہے ؛ چونکہ اردو کا متحرک الف ، عربی ہمزے کا قائم مقام ہوتا ہے ، اس لیے جرات میں (أ) کے بجائے صرف الف استعمال کیا گیا ہے -

کے برخلاف جو عمل ہے وہ بے قاعدہ ہے ۔ صحیح املا یوں ہے ، جیسے :
دانائے روزگار ، خوئے دوست ، علمائے کرام اور ابتدائے آفرینش وغیرہ ۔

س : (۱۲) ہندی اردو الفاظ میں ہمزے کا استعمال کس جگہ صحیح ہوگا اور کہاں غلط ؟

(الف) آیا دو حروف علت کے بیچ میں صحیح ہوگا ، جب کہ دونوں کی آوازیں مختلف ہوں ۔ مثلاً آؤ جاؤ لاءوں ، کھاؤں ، آئے جائے میں ۔

(ب) آیا دو حرف علت کے بیچ میں جائز نہ ہوگا ؟ جب کہ دونوں کی آوازیں مل کر ایک آواز دیتی ہوں ۔ مثلاً : بناوسگار ، داوپیچ ، گھاو یا گاے ، چاے ، راے ، ہاے یا دیو ، سیو وغیرہ ۔

(ج) آیا ہمزہ اسی صورت میں آئے گا جب کہ اس سے پہلے حرف پر زبر ہوگا اور اگر زیر ہوگا تو نہ آئے گا اور اس کے بجائے (ی) لکھنا صحیح ہوگا ؟ مثلاً : (ہر دو معنوں میں) لیجئے ، دیجئے میں (ی) اور گئے میں ہمزہ ۔

(د) فارسی میں جز بجز تو مقطوع الاضافت ہیں ، مگر سوا (غیر) کو جب حرف استثنا کے طور پر استعمال کرتے ہیں ، تو سواے لکھتے ہیں اور اسی طرح بجاے ۔ اردو میں یہ الفاظ جوں کے توں لے لیے گئے ہیں (سوا یا ماسوا) : البتہ دونوں طرح آتے ہیں اور اس کثرت سے مستعمل ہیں ۔ اب یہ کہنا مشکل ہے کہ اردو میں یہ صورت صحیح نہیں ، آیا ایسے الفاظ کا املا آئے اور جائے کی طرح ہمزے کے ساتھ کیا جائے یا بغیر ہمزے کے ؟

ج : (۱۲) (الف) ہمزے کا استعمال اسی وقت ہوگا ، جب کہ دو حرف اعرابی[1] (حروف علت) الگ الگ آواز دیں ، یہ ہمزہ دوسرے حرف اعرابی (حرف علت) کے اوپر لکھا جائے ۔

(ب) جب کہ دو حرف اعرابی صاف آواز نہ دیں تو ہمزہ استعمال نہ کیا

---

۱ - قواعد میں الف ، واو اور یا کو حرف علت سے موسوم کرتے ہیں ، حالاں کہ اردو کے لحاظ سے یہ حروف اپنی اپنی موافق حرکتوں کو ظاہر کرتے ہیں ۔ انہیں حروف اعرابی لکھنا چاہیے ۔ اردو میں حروف علت نہیں ہوتے ، کیوں کہ اس میں مثل عربی کے اجوف ، معتل اور مہموز ، کا عمل نہیں ہوتا ہے ۔

جائے - جیسے : بناوسنگار ، داوپیچ ، گھاو ، گائے ، چائے ، رائے ، ہائے ، دیو ، سیو ، جنیو وغیرہ -

(ج) جب کہ حرف اعرابی (ی) صاف آواز دے تو ہمزہ استعمال کیا جائے گا ورنہ صرف (یا) لکھی جائے جیسے : نئے ، گئے ، کئی ، بھئی ، لیے ، جیے ، بنیے اور بھروہیے -

(د) اس صورت میں (الف) کے قاعدے کا اطلاق ہوگا - جیسے سوائے ، بجائے -

س : (۱۳) کیا حسب ذیل صورتوں میں ہمزہ چھوڑ جانا غلط ہے :

(الف) مثلاً : لکھنئو کو لکھنو لکھنا -

(ب) ہندوؤں ، بیواؤں ، دایاؤں کے بجائے ہندوین یا ہندوں یا بیووں اور دایوں لکھنا -

ج : (۱۳) (الف) لکھنو میں حرف اعرابی ، (و) صاف آواز دے رہا ہے ، اس لیے اس کو ہمزے سے لکھا جائے - جیسے لکھنئو -

(ب) ہندوؤں میں دو حروف اعرابی (واو) الگ الگ آواز دے رہے ہیں اس لیے ان کو ہمزے کے ساتھ لکھا جائے - جیسے : ہندوؤں اور بیواوں ، دایاوں میں الف اور واو حروف اعرابی صاف آواز دیتے ہیں ، اس لیے ان کو ہمزے کے ساتھ لکھا جائے جیسے : بیواؤں ، دایاؤں -

س : (۱۴) جب نون غنہ کے بعد (ب) آئے اور (م) کی آواز پیدا ہوتی ہو - جیسے : انبیا میں (امبیا) یے نئب کو نیم کو (م) سے لکھنا درست ہوگا یا ن ب سے - ایسی صورت میں فارسی الفاظ جیسے : شنبہ تنبورہ کے املا میں (م) آنی چاہیے یا (ن) جیسا کہ فارسی میں لکھا جاتا ہے -

ج : (۱۴) اس کے لیے قاعدہ یہ ہے نون غنہ والے لفظ ، جن کے بعد (بے) آئے اور (میم) کی آواز دیں - ان میں فارسی عربی لفظوں کو (ن) ہی سے لکھنا چاہیے - جیسے : انبیا ، نئب ، شنبہ ، تنبورہ -

س : (۱۵) بعض فارسی الفاظ کو (ز) سے لکھنا چاہیے یا (ذ) سے مثلاً : گذر یا گزر ، گذارش یا گزارش ، آذر یا آزر ، پذیرا ، پزیرا (ذ اور ز)

کے بارے میں کافی اختلافی بحثیں رہی ہیں ، لیکن یہ بات پایۂ ثبوت تک پہنچ چکی ہے کہ (ذ) کی آواز عربی کے ساتھ ہی مختص نہیں - ایران کی قدیم زبانوں میں مثلاً : اوستا میں بھی یہ آواز پائی جاتی تھی (سبک شناسی ج ۱ - ص ۱۹۲) -

ج : (۱۵) عموماً فارسی لفظوں میں مخصوص عربی حرف (ذ) استعمال نہیں کیا جاتا ہے - باوصف اس کے بعض مستثنیات بھی ہیں (ز) سے - جیسے : گزر ، گزارش اور (ذ) سے جیسے : آذر ، پذیرا -

س : (۱۶) اردو کے جن مصادر میں ایک نون (نا) کا اور ایک پہلے جز کا دونوں ایک ساتھ آتے ہیں - انہیں تشدید کے ساتھ لکھنا صحیح ہوگا یا (ن) کے تکرار کے ساتھ ؟ مثلاً : بننا تننا ، یا بنا تنا -

ج : (۱۶) اردو مصادر کو عموماً نون کی تکرار سے لکھا جائے - تشدید کے ساتھ لکھا نہ جائے ، تاکہ فعل کی صورت ظاہر ہو سکے ورنہ اسم سمجھا جائے گا - جیسے : بننا ، تننا ، سننا (برخلاف انا ، گنا) دھنا -

س : (۱۷) آیا حسب ذیل صورت میں (ہ) یا الف کی جگہ (ے) لکھنا صحیح ہوگا :

(الف) اردو تلفظ میں جہاں امالہ آئے جیسے : دو بچے کھیل رہے تھے (بحالت جمع) یا بچے نے سبق پڑھا - کتے کو مت چھیڑ - اس واقعے سے عبرت پکڑنی چاہیے - (بحالت واحد) ؛ یا جیسے : پتے بازی ، دھوکے کی ٹٹی وغیرہ -

(ب) اسمائے معرفہ میں بھی یہ تبدیلی صحیح ہوگی - جیسے : آگرے کے جوتے مشہور ہیں ، بندے علی کو بلاؤ -

ج : (۱۷) (الف) اس کے لیے یہ قاعدہ ہے کہ جن اسموں کے آخر میں الف یا (ہ) ہو ، تو وہ حروف ربط کے ساتھ یائے مجہول سے بدل کر لکھے جاتے ہیں ، مگر دانا ، صحرا اور دوا اس سے مستثنا ہیں - جیسے : لڑکے (لڑکا) نے سبق پڑھا - کتے (کتا) کو مت چھیڑ - اس واقعے (واقعہ) سے عبرت پکڑنی چاہیے - موٹر کے حادثے (حادثہ) سے ایک آدمی مرا -

(ب) ہاں اسمائے معرفہ میں بھی تبدیلی ہو سکتی ہے - جیسے : آگرے

(آگرہ) کے جوتے مشہور ہیں - بجواڑے (بجواڑہ) سے آم دساور جاتا ہے ، مگر بندے علی کو بلاؤ کے بجائے ، بندہ علی کو بلاؤ لکھنا چاہیے ، کیوں کہ بندہ اور علی کے درمیان کوئی حرف ربط نہیں ہے -

س : (۱۸) بعضے الفاظ ، جن میں نون غنہ ہے کئی طرح سے لکھے جاتے ہیں ان میں سے کون سی صورت تلفظ سے قریب تر ہونے کی بنا پر صحیح ہے ؟ مثلاً کنوا یا کنواں یا کواں ؟ بعض کنوا کو ترجیح دیتے ہیں - اسی طرح گانو ، پانوں کو زیادہ صحیح سمجھتے ہیں ، کیوں کہ ان کا کہنا ہے کہ نون غنہ صرف پہلے بول (Syllable) پر ہے ، دونوں پر نہیں ہے - غالب کے نزدیک پانو لکھنا غلط ہے) -

ج : (۱۸) کنوا بولنے میں پہلے سٹک (Syllable) پر نون غنہ کا اظہار ہوتا ہے نہ کہ دوسرے سٹک کے آخر میں اس لیے کنوٗا لکھنا زیادہ صحیح ہے - اسی طرح گانوٗ ، پانوٗ ، چھانوٗ اور دانوٗ کو سمجھو -

س : (۱۹) (الف) بعض لوگ (۱۱ سے ۱۸ تک) گنتی کے لفظوں کے آخر میں الف لکھتے ہیں - جیسے : گیارا اور بعض اصلی اور ملفوظی (ہ) کے ساتھ یعنی گیارہ ، بارہ ، مذکورۂ بالا صورتوں میں سے کون سی صورت صحیح ہے ؟

(ب) اس صورت سے بعض لوگ دونوں کو دونو بغیر نون غنہ لکھتے ہیں ان میں سے کون سا املا درست ہے ؟

(ج) اگر منادا جمع ہو ، تو اس کے آخر میں نون غنہ لکھنا صحیح ہوگا یا غلط یعنی اے لڑکوں لکھنا درست ہوگا یا اے لڑکو ، صاحبو ، دوستو وغیرہ -

ج : (۱۹) (الف) ۱۱ سے ۱۸ تک گنتی کے لفظوں میں ہائے مختفی کا اظہار ہوتا ہے ، اس لیے ان کو (ہ) مختفی سے لکھنا چاہیے -

(ب) نون غنہ کے ساتھ صحیح ہے کیونکہ اس لفظ کے آخری سٹک پر غنہ کا اظہار ہوتا ہے -

(ج) منادا کو نون غنہ کے ساتھ لکھنا غلط ہے اے لڑکو ! صاحبو ! دوستو ! وغیرہ صحیح املا ہے -

س : (۲۰) ان عربی لفظوں کو جن پر تنوین آتی ہیں دو زبر یا دو زیر یا دو پیش سے لکھا جائے یا مطلوبہ حرکت کی علامت دے کر (ن) سے ؟ مثلاً : فوراً یا فورن ۔ نسلاً بعد نسل یا نسلن بعد نسلن وغیرہ (بعض اوقات منون ہمزہ ہوتا ہے ۔ اسی صورت میں دو الف لکھنے ہوں گے ۔ یعنی ابتداءً کو ابتدا ان) ۔

ج : (۲۰) تنوین کو دو زبر یا دو زیر یا دو پیش سے لکھا جائے منون ہمزہ ہونے کی صورت میں اس پر دو زبر دیے جائیں : ابتداءً ۔

س : (۲۱) مندرجۂ ذیل الفاظ کا املا ایک سے زیادہ صورتوں میں رواج پا گیا ہے ۔ بعض کا مختلف فیہ ہے ۔ ان میں سے کون سی صورت کو ترجیح ہے ؟

اکا ، یکہ : (۱) تاش کا پتا (۲) سواری کا نام (۳) تنہا (۴) اکا دکا ۔

ملیدا ، ملیدہ : (فارسی کا لفظ ملیدہ ہے ، مگر فارسی الفاظ میں الف کا حذف جائز ہے ۔ جیسے اسوار سے سوار ، باغ داد سے بغداد ہوگیا ۔ اسی طرح سے اردو والوں نے الف حذف کرکے مالیدہ کو ملیدہ بنا لیا) اگر یہ تصرف قاعدے کے مطابق ہے ، تو اس کا املا ملیدہ ہی ہونا چاہیے اور اگر اسے مورد خیال کیا جائے ، تو ملیدا) ۔

زردا ، زردہ : (کھانے کا تمبا کو یا میٹھے چاول) ۔

خط شفیعا ، خط شفیعہ : (خط شفیعہ لکھنا غلط ہوگا ، کیوں کہ شفیعہ ایک شخص کا نام ہے ، جو اس خط کا موجد تھا) ۔

آزوقہ ، آذوقہ ۔ یہ لفظ فارسی ہے اور اس کا املا ز سے صحیح سمجھا جاتا ہے ، مگر ایک تحقیق یہ بھی ہے کہ سنسکرت لفظ اجیوکا سے آذوغہ بذال معجمہ بنا (سبک شناسی ج ۱ ص ۸۲) ۔ ذ اور ث کی آوازیں ساسانیوں کے عہد میں بھی پائی جاتی تھیں ۔ یہ آوازیں فارسی میں بعد کو گری ہیں ۔ بعض الفاظ میں (ذ) اب تک دیکھنے میں آتی ہے ۔

آزر : (حضرت ابراہیمؑ کے چچا کا نام ہے) لفظ آذر سے اس کا کوئی تعلق نہیں ۔

زات ، ذات : عربی میں ذات کے معنی نفس یا شخص کے ہیں نژاد یا

قوم کے نہیں - کہا جاتا ہے کہ یہ لفظ سنسکرت لفظ جات سے نکلا ہے - عربی لفظ ذات سے اس کا کوئی تعلق نہیں -

لمبردار ، نمبردار :

زرا ، ذرہ : اختلاف اللسان از وجاہت حسین جھنجانوی میں اس پر بحث یکجا ملتی ہے -

ازدحام ، ازدھام ، اژدھام ، اژدحام -

چھے ، چھ ، چھہ -

کیوں کر یعنی کیوں کے ، کیونکہ ، (مثلاً نہ جانوں کیونکے مٹے داغ طعن بد عہدی - غالب)

دکان ، دوکان -

خرد ، خورد

گرم مصالح ، گرم مصالحہ ، گرم مسالا - (سرسید مرحوم نے خطبات میں گرم مصالح لکھا ہے) -

منھ ، منہ ، مونھ -

ناتا ، ناطہ -

(ابوالکلام آزاد نے غالباً اس لفظ کا رشتہ نوط سے جوڑ کر ط اور مختفی (ہ) سے لکھا ہے) -

عضلہ (پنڈلی کا گوشت) -

حضیرہ : (ایک طرح کا اجتماع میلا ، جو بدایوں اور دیگر اضلاع میں سالار مسعود غازیؒ کی یادگار میں ہوتا ہے - (ضریبہ : آگرے یا دہلی میں پنواڑیوں کا بازار یا محلہ)

یہاں یہ دقت پیدا ہوتی ہے کہ اردو میں جن حروف کا تلفظ (د) کی طرح کرتے ہیں - اگر ایسے الفاظ کو عربی طرز پر لکھا جائے تو اردو تلفظ کو کس طرح ظاہر کیا جائے -

ج : (۲۱) اکا قابل ترجیح ہے ، کیوں کہ یہ ٹھیٹ اردو ہندی لفظ ہے -

۱۳۲۲۱

ملیدا : قابل ترجیح ہے ، کیوں کہ یہ مورد بنایا گیا ہے -

زردا : قابل ترجیح ہے کیوں کہ یہ ٹھیٹ اردو ہندی لفظ ہے -

آزوقہ : قابل ترجیح ہے کیوں کہ یہ فارسی لفظ ہے -

آزر : قابل ترجیح ہے کیوں کہ یہ عربی لفظ ہے -

زات : قابل ترجیح ہے کیوں کہ یہ مورد بنایا گیا ہے -

امبردار : قابل ترجیح ہے کیوں کہ یہ ٹھیٹ اردو ہندی لفظ ہے -

ازدحام : قابل ترجیح ہے کیوں کہ یہ عربی لفظ ہے -

چھ : قابل ترجیح ہے کیوں کہ یہ ٹھیٹ اردو ہندی لفظ ہے -

کیوں کہ : قابل ترجیح ہے - کیوں کہ یہ ٹھیٹ اردو ہندی لفظ ہے -

دکان : قابل ترجیح ہے کیوں کہ واو سے لکھنا غلط ہے -

خرد : قابل ترجیح ہے کیوں کہ یہ فارسی لفظ ہے -

گرم مسالا : قابل ترجیح ہے کیوں کہ یہ مورد بنایا گیا ہے -

منہ : قابل ترجیح ہے کیوں کہ یائے چشمی ، واو اور ھ) سے لکھنا غلط ہے -

ناتا : قابل ترجیح ہے کیوں کہ یہ ٹھیٹ اردو ہندی لفظ ہے -

بقول انشا کے جو لفظ اردو میں آیا وہ اردو ہوگیا - خواہ وہ لفظ عربی ہو یا فارسی - اسی کلیے کے تحت اردو کی مروجہ اصطلاحوں کو خواہ مخواہ اُن کی اصل زبان کی صورت میں ڈھالنے کی کوشش کرنا غلط ہے - پہلے ہی سے ادلا یعنی ران کا گوشت ، جس کو مچھلی بھی کہتے ہیں (عضلہ) کی اور دریبا یعنی پانوں کا بازار (ضریبہ) کی نمائندگی کرتا ہے ، ایسی صورت میں پھر ان کو اردو میں عربی طرز پر لکھنا تحصیل حاصل ہے - حضیرہ اور ضریبہ کا جو مفہوم اردو میں لیا جا رہا ہے ، وہ خود عربی میں مفقود ہے -

(اردو نامہ کراچی ، شمارہ ۶)

ڈاکٹر سہیل بخاری

حروف کا تبادل اور سکون اول کا مسئلہ

قدیم و جدید زبانوں کے تقابلی مطالعے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ کوئی مشترک لفظ اگر ایک زبان میں ایک حرف سے لکھا ہوا ہے تو دوسری زبان میں دوسرے حرف سے تحریر کیا گیا ہے، بلکہ کبھی کبھی تو ایک لفظ کی دو مکتوبی شکلیں ایک ہی زبان میں مل جاتی ہیں مثلاً اربھک (چھوٹا) اور اربھگ کہ ویدک زبان میں کہیں کاف سے لکھا ہوا ملتا ہے اور کہیں گاف سے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ کاف اور گاف دونوں ایک دوسرے کی جگہ لیتے رہتے ہیں۔ اس صورت حال کو تقابلی لسانیات میں تبادل حرف کا نام دے کر ایک مہتمم بالشان اصول کے طور پر پیش کیا گیا ہے جس کی توجیہ و تشریح اس مقام پر دلچسپی سے خالی نہ ہوگی۔

ہندوستانی لسانیات میں زمانہ قدیم کے گرامر نویسوں سے لے کر آج کے گرامر نویسوں اور محققوں تک نے بالاتفاق رائے یہ تسلیم کر لیا ہے کہ ہماری موجودہ زبانیں اور ان کی مائیں جو پراکرتوں کے نام سے موسوم تھیں سنسکرت سے مشتق ہیں، پراکرت کے گرامر نویس یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ پراکرتیں براہ راست سنسکرت سے نکلی ہیں۔ لیکن بعض محتاط مستشرقین کا خیال ہے کہ وہ سنسکرت کی کسی ملتی جلتی بولی سے پیدا ہوئی ہیں۔ اسی طرح بعض محققین کہتے ہیں کہ موجودہ زبانیں براہ راست سنسکرت سے ماخوذ ہیں اور کچھ کا موقف یہ ہے کہ وہ سنسکرت سے بواسطۂ پراکرت مشتق ہوئی ہیں اور کچھ ایسے بھی ہیں جو سنسکرت کو موجودہ زبانوں کا ادبی روپ قرار دیتے ہیں۔ ان تمام آرا میں اختلافات کے باوجود سب سے بڑی قدر مشترک یہ ہے کہ موجودہ زبانیں ہوں یا پراکرتیں ان سب کا سلسلۂ نسب سنسکرت پر جا کر منتہی ہوتا ہے۔ دوسری طرف مستشرقین سنسکرت کو ویدک کی ترقی یافتہ شکل کہتے ہیں اور ویدک کو قدیم ہند

یورپی زبان کی شاخ بتاتے ہیں - یوں اس بر صغیر کی تمام قدیم و جدید زبانیں بواسطہ سنسکرت و ویدک قدیم ہند یورپی زبان کی اولادیں ٹھہرتی ہیں -

اندریں حالات تبادل حروف کی تشریح میں یہ لازم ہے کہ میں زبانوں کے اس نام نہاد کثیرالعیال خاندان (ہند یورپی) کی قریب قریب ہر اہم شاخ سے حوالے پیش کروں اور جہاں جہاں اختلافات نظر آئیں ان کی تشریح کرتا چلوں تا کہ اس لسانی گروہ بندی کا آریائی نقطہ نظر سب پر واضح ہو جائے کہ مستشرقین ، ایرانی علما اور ہندوستانی آچاریہ میں سے بعض اپنے آریائی ذہن کے باعث ایسا سوچنے پر مجبور ہیں ، بعض محض کسی آریائی زبان سے شدید جذباتی وابستگی کے سبب اس خیال کے مؤید ہیں اور کثرت آرا سے متاثر ہوکر ان کے شریک ہو گئے ہیں اور خود انھوں نے تحقیق کی کوئی کوشش نہیں کی ہے -

اب آپ اس تبادل پر غور کیجیے جس کی ایک قسم حلقی و حنکی حروف کا تبادل ہے یعنی بعض زبانوں میں حلقی حروف (کاف اور گاف) حنکی حروف (چ اور ج) سے جگہ بدل لیتے ہیں مثلاً ویدک شوک (شعلہ) سے شوچتی (وہ چمکتا ہے) - ویدک یوگ (جوا رکھنا ، جوتنا) اور یجے (میں جوا رکھتا ہوں میں جوتتا ہوں). یونانی اگروس (کھیت) = ویدک اجرہ ، یونانی اعکسو = لا طینی اعگسے = ویدک اوجس (طاقت). اوستا چسئتی (وہ آتا ہے) =ویدک گچھتی ، ویدک سنچتی (وہ خالی کرتا ہے) اور ویدک سکت (خالی کیا ہوا) اوستا سوک (سوئی) = پہلوی سوچن فارسی آخشیج = آخشیک وغیرہ لیکن اس قسم کا رجحان اس برصغیر کی موجودہ زبانوں میں نظر نہیں آتا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ تبادل پراکرتوں کے لیے غیر تھا لیکن اس تبادل کی مثال میں ورروچی سوتر ۲-۳۳ میں اور لکشمی دھر سوتر ۱-۳-۱۳ میں صرف ایک لفظ کراتو چلادو پیش کرتا ہے جو ایک مفروضہ روپ معلوم ہوتا ہے کیوں کہ کتابی پراکرت ایک مصنوعی زبان ہے جس کے صدہا مفروضہ روپ سنسکرت سے انھی اصولوں کے مطابق ڈھال لیے گئے ہیں جو سنسکرت اور قدیم ہند یورپی زبان سے مخصوص ہیں - دوسری طرف اگر 'چلادو' کو ایک حقیقی روپ بھی تسلیم کر لیا جائے تب بھی پراکرت میں اس تبادل کو ثابت کرنے کے لیے یہ تنہا روپ کافی نہیں ہو سکتا -

اس تبادل پر تمام محققین کا اتفاق ہے لیکن اس کی توجیہ بہت کم لوگوں نے کی ہے ۔ جان بیمز اپنی کتاب "جدید آریائی زبانوں کی تقابلی گرامر" (مطبوعہ لندن ۱۸۷۲ء) کی جلد اول کے صفحہ ۷۲ پر کہتا ہے کہ قدیم آریائی (ویدک ، سنسکرت اور کتابی پراکرت) یونانی اور لاطینی کے علاوہ سامی زبانوں میں بھی جن کی آوازیں (چ اور ج) نہیں ہوتی تھیں اس کے نزدیک حلقی آوازیں (ک ، گ) ان سے قدیم تر اور ابتدائی ہیں جن سے بعد میں حنکی آوازیں پیدا ہوئی ہیں لیکن ایک قسم کی آوازوں سے دوسری قسم کی آوازیں پیدا ہونے کی بات گلے نہیں اترتی کیونکہ بیمز کے اس قسم کے اور بھی نظریات غیر منطقی مفروضے ہیں ۔ البتہ جوزف وائٹ نے "یونانی زبان کی تقابلی گرامر (مطبوعہ آکسفورڈ یونیورسٹی پریس ۱۹۱۲ء) میں ہند یورپی زبان کے حروف تہجی کا نقشہ دے کر تشریح کی ہے کہ اس زبان کی قدیم لپی میں حلقی اور حنکی دونوں قسم کی آوازوں کے لیے صرف ایک ہی قسم کے حروف ملتے تھے ۔ اس طرح حلقی اور حنکی حروف کے تبادل میں اس کے خیال کے بموجب ہند یورپی زبان کی ابتدائی لپی کا ہاتھ رہا ہے اور یہی بات قرین صحت معلوم ہوتی ہے ۔

دوسرا تبادل مصیت و غیر مصیت حروف کا ہے یعنی ک ، گ ۔ چ ، ج ت ، د اور پ ، ب ، باہم جگہ بدل لیتے ہیں اور یہ بھی خالص ہند یورپی زبان کی خصوصیت ہے جو اس کی مختلف شاخوں یونانی ، اوستائی اور فارسی قدیم کے علاوہ ویدک میں بھی ملتی ہے ۔ چنانچہ ہڈسن ولیم نے اپنی کتاب "تقابلی گرامر کا ایک مختصر تعارف" (مطبوعہ کارڈف ۱۹۳۵ء) میں ہند یورپی کے الپ پرانوں کا جو نقشہ دیا ہے اس میں ہند یورپی ب ، د ، گ کو گاتھک زبان کے پ ، ت ، ک کا متبادل ٹھہرایا ہے ۔ جوزف رائٹ نے اپنی کتاب کے صفحہ ۷۰ پر لکھا ہے کہ یونانی زبان میں مصیت و غیر مصیت حروف کا تبادل عام ہے بلکہ پارہ نمبر ۱۰۶ میں وہ یہ بھی کہتا ہے کہ قدیم ہند یورپی زبان کی مختلف شاخوں میں تقسیم ہو جانے سے قبل ہی اس میں گ ، د ، ب کی آوازیں ک ، ت ، پ ہو چکی تھیں ۔ جیکسن نے اوستا گرامر میں اوستا اور ویدک کا موازنہ کرتے ہوئے یہی بات اوستا کے لیے کہی ہے اور میکڈانل نے بھی ویدک گرامر میں ویدک زبان کی یہی خصوصیت بیان کی ہے ۔ صاحب فرہنگ جہانگیری نے آئین ششم میں اس

تبادل کو پیش کیا ہے اور انسائیکلوپیڈیا برٹانکا کی جلد نمبر ۲۱ میں حروف تہجی کے تحت بھی لکھا ہوا ہے کہ فارسی جدید میں فارسی قدیم سے جو اختلاف ہوا ہے اس میں ک ، ت ، پ ، ج ، کا ، گ ، د ب ، ز ، سے تبادل خاص ہے ۔

اس تبادل کی چند مثالیں ملاحظہ کیجئے ۔

ویدک اربھک (چھوٹا) = اربھگ ، کاپھ (تختہ) = کاپھ ، تچ (بچہ) = تج ، چنٹ (کاٹنا) = چنڈ ، تاوت (تب تک) = تاود ، یاوت (جب تک) = یاود ، اپ جا (آب زاد) = اب جا ۔ اوستا کت (گھر) = پہلوی کتک = فارسی جدید کد ، کدہ ، اوستاہچ = فارسی قدیم ہجا = پہلوی اج = فارسی جدید (ز ز) ، اوستا کرت (چھری) پہلوی کارت = فارسی جدید کارد ، فارسی تنبورہ ، دبنورہ ، ستایش = سیدایش ، دراج = تراج ، کفتید گفتیت کردید = کرتیت ، زردشت = زرتشت ، کاج ، کاچ ، پہلوی چوپ (مکڑی) = فارسی جدید چوب = ویدک آپ = اوستا آپ ۔ فارسی جدید آب ، سنسکرت لوپاس = پہلوی روپاش ، روباس = فارسی جدید روباہ سنسکرت شوک = فارسی جدید سوگ ، ویدک یکر = اوستایا کر = پہلوی جکر = فارسی‌جدید جگر ، ویدک وات = اوستاوات (ہوا) فارسی جدید باد ، ویدک کپوت = پہلوی ، کپوت کبوت = فارسی جدید کبوتر ، ویدک کشب = فارسی جدید شب وغیرہا ۔

یہ تبادل پراکرت زبان کے لیے غیر ہے لیکن گرامر نویسوں نے اس کو بھی پراکرت میں تلاش کرنا چاہا ہے اور اس کی کچھ مثالیں پیش کی ہیں ۔ مثلاً سنسکرت ایکو یا ایکم = پراکرت ایکو یا ایگم (چنڈ ۳-۲ ، لکشمی دھر ۱-۳-۱۴) ایگ کا لفظ آج کل کی زبانوں میں نہیں ملتا اور یہ ثبوت اس بات کا ہے کہ یہ روپ فرضی ہے البتہ بعض لوگ ایگیارہ (گیارہ) کو بھی اس تبادل کی مثال میں پیش کرتے ہیں کہ گنتی کی ہر دہائی ایک سے شروع ہوتی ہے اس لیے ایگیا بھی ایک یا آ کیا کا بدل ہوگا ، لیکن اس لفظ کی حقیقت کے متعلق اس وقت یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا ۔ لکشمی دھر سوترا - ۳-۱۴ میں ایک اور لفظ لوک = لوگ بھی دیتا ہے لیکن اس جوڑے میں معنوی اختلاف ملتا ہے سنسکرت میں لوک کے معنی

دنیا کے ہیں اور پراکرت میں لوک کے معنی مرد کے معنی ہیں جس کا اسم مونث لگائی عام طور پر ہماری زبانوں میں مستعمل ہے - پنجابی میں لفظ "لوک" سنسکرت کے زیر اثر "لوک" ہی سے بنایا گیا ہے - چند سوتر ۳-۲-۱ میں پشاچی کا بدل بساجی اور "کرت" کا بدل "کد" دیتا ہے - یہ بھی فرضی روپ ہیں - پشاچ کے اصل تلفظ کا تو مجھے اس وقت علم نہیں البتہ سنسکرت اور ویدک کا "کرت" پراکرت 'کل اور کد، کا بدل ہے -

محققین اس تبادل کی کوئی توجیہ نہیں کرتے البتہ اس سلسلے میں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ قدیم ہند یورپی زبان کا تلفظ کچھ اس قسم کا تھا جس میں دو آوازیں ایک ساتھ ادا کی جاتی تھیں - اس کا اندازہ پنجابی زبان کے تلفظ سے لگایا جا سکتا ہے جس پر آریائی زبان کا زیادہ اثر پڑا ہے چنانچہ اس میں بھرا ، پھرا اور ڈول ، ڈول وغیرہ کا تلفظ ایک ہی سا ہوتا ہے اور دوسری معاصر زبانوں کے حالیہ تام کی ت بھی د سے بدل گئی ہے مثلاً کرتا = کردا ، چلتا = چلدا وغیرہا - اسی آریائی تلفظ کے باعث ہند یورپی زبانوں میں ایک لفظ ایک مقام پر مصمت سے لکھا ہوا ملتا ہے تو دوسرے مقام پر غیر مصمت سے -

تیسرا تبادل دندانی اور نخی حروف کا ہے یعنی ت اور د بالترتیب ٹ اور ڈ سے بدل جاتے ہیں لیکن یہ بات صرف ویدک اور لاطینی سے مخصوص ہے کیونکہ لاطینی میں ٹ ، ڈ مقامی اثرات ہیں اور ویدک میں ٹ ، ڈ ، خالص ہندوستانی آوازیں ہیں جن سے یونانی اور اوستائی وغیرہ خالی ہیں - اس تبادل کو پراکرت کے گرامر نویسوں نے بڑے زور شور سے پیش کیا ہے ، مثلاً سنسکرت ترسر = پراکرت تسر ، (لکشمی دہر ۱-۳-۳۷) ، سنسکرت دولا = پراکرت ڈولا ، سنسکرت دنڈ = پراکرت ڈنڈ (لکشمی دہر ۱-۲-۳۵ ، ورورچی ۲-۳۵) ، سنسکرت در = پراکرت ڈر (ہیم چندر ۱-۲۱۷) وغیرہ یعنی ان کے نزدیک سنسکرت کے الفاظ دندانی حروف پراکرت میں نخی حروف سے بدل لیے گئے ہیں حالانکہ حقیقت بالکل اس کے برعکس ہے -

بعض محققین ہندوستان کی ان مخصوص آوازوں کو بھی ہند یورپی کی آوازوں سے مشتق ثابت کرنا چاہتے ہیں - چنانچہ جان بیمز حسب دستور سابق اپنی کتاب کے ص ۷۳ پر لکھتا ہے کہ ڈ اوستائی د + ر کی اور ٹ

اوستانی ت + ر کی سی آواز دیتا ہے مثلاً ویدک چندر = پراکرات چنڈ (چاند) اور ویدک پتر = پراکرت پٹ (بیٹا) ۔ وہ کہتا ہے کہ اب آ کر ان کا ابتدائی تلفظ بدل گیا ہے اور انھوں نے موجودہ آوازیں اختیار کرلی ہیں جو قدیم آوازوں کی جگہ استعمال ہو رہی ہیں ۔ اس کے باوجود کثرت رائے اسی امر پر ہے کہ یہ آوازیں ہندوستانی ہیں اور قدیم ہند یورپی ان سے یکسر خالی تھی ۔

میکڈانل نے ویدک کے دندانی اور مخی حروف کے تبادل کی تشریح تو کرنا چاہی ہے کہ کن حالات کے تحت دندانی حرف مخی حروف سے بدل جاتا ہے لیکن اس کی وضاحت اس نے بھی نہیں کی کہ اس تبادل کا تعلق محض مکتوبی روپوں سے ہے یا آوازوں سے ۔ یہ میرے نزدیک اس تبادل کی تشریح و توجیہہ یہ ہے کہ آریا جو قدیم ایرانی زبان بولتے ہوئے ہندوستان میں داخل ہوئے تھے ، ابتدا میں یہاں کی مخی آوازوں (ٹ ، ڈ ، ڑ) کا صحیح تلفظ نہیں کر پاتے تھے ۔ جیسا کہ آج کل بھی ایک ایرانی کے لیے نا ممکن ہے ۔ دوسرے یہ کہ ان کی قدیم لپی میں بھی جو وہ اپنے ساتھ لائے تھے ، ان آوازوں کے لیے کوئی علامات (حروف) مقرر نہیں تھیں اس لیے انھوں نے ویدک میں ان آوازوں کو ان سے مشابہ یعنی اپنی آبائی زبان کی دندانی آوازوں (ت ، د یا ت + ر اور د + ر) سے ادا کیا اور ویدک میں اپنی لپی کے دندانی حروف سے تحریر بھی کر دیا ۔ اس کا اثر پنجاب کی زبان پر زیادہ پڑا کیونکہ آریاؤں کی بود و باش ہندوستان کے اس علاقے میں دوسرے علاقوں کی بہ نسبت زیادہ عرصے تک رہی ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ شور سینی پراکرات میں مہاشٹری پراکرت کے اور پنجابی میں اردو کے مخی حروف کی جگہ بیشتر دندانی حروف ملتے ہیں ، مثلاً اردو ڈھکیل = پنجابی دھکیل ، اردو ٹوٹ = پنجابی تٹ وغیرہ ۔

یہ ویدک کے اس تبادل کی جزوی تشریح ہے کیونکہ ویدک میں مخی حروف کے استعمال میں بھی بڑی نا ہمواری ملتی ہے یعنی جہاں اس میں پراکرت کے مخی حرف کو دندانی سے بدل کر مونڈھ (سر) کو موردہانم ، اٹھا کو ورتھا ، بیٹھا کو ویدھا ، ڈول کو درون ، لٹایا کونپاتیا ، انڈل (وہ جانور جو خصی نہ کیا گیا ہو) کو آنلت (بیل) ، گھٹنا کو گھرتا ، بٹ (بل) کو ورت ، ٹھنڈا کو شحندرا ، اکڑا کو اکرت ، باچھڑا (بچھڑا) کو

باشرا ، گھوڑا کو ئھورم ، سونے کو شونر ، اورسنا (نزدیک) کو سچا لکھا گیا ہے ، وہاں دندانی کو مخی سے بدل کر وشتی کو وشٹی (وہ چاہتا ہے) ، فارسی است (ہے) فارسی کواشت ، اوستائی مرکب ست کوشٹ ، یونانی لاحقہ تفضیل کل استوس کواشتھ ، ایرانی مرزد (صاف کیا ہوا) کومرشٹ ، فارسی مرشت کوسرشٹی بھی تحریر کیا گیا ہے ۔

تبادل کی چوتھی قسم الپ پر ان (ک ، گ ، ج ، ج ، وغیرہ) اور مہاپران (کھ ، گھ ، جھ ، چھ وغیرہ) کے تبادل کی ہے اور یہ بھی صرف ویدک سے مخصوص ہے ، کیونکہ قدیم ہند یورپی زبان میں مخی حروف کی طرح مہاپران بھی نہیں تھے - یہی وجہ ہے کہ آج بھی اس کی شاخوں میں یہ حروف نہیں ملتے لیکن مستشرقین ویدک کو تمام و کمال قدیم ہند یورپی زبان سے مشتق گردانتے اور اس کے مہا پرانوں کو بھی ہند یورپی کی ملکیت بتاتے ہیں ، حالانکہ وہ اس بات کی توجیہ سے قاصر ہیں کہ آخر قدیم ہند یورپی کی دوسری شاخوں سے یہ آوازیں کیوں اور کیسے معدوم ہوگئیں - دراصل ان ویدک کے پراکرت جزو کا علم ہی نہیں ہے اور یہ حقیقت بھی ان کی نظر سے رہ گئی ہے کہ جو زبان ایک جگہ سے دوسری جگہ کو سفر کرتی ہے ، اس میں مقامی اثرات بھی داخل ہو جاتے ہیں ۔

میرے نزدیک اس تبادل کی توجیہ یہ ہے کہ آریوں کو ہندوستان میں آکر جب مخی آوازوں کی طرح مہا پرانوں سے بھی سابقہ پڑا تو انہوں نے ان کی جگہ اکثر محض الپ پران بول اور لکھ کر کام نکالا - اس کا اثر یہ ہوا کہ آج نہ صرف اردو بلکہ ہند و پاک کی تمام زبانوں کے کثیر تعداد الفاظ میں قدیم مہا پرانوں کی جگہ الپ پران نظر آتے ہیں (دیکھیے میرا مقالہ "قدیم مہاپران اردو میں" مطبوعہ اردو نامہ کراچی شمارہ ششم) - لیکن یہاں بھی ویدک میں وہی بے ضابطگی نظر آتی ہے جو دندانی و مخی کے تبادل میں اوپر بیان ہو چکی ہے چنانچہ جہاں اس میں مہاپرانوں کو الپ پرانوں سے تحریر کیا گیا ہے وہاں الپ پران بھی مہاپران سے لکھے گئے ہیں - پہلے اول الذکر قسم کی مثالیں دیکھیے جن میں مہاپران الپ پران بن گئے ہیں -

پراکرت چڑھاؤ = ویدک چراؤ ، پراکرت بکھر (بکھرنا) = ویدک وکرت ، پراکرت بھول = ویدک پوت ، پراکرت بھپھ (بھاپ) = ویدک ورپس ،

پراکرت پھاٹا (پھٹی ہوئی) = ویدک پراچا ، پراکرت انھ (برباد کرنا) = ویدک اشن ، پراکرت انھ (کھانا) = ویدک اشن ، پراکرت کنھ (کالا) = ویدک کرشن ، پراکرت لٹھی = ویدک رشٹی ، پراکرت چھنھ (جاع کرنا) = ششن ، پراکرت بھجن = ویدک ورجن ، پراکرت بھیھڑا = ویدک پیرو ، پراکرت آکھیا = ویدک (پنجابی بمعنی کہا) = ویدک آسیا ، پراکرت راکھتے (رکھتے) = ویدک راستے ، پراکرت سمجھتے = ویدک سہاستے ، پراکرت لکھ (پرونا ، گوندھنا) = ویدک نشک ، پراکرت بھکھ (بھکنا ، کھانا) = ویدک بھکش ، پراکرت سکھاتا (سکھاتا) = ویدک سورشاتا ، پراکرت آچھے (بنگالی بمعنی ہے) = ویدک آشیے ، پراکرت چھڑ (سلاخ) = ویدک شر ، پراکرت چھڑیاں = ویدک شریام ، پراکرت لکھ پتی = ویدک دکش پتی ، پراکرت چھو (راجستھانی بمعنی ہو جاؤ) = شو ، پراکرت چھاگ (بنگلی بمعنی بکری) = شاکو ، پراکرت چھریا (برج بھاشا بمعنی بکری) = شریا ، پراکرت چھٹ (چھ) = ویدک شل ، پراکرت کھبا (پنجابی بمعنی بایاں) = ویدک سویا وغیرہ ۔

اب وہ مثالیں دیکھیے جن میں الپ پران مہا پران بن گئے ہیں :

فارسی ببر (شیر) = ویدک بھبرو (بادامی) ، فارسی بغ = ویدک بھگ (بھگوان ، خدا) ، فارسی برگ (پتا) = ویدک بھرگ ، فارسی ابر (بادل) = ویدک ابھر ، فارسی درساں (چارہ) = ویدک دھرسن ، فارسی گردد (لڑھکتا ہے) = ویدک گردھد ، فارسی دادار = ویدک دادھار ، اوستا بوئتی (ہوتا ہے) = ویدک بھوتی ، اوستا مئدیم (درمیانی) = ویدک مدھیم فارسی بوم (زمین) = ویدک بھوم ، اوستا براتر ، فارسی جدید برادر = ویدک بھراتر ، اوستا بندم = ویدک بندھم ، اوستا درگم (لمبا) = ویدک دیرگھم ، فارسی بیم (خوف) = ویدک بھیم ، یونانی ستیسس (قیام) = ویدک ستھتی وغیرہ بلکہ یہ ناہمواری اور بے ضابطگی خود پراکرت الفاظ تک جا پہنچی ہے مثلاً پراکرت سگرو (برج بھاشا بمعنی تمام) = ویدک سگھنو ، پراکرت بیلا (برج بھاشا بمعنی وقت ، پنجابی ویلا) = ویدک وے دھا ، پراکرت باؤلے (پاگل) = ویدک واوردھے ، پراکرت بلاؤ = ویدک ودھاؤ ، پراکرت بوجھا (سمجھا) = ویدک بھوشت وغیرہ ۔

تبادل کی مندرجۂ بالا اہم قسموں کے علاوہ ی اور ج ، و اور ب ، س اور ہ کے جوڑے بھی خاص توجہ کے مستحق ہیں ۔ ی اور ج کا تبادل

ہند یورپی کی تمام شاخوں میں عام ہے اور اس کا سبب محض اصول کتابت کا اختلاف ہے ۔ یعنی کہیں ی کے حرف سے ج کی اور کہیں ج کے حرف سے ی کی آواز مراد لی جاتی تھی بلکہ یہ سلسلہ آج تک جاری ہے ۔ چنانچہ ی کی آواز کے لیے بین الاقوامی اصول کتابت میں جے (J) کا حرف رکھا گیا ہے ۔ اس کی مثالیں ملاحظہ کیجیے ۔ ویدک یکر = اوستا یا کر = پہلوی یکر ، جگر = فارسی جدید جگر ، اوستا یخت (ملا ہوا) = پہلوی جخت = فارسی جدید جفت ، ویدک و اوستا یو = پہلوی یو ، جو ، = فارسی جدید جو اوستا اور ویدک یام = پہلوی یام ، جام = فارسی جدید جام ، ویدک یگیہ ، اوستا یسن = فارسی جدید جشن ، ویدک یا تودھان ، فارسی جاوداں ، ویدک یوان = فارسی جوان ، ویدک اریمن ، فارسی ارجمند (عالی مراتبت) ویدک یگم (جوا) لاطینی جگم وغیرہ ۔

پراکرت کے گرامر نویس بھی پراکرت میں اس تبادل کی نشان دہی کرتے ہیں حالانکہ 'ی' ہندوستان سے باہر کا حرف تھا جو آریوں کے ساتھ قدیم و جدید زبانوں میں داخل ہوا ہے ، چنانچہ جاگیردار ڈاکٹر ورما کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ پرانی شاکھیہ میں ویدک کی ی کو بعض مخصوص حالات (مصرع کی ابتدا ، لفظ کی ابتدا ، حروف صحیحہ کے مرکب وغیرہ) میں ، ج کی طرح بولنے کی ہدایت ملتی ہے (انڈو ایرین لنگویجز ص ٩٣-٩٠ مطبوعہ پونا ١٩٣٢ء) ۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ ویدک کے پراکرت جزو میں ج کو ی سے لکھا گیا ہے ۔ مثلاً پراکرت جوگ (لائق) = ویدک یجیو ، پراکرت جدھ (جب) = ویدک یدھ ، پراکرت جا (جانا) = ویدک یا ، پراکرت گج پھاڑ (ہاتھیوں کو مار ڈالنے والا) = ویدک گیس بھانو ، پراکرت جا کو (جس کو) = یاسو ، پراکرت جوجن (ایک مقررہ فاصلہ) = ویدک یوجن ، پراکرت جودھا (لڑاکا) = ویدک یودھا ، پراکرت ججھ ، جوجھ (لڑنا) = ویدک یدھ ، پراکرت جوتن (جوتنا) = ویدک یوتن ، پراکرت سورج = ویدک سوریہ ، پراکرت کارج = ویدک کاریہ وغیرہ ۔

ہند یورپی زبانوں میں و اور ب کا تبادل بھی کثیر الوقوع ہے مثلاً ویدک ور (پھل) = فارسی بر ، ویدک وجر (ہتھیار) = فارسی بزر ، ویدک وخشی

=فارسی بخش (دے) ، ویدک وراث=فارسی برات ، ویدک وروتھ=فارسی باروت ، بارود ، فارسی خواب اور خواو ، تاب اور تاو ، بزرگ اور وزرگ ، بس اور وس ، نہیب اور نہیو ، نیشتن اور نوشتن وغیرہ ۔ پراکرت کے گرامر نویسوں نے سنسکرت کی تقلید میں اس تبادل کا سراغ بھی پراکرت کے فرضی روپوں میں لگا ڈالا (دیکھیے ہیم چندر ۱-۲۳۷) ۔ حالانکہ ی کی طرح واو کی آواز بھی ہندوستان میں پہلی بار آریوں کے ساتھ داخل ہوئی ہے جس کا اثر تمام پراکرتوں پر پڑا ہے ، بلکہ یہ اثر جدید زبانوں تک چلا آیا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ آج کل کی زبانوں میں و اور ب کی قرار واقعی تفریق نہیں ملتی ۔ چنانچہ پنجابی میں ایک ہی لفظ کو کبھی واو سے بولتے ہیں کبھی ب سے ۔ برج بھاشا میں ب بولنے کا رجحان زیادہ ہے ۔ بنگالی اور اڑیا میں دونوں آوازوں کے لیے ایک ہی حرف ہے اور دیوناگری لپی میں بھی ایک حرف سے دوسرا حرف تراشا گیا ہے ۔ غرض ویدک کے پراکرت جزو میں واو کی اصلیت صرف اتنی ہے کہ وہ پراکرت پیش یا ب یا بھ کا بدل ہوتا ہے یا پراکرت کے طویل حروف علت او یا آو کو ادا کرنے کے لیے بطور جزو استعمال ہوتا ہے ، جیسے پراکرت بھجن=ویدک ورجن ، پراکرت بھاگے بھاگے (الگ الگ)=ویدک واجے واجے ، پراکرت بھن (بولنا ۔ کہنا)=ویدک ورن ، پراکرت بھنگ (منتشر)=ویدک ورنج ، پراکرت بلاؤ=ویدک ودھاؤ ، پراکرت بکری=ویدک ورشنی ، پراکرت بیلا (وقت)=ویدک ویتا ، پراکرت بدل (بادل)=ویدک ورتر ، پراکرت جائن (جاون ۔ جانا)=ویدک یاون ، پراکرت آترن (اترنا)=ویدک اوترن ، پراکرت لاؤ (امر جمع حاضر)=ویدک راسو ، پراکرت سُر (آواز)=ویدک سون ، پراکرت آٹھا=ویدک ورشچا ، پراکرت اٹھا=ویدک ورتھا وغیرہ ۔

ہند یورپی زبانوں میں س اور ہ کا تبادل بھی عام ہے ۔ ہڈسن ولیم "تقابلی گرامر کے مطالعہ کا مختصر تعارف" کے ص ۳۲ پر کہتا ہے کہ قدیم ہند یورپی کا س ، ایرانی ، ارمنی ، یونانی اور ویلش میں ہ سے بدل جاتا ہے مثلاً یونانی ہپت=ویدک سپت=لاطینی سپتم=اوستا ہپت=فارسی جدید ہفت ، لاطینی سال=یونانی ہیلس=قدیم انگریزی سیلٹ=جدید انگریزی

سالٹ (نمک)، ویدک سدس = یونانی ہیدوس = لاطینی سے ڈمس = انگریزی سیٹ (نشست)، ویدک دش = اوستا دس = فارسی جدید دہ، ویدک کسہانے (کس کو یا کس کے لیے) = اوستا کہانے، ویدک سو، (اچھا) = اوستا ہو، ویدک شاس = فارسی شاہ، ویدک سونر = فارسی ہنر، ویدک سوم (شراب) = اوستا ہوم، ویدک سؤ سار (بہن) = فارسی خواہر، ویدک ماس (مہینہ) = فارسی ماہ، ویدک سینا (فوج) = اوستا ہئین، ویدک سنچتی (وہ خالی کرتا ہے) = اوستا ہئین، ویدک سنچتی) دوہ خالی کرتا ہے) = ہنچئتی، ویدک سروم (سب۔کل) = اوستا ہئر دم، ویدک آسی (تو ہے) = اوستا اہی، فارسی آسامن = آساہ پہلوی رو پاس، رو باس = فارسی جدید رو باہ وغیرہ۔

پراکرت کے گرامر نویس (لکشمی دہر ۱ - ۳ - ۶۱، ۱ - ۱ - ۳۹ اور ہیم چندر ۱ - ۲۳۷ وغیرہ) جو اس تبادل کو پراکرت میں تلاش کرتے ہیں، صرف ویدک و سنسکرت کی تقلید میں ایسا کرتے ہیں کیونکہ ہ ہندوستان سے باہر کی آواز ہے جو واو اور ی کی طرح پراکرت میں نہیں ملتی تھی۔ ان لوگوں نے اس تبادل کو پراکرت میں تلاش کرنے کے لیے نہایت غلط سلط سے فرضی روپ پیش کر دیے ہیں، مثلاً لکشمی دہر سوتر ۱ - ۳ - ۸۸ میں اور ورروچی سوتر ۲ - ۴۴ میں ویدک و سنسکرت دوس کا پراکرت روپ دہ ہو لکھتا ہے حالانکہ سنسکرت لفظ کا صحیح تلفظ وہی ہے جو یونانی ز ہ س (Zeus) کا ہے اور جسے دہ ہو کے تلفظ سے کوئی نسبت نہیں ہے۔

اس بات کو سمجھنے کے لیے کہ پراکرتوں میں ہ کی آواز نہیں تھی، موجودہ زبانوں کا تقابلی مطالعہ مفید ثابت ہوتا ہے ان کے دوہرے تہرے روپ اس کے استعمال کی ناہمواری اور بے ضابطگی کی روشن دلیلیں ہیں اور یہ ناہمواری اور بے ضابطگی بتاتی ہے کہ ہ کی آواز باہر سے لا کر زبان میں داخل کی گئی ہے۔ مثلاً اردو وہ = پنجابی آو، اردو یہ = پنجابی اے، اردو یہاں، وہاں = یاں، واں، اردو وہی = بنگالی دوئی، اردو بہی (بہی کھاتا) = بنگالی بوئی (کتاب)، اردو، مرنہار = مرہٹی مرنار، اردو ہونہار = مرہٹی ہونار، اردو کلمۂ تاکید 'ہی' = قدیم ای - چنانچہ اردو آپ ہی = آپ ای، اردو کسی = کس + ای، اردو ابھی = ابھ + ای، اردو وہی = آو + ئی، اردو یہی = اے + ای، اردو ایک = پنجابی ھک، اردو اور = پنجابی ہور وغیرہ۔ غرض

ہ کے استعمال کی ناہمواری جاننے کے لیے ایک ہی زبان میں یا دو زبانوں میں ایسے دوہرے روپ مل جائیں گے جن میں سے ایک میں ہ ملتی ہے اور دوسرے میں نہیں - اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہ کا حشوی اندراج سب ہی زبانوں میں ہوا ہے اور یہ بھی آریائی اثرات کا نتیجہ ہے - مزید توثیق و تصدیق کے لیے گروگرنتھ صاحب کی گورمکھی کے وہ الفاظ دیکھے جا سکتے ہیں جن میں حشوی ہ کا اندراج ہوا ہے لیکن دوسری قدیم تحریروں میں انہیں ہ کے بغیر لکھا گیا ہے اور آج کی بول چال میں بھی ان کا تلفظ ہ سے خالی ہے -

ہند یورپی زبانوں میں ان کے علاوہ کچھ اور بھی تبادل ملتے ہیں جو خ ، ز ، ژ ، ش ، ف ، غ کے حروف سے متعلق ہیں - پراکرت تو خیر ان کی آوازوں ہی سے خالی ہے لیکن ویدک دیوناگری لپی میں بھی ش کے سوا ان کے لیے کوئی حروف مخصوص نہیں ہیں - بلکہ اس میں ان آوازوں کو دوسرے حروف سے ظاہر کیا گیا ہے اور اس صورت حال نے ہندوستانی لسانیات میں وہ الجھنیں پیدا کر دی ہیں کہ ختم ہونے ہی کو نہیں آتیں - ذیل میں ان حروف کے تبادل کا ایک مختصر سا نقشہ پیش کرتا ہوں -

۱ - ایرانی خ	=	ویدک س
بیخ (جڑ)		وِس
فرخو (بہت سی شاخوں والا درخت)		پرسو
خار (کانٹا)		سار
۲ - ایرانی خ	=	ویدک ک
شُوخ		شوک
ریخت (گرایا)		رِکت (خالی کیا)
خرد (عقل)		کِرتُہ
تخم (بیج)		تُوکم
خری (خریدن)		کری
خروش (شور و غوغا)		کُرش

برخ (تھوڑا)		ورک (ٹکڑا)
فراخ (کشادہ)		پرک
خرامیم (ہم چلیں)		کرامیم
یُخت (ملا ہوا)		یُکت
آخت (کہا ہوا)		آکت
ریخ (ذلیل شے)		ریک
۳ - ایرانی خ	=	ویدک ش
خُف (سم - کُھر)		شپھ
خُشک		شُشک
خاک		شک
سُخ (بولنا)		شُش
خُست (تکان ، ماندگی)		شُست
خوب		شُبھ
۴ - ایرانی خ	=	ویدک چ
ریخ (گرنا - پھیلنا)		رِچ
ویخ (چھاننا)		وِچ
واخ (بولنا)		وچ
۵ - ایرانی ز	=	ویدک س
کَز (کاٹنا)		کھَس
زَغند		سَیند
۶ - ایرانی ز	=	ویدک ش
ورزاو (بیل)		ورشبھ

ایرانی		ویدک
مُرز (معاف کرنا ۔ آمرزیدن)		مرش (صاف کرنا)
زیبا		شِوا
زاو (طاقت)		شَو
۷ ۔ ایرانی ز	=	ویدک ج
بزر (ہتھیار)		بجر
زانو		جانو
اوستا زاتو ، فارسی جدید ، زاده		جاتو
یزدان		یجتام
اوستا زور (طاقت)		جبر
زَود (جلدی)		جوَت
۸ ۔ ایرانی ز	=	ویدک ہ
اوستا زست (ہاتھ)		ہست
بازو		باہو
اژ (بڑا سانپ)		اہی
آزر (آگ)		اَہَر (دن)
زد (مارا)		ہت
اوستا اَزَم (ہم) = فارسی قدیم ، ادم		اَہم
۹ ۔ ایرانی ز	=	ویدک چ
مَرز		مرچ
روزن		روچن
پَز (پکانا)		پچ
۱۰ ۔ ایرانی غ	=	ویدک گ
بَغ		بھگ (خدا)

مرغ (پہاڑی بکری)		مرگ (ہرن)
غردہ (گاڑی)		گرت
یوغ (جوا)		یگ
۱۱- ایرانی غ	=	ویدک گھ
دغ (دودھ دوھنا)		دگھ
دغ (جلانا)		دگھ
میغ (بادل)		میگھ
مغ (دولت)		مگھ
آغا (کلمۂ احترام)		آگھا
دروغ (جھوٹ)		دروگھ
مغ (مست ہونا)		مگھ
غن (مارنا) تیل نکالنے والا اوزار		گھن
۱۲- ایرانی غ	=	ویدک ہ
دغ (دوھنا)		دہ
دغ (جلانا)		دہ
میغ (بادل)		میہ
مغ (مست ہونا)		مہ
دروغ		دِرہ
غن		ہن
(آ) روغ (ڈکار)		رہ (اوپر چڑھنا)
۱۳- ایرانی ف	=	ویدک پ
فرا		پر
تفت		تپت

فرشتہ		پرشٹھا
ہفت		سپت
آفت (افتادن)		وُپُت (گرنا)
۱۴- ایرانی ف	=	ویدک پھ
کف		کپھ
خف		شپھ
۱۵- ایرانی ف	=	ویدک بھ
گرف (گرفتن)		گربھ
ناف		نابھی

اس مقام پر میں پراکرت کا تبادل بھی بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ اس میں ٹ ، ڈ ، ڑ اور ان کے سہاپران باہم متبادل ہوتے تھے ، مثلاً ٹنڈا (ہاتھ کٹا انسان)= ڈنڈا (شاخیں کٹا درخت) ، مٹھ بھیڑ= مڈھ بھیڑ ، بڈھا= بوڑھا ، مٹھی= منڈھی= مڑھی وغیرہ - ان کے علاوہ پھٹ ، پھاڑ - پھوٹ ، پھوڑ - چھٹ ، چھوڑ وغیرہ کے دہرے روپ بھی اس کے شاہد ہیں - مارواڑی میں اردو ہی کی طرح ڈ اور ڑ کے لیے دو الگ الگ حروف مقرر ہیں ، لیکن دیو ناگری میں ڈ ، ڈھ پر ایک نقطہ لگا کر ڑ ، ڑھ کی علامات بنائی گئی ہیں - اردو کا عام اصول یہ ہے کہ طویل حرف علت کے بعد ڈ ، ڈھ کی آوازیں ہمیشہ ڑ ، ڑھ ہو جاتی ہیں ، جیسے کوڑی ، گاڑھا ، بھیڑ ، گاڑی وغیرہ - مرہٹی میں ڈ کے تلفظ کے لیے یہ اصول ہے کہ لفظ کی ابتدا اور تشدید کی حالت میں ڈ کی آواز دیتی ہے ورنہ دوسری صورت میں ڑ سے بدل جاتی ہے ، چنانچہ نہ موجودہ زبانوں میں ڑ ، ڑھ سے کسی لفظ کی ابتدا ہوتی ہے نہ انھیں مشدد بولا جاتا ہے -

پراکرت میں ل ، ن ، ر کا تبادل بھی عام ہے ، جیسے بانسلی ، بانسری - تتلی ، تیتری - بورانا ، بولانا - لون ، نون - لانگھنا ، نانگھنا وغیرہ - البتہ ہند شمالی کے مشرق میں ل اور مغرب میں ر کی کثرت ملتی ہے اور اردو کے ر کی جگہ برج بھاشا میں بیشتر ل بولنے کا رجحان پایا جاتا ہے ، جیسے اردو کا لا ، برج بھاشا کا رو وغیرہ -

پراکرت تبادل کے تیسرے گروہ میں مجھے گ اور ب کے حروف بھی نظر آتے ہیں مثلاً ، لگدی = لبدی ، بگولا = ببولا ، سگ (سگرو۔ برج بھاشا) = سب ، سابودانہ = ساگودانہ ، چوبا (کسی تقریب کا بھیجا ہوا کھانا) = چوگا (رزق ۔ غذا) ، گولا = بولا (باجرے کے دانے کا چھلکا یا بھوسی) وغیرہ کے علاوہ بعض موجودہ زبانوں (اردو ، پنجابی ، راجستھانی ، برج بھاشا وغیرہ) میں علامت مستقبل گ ہے (جیسے جائے گا ، جائے گو ۔ کھائے گا ، کھائے گو وغیرہ) اور بعض زبانوں میں ب سے مستقبل بنتا ہے ، جیسے اودھی چلبوں (میں چلوں گا) ، چلب (ہم چلیں گے) ، چلبے (تو چلے گا) ، چلبو (تم چلو گے) وغیرہ ، بلکہ بعض اوقات چلب سے ہی تمام صیغوں کا کام نکالا جاتا ہے ۔ گجراتی تینے اے کام کربوں (تو یہ کام کرے گا) ، مارے آ چوپڑی بانچبی (میں وہ کتاب پڑھوں گا) ۔ بہاری مربوں (میں ماروں گا) ، اڑیا کربوں (میں کروں گا) ، بنگالی کوربو (میں کروں گا) ، کوربے (تو کرے گا) ، آسامی کورب (وہ کرے گا) ۔ مرہٹی ملگیانیں پوتھی بانچابیں (لڑکا کتاب پڑے گا) تامل شے ہیں (میں کروں گا) شول ہیں (میں کہوں گا) ۔ اس کے علاوہ تامل میں گ بھی علامت مستقبل کے طور پر مستعمل ہے جیسے شے گیں (میں کروں گا) ، شول گیں (میں کہوں گا) وغیرہ ۔ اس کے علاوہ بھی گ اور ب کا تبادل دکنی زبانوں میں ملتا ہے ۔ غرض پراکرت تبادل کی یہ قسم امر برصغیر کے طول و عرض کی تمام جدید زبانوں میں پائی جاتی ہے ۔

کہنے کا مقصد یہ ہے کہ تبادل حروف کی بہت سی قسمیں ہندوستانی لسانیات کے دیسی اور بدیسی محققین علی العموم پراکرت میں تلاش کرتے چلے آ رہے ہیں حالانکہ ان میں سے کچھ ہند یورپی زبانوں کی خصوصیات ہیں اور بعض سے پراکرت متعلق ہیں لیکن ویدک و سنسکرت میں دونوں ہی جمع ہوگئی ہیں ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان زبانوں میں آریائی اور دراوڑی یعنی ہند یورپی اور ہندوستانی دونوں کے روپ اکٹھے کر دیے گئے ہیں ۔ اس سلسلے میں یہ نکتہ بھی محققین کے پیش نظر رہنا ضروری ہے کہ حروف کے جتنے تبادل بیان کیے جاتے ہیں ان میں سے کچھ آوازوں سے متعلق ہیں اور بیشتر ایسے ہیں جو الفاظ کے مختلف مکتوبی روپوں سے پیدا ہوگئے ہیں ۔ چنانچہ حلقی و حنکی حروف کا تبادل محض لپی سے متعلق ہے اور صوتیت و

غیر مصمیت کا تلفظ ہے ۔ البتہ مخی و دندانی اور الپ پران اور مہا پران کے تبادل کا ایک حصہ تلفظ کے اختلاف سے تعلق رکھتا ہے اور دوسرا محض تحریر ہے ۔ اسی وجہ سے الفاظ کے صحیح تلفظ کے لیے اس دوسرے حصے پر بھروسا نہیں کیا جا سکتا ۔ و ، ہ ، ی کی آوازیں پراکرت میں سرے سے ناپید ہیں اور صرف آریوں کے اثر سے ہمارے یہاں آئی ہیں ، اس لیے پراکرت کا ان کے کسی تبادل سے کوئی تعلق نہیں ہے ۔ البتہ پراکرت کے وہ تین تبادل جن کا میں نے آخر میں ذکر کیا ہے اس کی آوازوں کے تبادل ہیں اور پاک و ہند کے طول و عرض میں آج بھی پائے جاتے ہیں ۔ ہند یورپی میں ی ، ج اور و ، ب کے تبادل لپی سے پیدا ہوئے ہیں اور س ، ہ کا تبادل ان حروف کے حشوی اندراج پر دلالت کرتا ہے جو صرف لکھے جاتے تھے ، بولے نہیں جاتے تھے ۔ یہی وجہ ہے کہ بعض حالات میں س کا ہ سے تبادل ہو جاتا ہے اور پھر ہ بھی ساقط ہو جاتی ہے ۔ چونکہ یہ مقالہ محض تبادل حروف سے متعلق ہے اس لیے سقوط حروف کے بارے میں پھر کبھی عرض کروں گا ۔

(اردو نامہ کراچی شمارہ ۱۲)

سکونِ اول کا مسئلہ

(اسکول کے الف کی تحقیق)

لفظوں کو ادا کرنے کا طریقہ جسے تلفظ کہتے ہیں زبان کے ساتھ ہی وضع ہوا ہے ، اس لیے نہ کسی کو زبان کے اصول بدلنے کا اختیار ہے نہ تلفظ کو بگاڑنے کا حق ۔ انسان تلفظ کے معاملے میں بہت حساس ہوتا ہے اس لیے وہ جب کسی کو کوئی لفظ غلط بولتے ہوئے سنتا ہے تو فوراً ٹوک دیتا ہے یا اس پر ہنس پڑتا ہے ۔ زبان کسی فرد واحد کو اختراع و ابداع کا حق نہیں دیتی ۔ اس کا جمہوری مزاج کسی کی آمریت کو برداشت نہیں کر سکتا ، لیکن جب بظاہر کوئی نیا اصول زبان میں اس طرح رائج ہو جائے کہ اسے بولنے والوں کی کثیر تعداد قبول کر لے تو وہ بھی ٹکسالی سکے کی طرح چالو ہو جاتا ہے اور کسی کو اس پر اعتراض کا حق باقی نہیں رہتا ۔ اسی لیے ادیبوں نے غلط العام کو فصیح کا درجہ عطا کر دیا ہے ۔

زبان میں تبدیلیوں کا موقع اس وقت آتا ہے جب اس کا سابقہ کسی دوسری زبان سے پڑتا ہے ۔ اس وقت زبانوں میں نہ صرف لفظوں اور معنوں ہی کا لین دین ہوتا ہے بلکہ بولنے والے غیر زبان سے لیے ہوئے الفاظ کو اپنی زبان کے صوتی اصولوں کے مطابق بولنے بھی لگتے ہیں ، مثلاً اردو میں عربی لفظ کلمہ کو کل ۔ مہ اور عربی کو عر ۔ بی بولتے ہیں ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اردو کے تمام الفاظ ارکان پر مشتمل ہوتے ہیں اور ہر رکن دو یا تین اصوات صحیحہ سے مرکب ہوتا ہے جن میں سے پہلا حرف متحرک اور آخری ساکن رہتا ہے ۔ یوں ہر رکن ایک حرکت اور ایک سکون یا دو حرکات اور ایک سکون سے بنتا ہے ، مثلاً چَل ۔ چَلَن وغیرہ ۔ دوسری زبانوں کے الفاظ بھی اردو میں اسی طرح ارکان میں تقسیم کر کے بولے جاتے ہیں ۔

یہی وجہ ہے کہ عربی کے لفظ شمع اور طرح کو جن میں آخری حرف متحرک ہے ہم دو حرکات اور ایک سکون سے شَمَع اس طَرَح بولتے ہیں اور طَرَح کا تلفظ تو اردو ادب میں بھی قبول کر لیا گیا ہے ۔ اس اصول کی مثالیں ہمیں دوسری زبانوں سے بھی ملتی ہیں ، مثلاً پنجابی میں فارسی کے درخت ، دوست ، گوشت کو نہ صرف عوام بلکہ پڑھے لکھے بھی اسی طرح ارکان میں تقسیم کر کے در۔خت ، دو۔ست ، گو۔شت بولتے ہیں ۔ چنانچہ یہ صرف اردو زبان کا بلکہ پاک و ہند کی تمام زبانوں کا بنیادی صوتی اصول ہے جو ان زبانوں کے ساتھ ساتھ ہی وضع ہوا ہے ، لیکن جو لوگ اردو زبان کے مزاج سے واقف نہیں ہیں وہ اس قسم کے لفظ پر معترض ہوتے اور اصرار کرتے ہیں کہ یہ الفاظ ہماری زبانوں میں بالکل اسی طرح بولے جائیں جس طرح فارسی عربی میں مستعمل ہیں ۔

اس ضمن میں انگریزی کے الفاظ ٹکٹ ، پرمٹ اور منٹ وغیرہ کا ذکر بھی ضروری ہے ۔ یہ الفاظ انگریزی میں کسرۂ ماقبل ٹ کے ساتھ سنائی دیتے ہیں ، لیکن جب اردو میں مستعار لیے گئے تو ان کا زیر زبر سے بدل دیا گیا اور اب یہ بے تکان ٹکٹ ، پرمٹ ، منٹ بولے جاتے ہیں ، کیونکہ اردو الفاظ کی کثیر تعداد کا تلفظ اسی طرح کیا جاتا ہے جیسے آہٹ ، گھبراہٹ ، تلپٹ ، چوکھٹ ، سنکٹ ، جھنجھٹ ، کوڑا کرکٹ ، چنٹ ، پلٹ ، پکٹ ، رہٹ ، کروٹ ، چھٹ ، لپٹ وغیرہ ۔ اب اگر معترض یہ کہے کہ اردو والے ٹ سے پہلے زیر کیوں نہیں بولتے یا اردو کا نقاد یہ فیصلہ صادر کر دے کہ اہل اردو ٹ سے قبل زیر بول ہی نہیں سکتے تو میرے نزدیک یہ اعتراض اور یہ فیصلہ دونوں عجلت فکر کا نتیجہ ہوں گے ، کیونکہ اردو میں پِٹ (پٹنا) ، چِٹ ، مِٹ ، جیسے الفاظ بھی موجود ہیں ۔ اسی طرح جب پنجابی میں انگریزی کا مِنٹ سکون ماقبل ٹ کے ساتھ مِنٹ بولا جاتا ہے تو معترض کو اعتراض سے قبل یہ سوچ لینا چاہیے کہ تلفظ کا یہ طریقہ بھی ہماری زبان کے مزاج کے بالکل مطابق ہے اور اس تلفظ کے اجتماعی چلن کے پس پشت کوئی اصول ضرور کارفرما ہے کہ ان میں نون بالاعلان ، نون غنہ سے بدل جاتا ہے جیسے مَنڈ اور مونڈ ۔ پِنڈ اور پینڈ ۔ ڈنڈ ، ڈانڈ ۔ چنانچہ ہمارے یہاں مَنڈ ، پِنڈ ، ڈنڈ ، دھند (غبار) ، پھند جیسے الفاظ جن

میں نون بالاعلان درمیانی حرف ہوتا ہے کثیر تعداد میں پائے جاتے ہیں جن پر قیاس کر کے انگریزی ہنٹ کو ہِنٹ بولا جاتا ہے ۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ انفرادی تلفظ میں غلطی کا امکان ہوتا ہے لیکن زبانوں کا اجتماعی تلفظ کسی نہ کسی دیسی بدیسی اصول یا روایت کی طرف اشارہ کرتا ہے ۔

انگریزی کا لفظ سکول (School) جو اردو میں مستعار لفظ کے طور پر اسکول بولا جاتا ہے ، اسی ذیل میں آتا ہے کیونکہ تمام اہل اردو اس کو اسی طرح بولتے ہیں اور اس کا یہ اجتماعی تلفظ اس امر کا ثبوت ہے کہ اس کو کسی نہ کسی اصول کی پشت پناہی حاصل ہے ۔ بظاہر یہ لفظ کچھ عجیب سا ہے یا یوں کہیے کہ لفظوں کی یہ قسم عجیب سی ہے جس کی ابتدا میں دو حروف صحیحہ پے در پے آتے ہیں ، کیونکہ آج اس برصغیر میں جتنی زبانیں بولی جا رہی ہیں ان میں سے کسی ایک سے بھی بنیادی مادے کی کوئی ایسی مثال نہیں مل سکتی جس میں ابتدائی حرف صحیح ساکن ہو اور جس میں دو حروف صحیحہ کے درمیان حرف علت نہ بولا جاتا ہو ۔ چنانچہ اس برصغیر کی کسی زبان میں بھی لفظ سکول (School) کا تلفظ میں ساکن سے نہیں کیا جا سکتا ۔ لہذا اس کے صحیح تلفظ کے لیے ہمیں دوسری مثالیں دیکھنی چاہئیں ۔

انگریزی اور یورپ کی دوسری زبانوں بالخصوص ہند یورپی زبان کی تمام شاخوں میں ایسے لاتعداد الفاظ پائے جاتے ہیں جن میں مرکب حروف صحیحہ استعمال ہوتے ہیں اور الفاظ کے بنیادی اجزا یعنی مادوں میں بھی ان کی کوئی کمی نہیں ہے ۔ مثلاً انگریزی فریم (Frame) ، کراس (Cross) ، گلاس (Glass) یا سنسکرت پران ، شلش (= فارسی سرش ، سریش) وغیرہ ۔ لیکن ایسے الفاظ کو اس برصغیر کی قریب قریب تمام زبانوں میں پہلے دو حروف صحیحہ کے درمیان ایک زیر داخل کر کے فِریم ، کِراس ، گِلاس ، پِران ، شِلش بولا جاتا ہے ، یعنی ہماری زبانوں کا یہ عام اصول ہے کہ بدیسی زبانوں کے ایسے الفاظ کا تلفظ جن کی ابتدا میں پے در پے دو حروف صحیحہ آتے ہیں ، ان کے درمیان حرکت کسرہ داخل کر کے کیا جاتا ہے ، کیونکہ ان زبانوں میں ہر لفظ کا ابتدائی حرف متحرک ہوتا ہے ۔ اس اصول کی رو سے انگریزی سکول (School) کا بھی اردو تلفظ سِکول ہونا چاہیے

تھا - اس لیے مروجہ تلفظ اسکول بظاہر غلط سا معلوم ہوتا ہے جس کا سبب ہمیں کہیں اور تلاش کرنا ہوگا -

اے - آر - ڈائمنڈ نے اپنی کتاب "ہسٹری اینڈ اوریجن آف لینگویج" مطبوعہ لندن ۱۹۶۰ء کے صفحہ ۱۸۶ پر لکھا ہے کہ دنیا کی کسی زبان کے بنیادی مادے میں دو حروف صحیحہ علی الاتصال نہیں آتے بلکہ ان میں ہر حرف صحیح کے بعد ایک حرف علت ضرور آتا ہے - اس سے صرف ایک ہی نتیجہ نکلتا ہے اور وہ یہ کہ انگریزی میں یا ان ہند یورپی زبانوں میں جن سے یہ لفظ انگریزی نے مستعار لیا ہے اس کی مکتوبی صورت کچھ بھی کیوں نہ ہو اس کا حقیقی تلفظ وہ نہیں ہے جو آج اس کے مکتوبی روپ کو دیکھ کر کیا جا رہا ہے - اس لیے بہتر یہ ہوگا کہ اس کے ابتدائی مکتوبی روپ کا سراغ لگایا جائے تا کہ ڈائمنڈ کے قول کی صحت کا بھی علم ہو اور اس کے صحیح تلفظ تک پہنچنے میں بھی مدد مل سکے -

انگریزی زبان میں ہند یورپی زبانوں کے ایسے بہت سے الفاظ رائج ہیں جن میں ابتدائی سین ساکن نظر آتا ہے لیکن یورپ کی دوسری زبانوں میں ان سے قبل ایک ای (e) یعنی الف مکسورہ زیادہ ملتا ہے بلکہ فرانسیسی میں تو بیشتر ابتدائی سین ساقط ہی ہو جاتا ہے اور اس کی جگہ صرف e ہی نظر آتی ہے مثلاً

انگریزی	معنی	ہسپانوی		فرانسیسی	
Scale	چڑھنا	Escalera	(سیڑھیاں)	Escalier	(سیڑھیاں)
Scribe	لکھنا	Escribir		Ecrire	
Scout	اسکاؤٹ	Escuchar	(سننا)	Ecouter	(سننا)
School	اسکول	Escula		Ecole	
Spain	ہسپانیہ	Espana	(اسپانیا)	—	
Spanish / Spaniard	ہسپانوی	Espanol		Espagonl / Espagneul	قدیم فرانسیسی
Spirit	روح	Espiritu		Esprit	
State	ملک ۔ حالت	Estado		Eta	
Star	ستارہ	Estrella		Etoile	
Student	طالب علم	Estudiante		Etudiant	
Study	مطالعہ کرنا	Estudier		Etudier	
Strange	عجیب	Entrano		Etrange	

مندرجہ بالا الفاظ کے علاوہ انگریزی اور ہسپانوی کی مزید مثالیں یہ ہیں :—

انگریزی	معنی	ہسپانوی
Special	خاص	Especial
Species	نوع	Especie
Spouse	شوہر	Esposo
Splendid	شاندار	Esplendido
Stable	مضبوط	Establo
Spectacle	نظارہ	Esepctaculo
Spiritual	روحانی	Espiritual
Spectator	تماشائی	Espectador
Skeleton	ڈھانچہ	Esqueleto
Station	اسٹیشن	Estacion
Style	طرز	Estilo
Studio	اسٹوڈیو	Estudio
Stampede	یلغار	Estampida
Stomach	پیٹ	Estomago
Stupendous	عظیم - بزرگ	Estupendo

اب انگریزی اور فرانسیسی کے کچھ مشترک الفاظ ملاحظہ فرمائیے :

انگریزی	معنی	فرانسیسی
Screen	پردہ	Ecran
Scroll	طومار	Escroe
Stanchion	کھڑی سلاخ	Estance
Scholar	عالم	Ecolier
Spinach	پالک	Epinards
Standard	معیار	Estandard
Stuff	مال - سامان	Etoffe / (قدیم) Estoffe
Staple	خاص	قدیم Estaple
Sturdy	مضبوط	Estourdi (قدیم بمعنی چران)
Spy	جاسوس	Espion
Squire	سرکس کا سوار	Ecuyer
Squirrel	گلہری	Ecureuil
Stranger	اجنبی	Etranger

ایک ہی زبان انگریزی میں بھی ایسے الفاظ کے جوڑے ملتے ہیں جن میں سے ایک میں ابتدائی سین موجود ہے اور دوسرے میں اس سے قبل e یعنی الف مکسورہ کا اضافہ ہوا ہے جیسے Special (خاص) اور Especially (خاص طور پر) State اور Estate - Stable (مضبوط) اور Establish (جاننا) - Spy (جاسوس) اور Espionage (جاسوسی کا پیشہ) اور Espial (جاسوسی) - Strange (اجنبی ، غیر) اور Estrange (غیر بنانا) - Scape (جس پر اپنا الزام ڈال دیا جائے) اور Escape (فرار) - Scallop (ایک قسم کی مچھلی) اور Escallop - Scarp اور Escarp (سخت ڈھلان) - Scot اور Escot (ٹیکس) - Scroll طومار اور Escrow - Scudo اور Escudo (ایک سکے کا نام) - Sparta (ایک ملک کا نام) اور Esparto (اسپارٹا سے موسوم ایک قسم کی گھاس) - Squire اور Esquire (تعظیمی لفظ - صاحب) وغیرہ -

ہند یورپی زبانوں میں ابتدائی e (الف مکسورہ) کو hi اور si سے بھی ظاہر کیا گیا ہے کیونکہ ان کے عام اصول کے مطابق ابتدائی S کا تبادل h سے ہو جاتا ہے لیکن h کی آواز تلفظ میں مطلق نہیں نکلتی مثلاً انگریزی honour (آنر - عزت) ، hour (آور - گھنٹہ) ، honest (آونیسٹ - ایماندار) ، heir (ایر - وارث) ، Hebrew (ابریو عبری ، عبرانی) - فرانسیسی habile ، انگریزی abie (قابل) - یونانی و انگریزی hero ، فرانسیسی heros (ایرو) ، ہسپانوی heroe (ایرو) - لاطینی و انگریزی Hispania ، ہسپانوی Hispana (اسپانیا) - لاطینی histrio ، یونانی historia ، انگریزی history ، story ، فرانسیسی histoire (استوئر) ، ہسپانوی historio ، (اسٹوریو) ، یونانی stat ، سنسکرت ستھات ، فارسی جدید استاد - لاطینی sto ، sisto (کھڑا ہونا) ، سنسکرت ستھا ، فارسی جدید ستا ، استا - سنسکرت ستھامی (میں کھڑا ہوتا ہوں) یونانی استیمی histemi ، فارسی جدید استم ، ایستم وغیرہ -

ابتدائی س سے قبل الف مکسورہ کے اضافے کے علاوہ ان زبانوں میں س کے بعد زیر کے اضافے کا ایک دوسرا رجحان بھی عام طور پر ملتا ہے مثلاً یونانی spharia فارسی سپہر ، انگریزی staik (تنہ) ، فارسی جدید ستاک ، ستاخ - انگریزی star ، فارسی جدید ستارہ - سنسکرت ستی (تعریف) ، فارسی جدید ستودن (تعریف کرنا) ستائش (تعریف) انگریزی study (علم حاصل

کرنا) ، فارسی جدید ستدن (حاصل کرنا - لینا) انگریزی spur (مہمیز) فارسی جدید سپر (ڈھال) - انگریزی stamp (دبانا - کچلنا) ، فارسی جدید ستم وغیرہ -

مندرجہ بالا مثالوں کے علاوہ کافی تعداد ایسے الفاظ کی بھی پائی جاتی ہے جن کی دوہری شکلیں دونوں اصولوں کی پابندی کرتی ہیں مثلاً سنسکرت ستھا (کھڑا ہونا) فارسی جدید ستادن ، استادن - انگریزی star ، سنسکرت ستر ، اوستا ستار ، بلوچی ، استار ، کردی استرک ، فارسی جدید ستارہ - سنسکرت شویت (سفید) ، اوستا سپئیت ، پہلوی سپیت ، فارسی جدید اسپید ، سپید - سنسکرت ستھور (مضبوط) ، بلوچی استور - یونانی spathe (لکڑی کی تلوار) ، ہسپانوی espada (تلوار) ، انگریزی spade (پھاوڑا) ، اوستا سپاد (فوج) ، فارسی جدید سپاہ - یونانی sponggia ، انگریزی sponge ، spunge ، فارسی جدید اسپنج - انگریزی spinach ، spinage ، قدیم فرانسیسی espinache ، فارسی جدید سپاناخ ، اسپاناخ ، اسپناج - فارسی جدید سپند ، اسپند - سنسکرت ستھا (کھڑا ہونا) ، فارسی جدید ستادن ، استادن - سنسکرت ستھان (مقام) انگریزی stand ، فارسی جدید ستان (جیسے بوستان = بو + ستان) ، استان (جیسے گلستان = گل + استان ، شبستان = شب + استان ، ریگستان = ریگ + استان وغیرہ) - انگریزی station ، فرانسیسی اور فارسی جدید استاسیون وغیرہ -

کالڈ ویل نے اپنی کتاب "دراوڑی زبانوں کی تقابلی گرامر" کے صفحات ۷۹ ، ۸۱ پر لکھا ہے کہ تامل میں انگریزی سکول کو اسکول اور سنسکرت ستری کو استری بولا جاتا ہے - یہی اصول ہنگری اور فن لینڈ وغیرہ ممالک کی زبانوں میں بھی عام ہے - بیستون کی تختیوں پر سپارٹا کی جگہ اسپارٹا لکھا ہوا ہے - وہ میکس ملر کے حوالے سے کہتا ہے کہ لاطینی میں بہت سے الفاظ س+ک ، س+ت ، س+پ کے مرکبات سے شروع ہوتے ہیں - لیکن چوتھی صدی عیسوی کے لاطینی کتبوں میں ان سے قبل الف مکسورہ کا اضافہ ہوگیا ہے - یہی بات ہمیں اس برصغیر کے قدیم ادب میں بھی ملتی ہے - پراکرت کے گرامر نویسوں نے الف مکسورہ کے اس اضافے کو اپنی اپنی گرامروں میں سؤر بھکتی کے نام سے موسوم کیا ہے اور سنسکرت لفظ ستری کا ایک پراکرت روپ اتھی بھی دیا ہے -

میرے نزدیک مندرجہ بالا مثالیں یہ ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں کہ اردو زبان میں ہند یورپی لفظ کے ابتدائی مرکب حروف صحیحہ کے درمیان زیر کا اور ابتدائی ساکن صغیری سے قبل الف مکسورہ کا اضافہ اردو زبان کی اپنی ایجاد نہیں ہے بلکہ خود ان میں ہند یورپی زبانوں کا اصول ہے، جس کا چلن اس برصغیر میں نہایت قدیم زمانے سے چلا آ رہا ہے۔ لہذا اہل اردو جو سکول کو اسکول سٹیشن کو اسٹیشن اور سٹول کو اسٹول بولتے ہیں، اسی ہند یورپی زبان کے اصول کی پیروی کرتے ہیں جس سے یہ الفاظ اردو میں مستعار آئے ہیں اور پاک و ہند کی زبانوں کے اس عام دستور پر عمل پیرا ہیں جو ہزاروں سال سے جاری ہے۔

(اردو نامہ کراچی شمارہ ۱۴)

ڈاکٹر گوپی چند نارنگ

اردو کی بنیادی اور ذیلی آوازیں[1]

(۱)

آواز ہماری روزمرہ زندگی کا نہایت اہم عنصر ہے۔ اس کے بغیر سماجی تعلقات کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا۔ انسانی آواز کے تنوع پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ انسان کے اعضائے صوت سیکڑوں قسم کی آوازیں پیدا کر سکتے ہیں۔ لیکن کوئی ایک زبان ان سب آوازوں کو استعمال نہیں کرتی۔ ہر زبان اپنے مزاج کے مطابق ان میں سے چند آوازوں کو لے لیتی ہے۔ پھر بھی کسی زبان کا تجزیہ کرتے ہوئے پہلی دقت آوازوں کی کثرت ہی کی وجہ سے پیش آتی ہے۔ وہ یوں کہ کوئی ایک انسانی آواز دوسری آواز سے سو فی صدی مطابقت نہیں رکھتی۔ مثال کے طور پر سنت اور سنگ کو لیجیے۔ ان الفاظ میں (ن) کی آواز مختلف سنائی دیتی ہے۔ چنانچہ صوتیاتی تجزیے میں پہلا مسئلہ یہی ہے کہ اس قسم کے نون کو دو آوازیں قرار دیا جائے یا ایک۔ لسانیات کے ماہرین نے اس کا یہ حل نکالا ہے کہ جہاں باہمی صوتی فرق معنی کی تفریق میں مدد دے، وہاں آوازوں کو الگ الگ

۱۔ اردو میں لسانیاتی مسائل پر قلم اٹھاتے ہوئے سب سے زیادہ دقت اصطلاحات کی وجہ سے پیش آتی ہے۔ راقم الحروف کے نزدیک اصطلاحات سازی میں بنیادی اہمیت الفاظ کے قرینے کے علاوہ ان کے چلن کی ہے۔ اصطلاحوں میں محض معیاری پسند کی ترازو سے کام نہیں چلتا، بلکہ فیصلہ بہت کچھ رواج اور چلن پر چھوڑنا پڑتا ہے۔ چنانچہ زیر نظر مقالے میں اصطلاحیں صرف وہی استعمال کی گئی ہیں جو اردو میں کچھ کچھ رواج پا چکی ہیں یا عام فہم ہیں۔ جہاں ضروری سمجھا گیا ہے، ان کے انگریزی مترادفات بھی ساتھ ساتھ درج کر دیے گئے ہیں۔

فونیم (Phoneme) یعنی بنیادی آواز تسلیم کیا جائے اور اگر صوتی فرق سے معنی تبدیل نہ ہوتے ہوں تو ان آوازوں کو ایک ہی فونیم کی ذیلی اصوات (Allophones) قرار دیا جائے -

زبان میں آواز کا بنیادی مصرف یہ ہے کہ وہ ایک معنی کو دوسرے سے تمیز کرنے میں مدد دے - لیکن کوئی بھی زبان اپنی تمام آوازوں سے یہ خدمت نہیں لیتی - چنانچہ صرف وہی آوازیں جو معنوی طور پر ممتاز ہوں "فونیم" کہلاتی ہیں - مثال کے طور پر چال اور جال میں دوسری اور تیسری آواز الف اور ل مشترک ہیں ، لیکن پہلی آواز ایک لفظ میں چ ہے اور دوسرے میں ج - مخرج کے اعتبار سے چ اور ج دونوں تالوئی آوازیں ہیں ، فرق صرف یہ ہے کہ ایک مسموع (Voiced) ہے اور دوسری غیر مسموع (Voiceless) لیکن یہ صوتی فرق چونکہ معنی کی تفریق میں مدد دیتا ہے ، اس لیے چ اور ج کو دو مختلف اور متضاد بنیادی آوازیں یعنی فونیم تسلیم کیا جائے گا - یہی بات بر اور بار میں دیکھی جا سکتی ہے - پہلے لفظ میں مصوتہ زبر (ə) ہے اور دوسرے میں الف (a) لیکن مصوتوں کے اس فرق سے معنی بدل گئے ہیں - اس لیے اردو میں زبر اور الف الگ الگ فونیم قرار پائے - اس کے برعکس اگر لفظ زحمت میں (ز) کی آواز کو یا لفظ وحدت میں (و) کی آواز کو امالہ دار زبر کے بجائے زبر سے پڑھیں تو معنی میں کوئی فرق پیدا نہیں ہوتا - پس اردو میں امالہ دار زبر اور زبر کی آوازیں آپس میں اس طرح متضاد نہیں جس طرح زبر اور الف ہیں - چنانچہ زبر اور امالہ دار زبر کو الگ الگ فونیم تسلیم نہیں کیا جائے گا بلکہ یہ دونوں ایک ہی فونیم یعنی زبر کی دو ذیلی اصوات (Allophones) قرار پائیں گی -

ذیلی اصوات زیادہ تر مخصوص صوتی ماحول میں استعمال ہوتی ہیں یعنی یا تو کسی مخصوص صوت سے پہلے آئیں گی یا بعد میں ، یا پھر لفظ کے شروع میں آئیں گی ، یا درمیان میں یا آخر میں - مثال کے طور پر اردو میں امالہ دار زبر صرف ہائے ہوز یا حائے حطی سے پہلے یا بعد میں آتا ہے ، باقی تمام آوازوں کے ساتھ زبر کی آواز میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی - اس کے برعکس فونیم ایک ہی صوتی ماحول میں واقع ہو سکتی ہیں اور بنیادی بات یہ ہے کہ وہ معنی کے فرق میں مدد دیتی ہیں - رہا اردو کی ان آوازوں کا معاملہ جن کے لیے ایک سے زیادہ علامتیں ہیں ، مثلاً س ، ث ، ص ، یا ز ، ذ ، ظ ،

ض ، ان کے بارے میں اتنی بات خاطر نشان رہنی چاہیے کہ اردو میں ان سب علامتوں کی اپنی اپنی الگ آواز نہیں ۔ اردو بول چال میں اگر لفظ ثابت کو سابت یا صابت بولا جائے تو معنی میں کوئی فرق نہیں پیدا ہوتا ، یا اگر لفظ ساز کو ساذ ، ساظ یا ساض کہا جائے تو بھی معنی وہی رہتے ہیں ۔ پس اردو میں ذ ، ظ اور ض (ز) کی آواز کو اور ث اور ص (س) کی آواز کو ظاہر کرنے کے لیے مختلف علامتیں ہیں ۔ یہ علامتیں چونکہ صوتی اعتبار سے ایک ہیں اور آپس میں متضاد نہیں ، اس لیے انہیں فونیم کا درجہ نہیں دیا جا سکتا ۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ علامتیں ہمارے رسم الخط کی بوالعجبیوں کے سوا کچھ نہیں ، یعنی یہ محض علامتیں ہیں اور ان کی اپنی اپنی آواز نہیں ۔

غرض فونیم زبان کی وہ بنیادی صوتیاتی اکائیاں ہیں جو معنی کا فرق قائم رکھنے میں مدد دیتی ہیں اور زبان کی تمام دوسری اصوات سے متضاد ہوتی ہیں ۔ اس نظریے کی مدد سے کسی بھی زبان میں آوازوں کی پریشان کن کثرت کی درجہ بندی سائنسی صحت سے اس انداز پر کی جا سکتی ہے کہ نہ صرف آوازوں کا ظاہری انتشار ، گنتی کی چند منظم اکائیوں کی صورت اختیار کر لے ، بلکہ مختلف اصوات کے باہمی رشتوں کا بھی پتہ چل جائے ۔ زبان میں اصوات کی تعداد خواہ کچھ ہو ، اس کی فونیم ہمیشہ مقرر اور محدود ہوں گی اور ان کی تعداد زبان کی کل اصوات کے مقابلے میں کم ہوگی ۔

زبان کے جن دو مماثل الفاظ میں صرف ایک ایک آواز کے اختلاف کی وجہ سے معنی تبدیل ہو جائیں ، انہیں لسانیات کی اصطلاح میں اقلی جوڑا (Minimal Pair) کہتے ہیں ۔ اوپر کی سطروں میں دو لفظ چال اور جال پیش کیے گئے تھے ۔ یہ دراصل اقلی جوڑا ہی ہیں ۔ زبان کے صوتیاتی تجزیے کی بنیاد الفاظ کے انہیں اقلی جوڑوں پر رکھی جاتی ہے ۔ جن آوازوں کے اقلی جوڑے فراہم ہو جائیں ، انہیں زبان میں فونیم یعنی بنیادی آوازوں کی حیثیت حاصل ہو جاتی ہے ۔ جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے ، فونیم اس بنیادی آواز کو کہتے ہیں جس سے زبان میں معنی کا فرق قائم رکھنے میں مدد ملے ۔ اقلی جوڑے میں چونکہ دو مختلف آوازیں ایک جیسے صوتی ماحول میں واقع ہوتی ہیں ، یعنی سوائے ایک آواز کے باقی سب آوازیں اور ان کی ترتیب ایک جیسی ہوتی ہے اور محض ایک آواز کی بدولت لفظ کے معنی تبدیل ہو

جاتے ہیں ، اس لیے اس مخصوص آواز کو بنیادی آواز یعنی فونیم کا درجہ دیا جاتا ہے۔

مصمتی فونیم :

سب سے پہلے اردو کی مصمتی آوازوں کے مندرجۂ ذیل مسلسل اور مفرد اقلی جوڑے ملاحظہ ہوں :

I -	(۱)	پ	پال
	(۲)	ب	بال
	(۳)	ت	تال
	(۴)	د	دال
	(۵)	ٹ	ٹال
	(۶)	ڈ	ڈال
	(۷)	چ	چال
	(۸)	ج	جال
	(۹)	ک	کال
	(۱۰)	گ	گال
	(۱۱)	ق	قال
II -	(۱۲)	م	مال
	(۱۳)	ن (فاصل)	نال
	(۱۴)	ف	فال
	(۱۵)	س	سال
	(۱۶)	ز	زال
	(۱۷)	ش	شال
	(۱۸)	خ	خال
	(۱۹)	غ	غال[1]
	(۲۰)	ہ	ھال
	(۲۱)	ل	لال
	(۲۲)	ر	رال
(III)	(۲۳)	ڑ	اجڑ

---

۱ - بہ معنی گراں بار ، بھاری ، بوجھل اردو میں لفظ "غالی" مستعمل ہے۔

		ڈ	اجڈ
(IV)	(۲۴)	ن (واصل)	ڈنکا
		ن (فاصل)	منکا

اوپر کے گوشوارے میں اردو کی ۴۲ مصمتی بنیادی آوازوں کا معنوی امتیاز واضح کیا گیا ہے۔ ان جوڑوں سے ظاہر ہے کہ مندرجۂ بالا ۴۲ آوازوں میں سے ہر آواز معنی کے فرق میں مدد دیتی ہے۔ اس لیے فونیم کا درجہ رکھتی ہے۔ پہلی اور دوسری شق میں مسلسل اقلی جوڑے پیش کیے گئے ہیں جن میں ہر آواز باقی تمام آوازوں سے تضاد کی حالت میں ہے۔ ڑ چونکہ کسی لفظ کے شروع میں نہیں آتا اس لیے تیسری شق میں اس کا مفرد اقلی جوڑا ڈ کے ساتھ آخری حالت میں پیش کیا گیا ہے۔ چوتھی شق میں وصلی نون کا مماثل جوڑا (Analogous Pair) فصلی نون سے پیش کرکے اس آواز کی آزادانہ حیثیت کو ثابت کیا گیا ہے۔ نیچے اردو کے ان ۴۲ مصمتی فونیم کے بعض خصائص کا جائزہ لیتے ہوئے ان کی ذیلی آوازوں (Allophones) کی تفصیل پیش کی جاتی ہے۔

ہ ـ ح : اردو میں ہ کی تین ذیلی اصوات قرار دی جا سکتی ہیں :

۱ - ہائے مخلوط کامل
۲ - ہائے مخلوط جزوی
۳ - ہائے ملفوظی

اردو میں ہائے مخلوط کامل ، بندشی اور ایفرکیٹ آوازوں میں ملتی ہے ، یہ تعداد میں دس ہیں : پھ بھ ، تھ دھ ، ٹھ ڈھ ، چھ جھ اور کھ گھ۔ یہ خالص ہند آریائی اصوات ہیں اور بندشی آوازوں میں مکمل سٹ کی حیثیت سے صرف ہندوستانی زبانوں میں ملتی ہیں۔ ہندی کی طرح اردو نے بھی انھیں تمام و کمال محفوظ رکھا ہے۔ ان کے باہمی تضاد کے لیے مندرجۂ ذیل اقلی جوڑے ملاحظہ ہوں :

پھ	پھول	بھ	بھول
تھ	تھم	دھ	دھم
ٹھ	ٹھور	ڈھ	ڈھور
چھ	چھل	جھ	جھل
کھ	کھول	گھ	گھول

اردو رسم الخط میں ہکار آوازوں کو چونکہ سادہ آوازوں کی علامت میں ہائے دوچشمی کے اضافے سے لکھا جاتا ہے : ب اور ھ "بھ" د اور ھ "دھ" اس لیے انھیں مرکب آوازیں سمجھنے کی غلط فہمی افسوس ناک حد تک عام ہے ، حالانکہ یہ اعضائے صوت کی ایک ہی جنبش سے ادا ہوتی ہیں اور ان کی حیثیت مرکب آوازوں کی نہیں بلکہ مفرد آوازوں کی ہے - دیوناگری رسم الخط میں ان کی مفرد حیثیت تسلیم کی گئی ہے اور ان کے لیے الگ سے علامات مقرر ہیں - اردو میں ایسا نہیں ہے -

اردو میں ہ کی آواز بعض حالتوں میں نرما دی جاتی ہے - وسطی یا آخری حالت میں ہ بعض اوقات مصوتے میں بدل جاتی ہے اور معنی میں کوئی فرق پیدا نہیں ہوتا مثلاً :

وسطی حالت میں :

تمھیں : تمیں
انھیں : انیں
ننھا : ننا
وہاں : واں
یہاں : یاں

آخری حالت میں :

بہانہ : بہانا
جذبہ : جذبا
نشانہ : نشانا
زمانہ : زمانا

لیکن جہاں تک اردو کی دس بندشی اور ایفرکیٹ ہکار آوازوں کا تعلق ہے ، یہ مستقل آوازیں ہیں اور اگر انھیں بولتے ہوئے ہ کی کیفیت کو نرما دیا جائے یا ختم کر دیا جائے تو معنی میں فرق پیدا ہو جائے گا :

۱ - پھٹ پٹ (پھ ، پ)
۲ - بھاری باری (بھ ، ب)
۳ - تھک تک (تھ ، ت)
۴ - دھم دم (دھ ، د)

۵ -	ٹھاٹھ ٹاٹ	(ٹھ ، ٹ)
٦ -	ڈھال ڈال	(ڈھ ، ڈ)
۷ -	چھپ چپ	(چھ ، چ)
۸ -	جھاڑا جاڑا	(جھ ، ج)
۹ -	کھیل کیل	(کھ ، ک)
۱۰ -	گھِن گِن	(گھ ، گ)

غرض یہ دس ہکار آوازیں اردو کی منفرد اور مستقل آوازیں ہیں اور معنی کو میز کرنے میں مدد دیتی ہیں ۔ چنانچہ ان سب کو فونیم تسلیم کیا جا سکتا ہے ۔ لیکن قباحت یہ ہے کہ اس سے اردو فونیم کی تعداد بہت بڑھ جائے گی ۔ اگر اسے سائنسی طور پر کم کیا جا سکے تو مستحسن ہے ۔ اتنی بات واضح ہے کہ نوعیت کے اعتبار سے ان دس آوازوں میں ہکار کیفیت قدر مشترک کا درجہ رکھتی ہے ۔ اس ہکار کیفیت کے بغیر یہ دس کی دس آوازیں سادہ بندشی اور ایفرکیٹ آوازیں ہیں ، جنھیں ہم اس سے پہلے فونیم تسلیم کر چکے ہیں ۔ ان آوازوں اور سادہ آوازوں میں معنی کا جو فرق لازم آتا ہے ، وہ بھی محض اسی ہکار کیفیت کی بدولت ہے ۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ دس ہکار آوازوں کو الگ الگ فونیم تسلیم کرنے کے بجائے صرف ہکار کیفیت کو بنیادی اہمیت دی جائے ۔ لیکن دقت یہ ہے کہ اس ہکار کیفیت کو بھی الگ فونیم نہیں مانا جا سکتا کیونکہ یہ صرف اس صوتی ماحول میں ملتی ہے ، جہاں ہائے مخلوط جزوی یا ہائے ملفوظی نہیں آ سکتیں ۔ گویا تینوں آوازوں کے درمیان سمجھوتا ہے کہ ایک کے صوتی ماحول میں دوسری استعمال نہیں ہوگی ۔ لسانیات میں اس صورت حال کو آوازوں کا تکملی بٹوارہ (Com-plimentary Distribution) کہتے ہیں ، یعنی آوازیں اس طرح استعمال ہوں کہ ایک کی جگہ پر دوسری نہ آ سکے ۔ ذیل میں ان تینوں اصوات کے صوتی ماحول کی نشان دہی کی جاتی ہے :

(۱) ہائے مخلوط کامل ۔ یہ بندشی اور ایفرکیٹ آوازوں کے ساتھ ضم کر کے بولی جاتی ہے اور دونوں آوازیں ایک ہی صوتی رکن کا جز ہوتی ہیں ۔ مثلاً پھول ، گھمبیر ، گانٹھ ۔

(۲) ہائے مخلوط جزوی - یہ ل ، م ، ن ، ر ، ڑ اور عوامی بول چال میں ی ، و اور ز کے ساتھ ضم کرکے بولی جاتی ہے اور دونوں آوازیں ایک ہی صوتی رکن کا جز ہوتی ہیں ، مثلاً : مھارا ، تمھیں ، انھیں ، بڑھ ، پڑھ ، یہاں ، وہاں وغیرہ - اس میں شک نہیں کہ ان الفاظ میں ہ کی آواز مصمتے کے فوراً بعد جڑواں حالت میں آتی ہے اور کسی حد تک پہلی آواز میں ضم ہو جاتی ہے ، لیکن اس حد تک نہیں جیسا کہ ہکار آوازوں بھ بھ وغیرہ میں ہوتا ہے - وہاں انضمام کامل ہے اور یہاں جزوی -

(۳) ہائے ملفوظی - یہ باقی موقعوں پر آتی ہے اور اگر مندرجہ بالا آوازوں میں سے کسی کے بعد آئے تو یا اس رکن کا جز نہیں ہوتی یا اس سے پہلے کوئی مصوتہ ہوتا ہے ، مثلاً بہت ، محبت ، گناہ ، بہَ ، کہَ ، بہتر ، چہار ، گہر ، اظہر -

اس سے ثابت ہوا کہ مندرجہ بالا تینوں اصواتہ کی ذیلی اصوات ہیں -

اردو کے ابتدائی قاعدوں میں پھ ، بھ وغیرہ ہکار آوازوں کو سادہ آوازوں پر ہائے دوچشمی کے اضافے کی حیثیت سے سمجھایا اور پڑھایا جاتا ہے - مثال کے طور پر اردو کا ہر طالب علم ڈھال ، کھال وغیرہ الفاظ کو چار آوازوں یعنی ڈ ، ھ ، ا اور ل یا ک ، ھ ا اور ل کا مجموعہ سمجھتا ہے جو غلط ہے - ڈھال میں "ڈھ" اور کھال میں "کھ" دو آوازوں سے مرکب نہیں بلکہ "ڈھ" اور "کھ" مفرد آوازیں ہیں - اس سلسلے میں اردو املا کی بے اصولی بھی کم دلچسپ نہیں - سادہ آوازوں کے بعد ہائے دوچشمی یا ہائے ہوز کے استعمال میں تخصیص نہیں کی جاتی یعنی ہائے مخلوط کامل اور ہائے ملفوظی میں کوئی تفریق روا نہیں رکھی جاتی اور اس طرح مبتدی کی گمراہی کا پورا سامان کر دیا جاتا ہے ، مثلاً دھلی کو دہلی ، دھل کو دہل ، ھے کو ہے ، ھمیشہ کو ہمیشہ ، اور ھمیں کو ہمیں لکھنے کا عام رواج ہے - اس میں کچھ معذوریاں نسخ ٹائپ کی بھی ہیں - لیکن خط نستعلیق میں اس کا کیا جواز ہے ؟ اس میں اگر ہائے دوچشمی لفظ کے شروع میں لکھی گئی یا کسی بندشی آواز کے بعد نہیں تو خیر ، ورنہ اس بے اصولی کو اصول بناتے ہوئے اگر دھر کو دہر یا بھر کو بہر یا بھار کو بہار یا اس کے برعکس لکھا جائے تو مبتدی کو جس دقت کا سامنا ہوگا ، وہ ظاہر ہے - چنانچہ ضروری ہے کہ ہائے دوچشمی کا استعمال ہائے مخلوط کامل اور ہائے مخلوط جزوی سے مخصوص کر دیا جائے -

ک ، ق : ک کی آواز عربی فارسی اور ہند آریائی زبانوں میں مشترک ہے ، جب کہ ق خالص عربی صوت ہے اور سوائے اردو کے کسی دوسری ہندوستانی زبان میں استعمال نہیں ہوتی ، چنانچہ اردو میں بعض ماہر لسانیات ق اور ک کو ایک فونیم تسلیم کرتے ہیں ۔ دراصل مخرج کے اعتبار سے یہ دو مختلف اصوات ہیں ۔ ک غشائی (Velar) آواز ہے اور ق کوے یا لہات سے ادا ہونے والی لہاتی (Uvular) آواز ہے ۔ لیکن چونکہ اردو بولنے والوں کی ایک بڑی تعداد لہاتی ق کے تلفظ پر قادر نہیں اور اسے غشائی ک میں بدل دیتی ہے ، اس لیے ق کو ک کی ذیلی صوت ماننے پر زور دیا جاتا ہے ۔ لیکن ذیلی صوت تسلیم کرنے کی بنیادی شرط یہ ہے کہ آوازوں کے باہم تبادلے سے معنی متاثر نہ ہوں ۔ ق اور ک کا معاملہ اس کے برعکس ہے ۔ اردو میں الفاظ کی ایک بڑی تعداد ایسی ہے جن میں اگر بجائے ق کے ک یا اس کے برعکس بولا جائے تو معنی تبدیل ہو جاتے ہیں ۔ مثلاً :

قال	کال
قمر	کمر
قلی	کُلی
قاری	کاری
قَے	کَے
قاش	کاش
قاصد	کاسد
قد	کد
قرنا	کرنا
قصر	کسر
قضا	کذا
عقل	کل
حق	حک

ان مثالوں کے پیش نظر ق کو ک کی ذیلی صوت میں نہیں مانا جا سکتا بلکہ اسے بھی اردو کی بنیادی آواز یعنی فونیم تسلیم کرنا پڑے گا ۔

ت ۔ ط : یہ دونوں صوتی اعتبار سے اردو میں ایک آواز ہیں ۔ عربی میں ط غشائی صوت ہے اور ت دندانی ۔ اردو کے جن مستعار الفاظ میں ط آتا ہے ، ان کا تلفظ بھی چونکہ دندانی طریقے پر ہوتا ہے ، اس لیے اردو میں ط کی اپنی کوئی صوتی حیثیت نہیں اور فقط ت ہی اردو کی بنیادی آواز ہے ۔ ط نہ اردو کی فونیم ہے نہ ذیلی صوت ۔

م ، ن : اردو میں نون اپنے بعد آنے والے مصمتوں کے ساتھ ہم مخرج ہو سکتا ہے ، اس لیے نون کی ایک نہیں ، دو بنیادی آوازیں ہیں : وصلی نون اور فصلی نون ؛ یعنی مکمل اعلان کا نون اور جزوی اعلان کا نون ۔ وصلی اعلان (Homorganic N) مصوتے کے بعد اور مصمتے سے پہلے ہم مخرج طور پر ادا ہوتا ہے ، مثلاً کُنج ، تُند ، رَنج ، پَنڈ ، انڈا ۔ پہلے دو الفاظ میں ن سے پہلے مصوتہ ضمہ ہے ، تیسرے اور چوتھے میں زبر اور پانچویں میں الف ہے ۔ ن تمام الفاظ میں ساکن ہے اور اس کا تلفظ اس کے بعد آنے والے مصمتے سے ملا کر ایک ہی مخرج سے کیا جاتا ہے ۔ فصلی نون بھی ساکت حالت میں آ سکتا ہے ، لیکن وہ اپنے بعد آنے والے مصمتے سے مل کر ایک ہی مخرج سے ادا نہیں ہوتا ، مثلاً ماننا ، دنیا ، کنبہ ، انوار ، انکار ۔ اردو میں فصلی نون اور وصلی نون محض خاص خاص آوازوں سے پہلے آتے ہیں ۔ وصلی نون صرف مندرجۂ ذیل آوازوں سے فوراً پہلے آ کے ان سے ہم مخرج ہو سکتا ہے ۔

ت ، د ، تھ ، دھ

س ، ز ، ش

ٹ ، ڈ ، ٹھ ، ڈھ

چ ، ج ، چھ ، جھ

ک ، گ ، کھ ، گھ

فصلی نون یعنی مختلف المخرج نون مندرجۂ ذیل آوازوں سے پہلے مکمل اعلان کی صورت میں آتا ہے :

۱ - پ ، ب ، پھ ، بھ
ک ، گ ، کھ ، گھ
ق ، م ، ن ، ف ، و ، خ ، ہ ، ر ، ژ ، ی -

۲ - تمام مصوتوں سے قبل -

۳ - لفظ کے آخر میں -

اس تقسیم سے بظاہر شبہ ہوتا ہے کہ فصلی نون اور وصلی نون ایک دوسرے سے تکملی بٹوارے میں ہیں ، یعنی دونوں میں سمجھوتا ہے اور جہاں ایک واقع ہوتا ہے ، وہاں دوسرا نہیں ہوتا - اس لحاظ سے دونوں کو ایک فونیم کی دو ذیلی اصوات قرار دینا چاہیے ، لیکن دراصل ایسا نہیں - اوپر کی تقسیم پر دوبارہ نظر ڈالنے سے واضح ہوگا کہ وصلی نون بھی غشائی آوازوں ک ، گ ، کھ ، گھ سے پہلے آتا ہے اور فصلی نون بھی - مثال کے طور پر یہ مماثل جوڑے دیکھیے :

ڈنکا	پھنکی	گنگا	(وصلی نون)
منکا	سنکی	بھنگا	(فصلی نون[1])

ڈنکا ، پھنکی اور گنگا میں ہم مخرج یعنی وصلی نون ہے جس کا اعلان مکمل طور پر نہیں ہوتا - اس کے برعکس منکا ، سنکی اور بھنگا میں فصلی یعنی مکمل اعلان کا نون ہے - صوتی ماحول دونوں کا ایک ہے یعنی دونوں نون

---

۱ - ملاحظہ ہو ، نقوش ۹۳ (ص ۲۱) اور اردو ادب ۱۹۶۱ء ، شمارہ ۴ - (ص ۵۹) ڈاکٹر گیان چند نے ن فصلی اور وصلی کو ایک فونیم اور ن وصلی غشائی (نٛ گ) کو دوسری فونیم مانا ہے - ڈاکٹر مسعود حسین خاں نے فقط ن اور ن وصلی کا ذکر کیا ہے ، جبکہ عبدالقادر سروری صاحب نے اپنے نقشے میں ن اور ں (یعنی وصلی نون اور غشائی) کی نشان دہی کی ہے - ہمارا تجزیہ ان سب سے قدرے مختلف ہے اور ہم نے سائنسی سہولت کی خاطر ن فصلی اور ن وصلی کو الگ الگ فونیم تسلیم کیا ہے - تقسیم کا انداز مختلف ہو سکتا ہے ، لیکن اتنی بات طے ہے کہ اردو میں ن کی دو بنیادی آوازیں ہیں ، ایک نہیں -

غشائی ک ، گ ، سے پہلے واقع ہوتے ہیں ۔ پس اس ایک بے اصولی سے تکملی بٹوارے کا مفروضہ غلط ثابت ہو گیا ، کیونکہ ایک کی جگہ دوسری آواز واقع ہو سکتی ہے ۔ صوتیاتی تجزیے میں جب دو آوازیں ایک ہی صوتی ماحول میں استعمال ہو سکتی ہیں تو وہ یقیناً ایک دوسرے کے متضاد ہوتی ہیں یعنی معنی کی تفریق میں مدد دیتی ہیں ۔ جب ایسا ہو تو دونوں کو الگ الگ فونیم ماننا پڑے گا ۔ چنانچہ اردو میں فصلی نون اور وصلی نون دونوں الگ الگ بنیادی آوازیں قرار پائیں ۔

یہ پہلے واضح کیا جا چکا ہے کہ فصلی نون کی خصوصیت مکمل اعلان ہے جو مصوتوں سے پہلے نیز صوتی رکن کے شروع یا آخر میں ہوتا ہے ۔ فصلی نون کہیں بھی آئے اس کے تلفظ میں تبدیلی نہیں ہو سکتی ۔ اس لیے اس کی کوئی ذیلی صوت نہیں ۔ اس کے برعکس وصلی نون چونکہ فوراً بعد کے مصمتے سے مل کر ایک ہی مخرج سے ادا ہوتا ہے ، اس لیے مختلف مصمتوں کے زیر اثر اس میں خفیف تبدیلی ہوتی رہتی ہے ۔ چنانچہ ان خفیف اختلافات کی بنا پر وصلی نون کو مندرجۂ ذیل پانچ ذیلی اصوات میں تقسیم کیا جا سکتا ہے :

۱ ۔ دنتی : ت ، د ، تھ ، دھ سے پہلے (مثلاً پنت ، تند ، سنتھال ، سگندھ)

۲ ۔ بالادنتی : س ، ز ، ش سے پہلے (مثلاً آنس ، طنز ، انشا)

۳ ۔ معکوسی : ٹ ، ڈ ، ٹھ ، ڈھ سے پہلے (مثلاً انٹی ، گنڈا ، کنٹھ ، منڈھا)

۴ ۔ تالوئی : چ ، ج ، چھ ، جھ سے پہلے (منچلا ، کنج ، پنچھی ، منجھنا)

۵ ۔ غشائی : ک ، گ ، کھ ، گھ سے پہلے (ڈنکا ، گنگا ، پنکھا ، کنگھا)

ظاہر ہے کہ وصلی نون کی یہ پانچوں ذیلی اصوات آپس میں تکملی بٹوارے میں ہیں یعنی ایک کی جگہ پر دوسری استعمال نہیں ہو سکتی ۔

لبی آوازوں یعنی پ ، ب ، پھ ، بھ سے پہلے وصلی نون نہیں آتا ۔ البتہ م ان سے وصل کی حالت میں آ سکتا ہے کیونکہ پ ب وغیرہ بھی لبی آوازیں ہیں اور م بھی ۔ ہمارے رسم‌الخط سے اکثر یہ مغالطہ ہوتا ہے کہ یہی آواز پ سے پہلے وصلی نون استعمال ہو رہا ہے ، مثلاً : انبالہ ، گنبد ، دنبالہ ، انبساط ، جنبش تنبولی ، منبع ، چنبر ۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ ان

الفاظ میں ب سے ن کا نہیں بلکہ م کا وصل ہوا ہے اور ہم ان الفاظ کو م ہی سے بولتے ہیں ، یعنی : انبالہ ، گنبد ، دنبالہ ، انبساط ، جنبش ، تنولی ، منبع ، چنبر ۔

س ، ص ، ث : اردو میں س ، ص اور ث کا فرق بھی محض رسم الخط کی حد تک ہے ۔ اردو زبان کے صوتیاتی نظام میں ان کی تفریق کوئی معنی نہیں رکھتی ۔ عربی میں یہ تینوں آوازیں مختلف المخارج ہیں ، لیکن اردو میں ہم مخرج ہیں ۔ اردو کے جن الفاظ میں ث ، ص استعمال ہوتے ہیں ، ان کا تلفظ غیر مسموع صفیری آواز س کی حیثیت سے ہوتا ہے ، چنانچہ اس بنا پر ص یا ث کو نہیں ، بلکہ صرف س کو فونیم تسلیم کیا جاتا ہے ۔

ز ، ذ ، ض ، ظ اور ژ : ماہرین لسانیات کا بیان ہے کہ مسموع صفیری آواز ز سنسکرت اور فارسی کی مشترکہ ماخذ ہند یورپی زبان میں مستعمل تھی ، لیکن سنسکرت میں یہ آواز نہیں پائی جاتی ۔ سنسکرت اور ہند ایرانی دونوں میں غیر مسموع صفیری آواز س ماقبل آوازوں سے متاثر ہو کر تبدیل ہو جاتی تھی ۔ سنسکرت میں یہ تالوئی آوازوں کے بعد ش میں بدل جاتی تھی جب کہ ہند ایرانی میں مسموع آوازوں کے بعد یہ خود بھی مسموع ہو کر ز بن جاتی تھی ۔ بعد میں اسی نے ایرانی میں ژ اور سنسکرت میں ج کا روپ اختیار کیا ۔ چنانچہ ز اور ژ آوازیں ہند ایرانی کی جانشین فارسی میں تو ملتی ہیں ، لیکن ہند آریائی کی جانشین سنسکرت ، ہندی وغیرہ میں نہیں ۔ البتہ اردو میں ز اور ژ مستعمل ہیں اور اردو نے انھیں فارسی سے لیا ہے ۔

ژ کی آواز اپنی اصلی شکل میں اردو میں مستعمل فقط چند الفاظ میں ملتی ہے ، مثلاً مژدہ ، ژالہ ، ژوف ، پژمردہ ، مژہ ، مژگاں ، ژولیدہ ۔ اردو میں اسے اکثر و بیشتر ز سے بدل کے بولا جاتا ہے اور چونکہ ایسا کرنے سے معنی کا فرق لازم نہیں آتا ، ژ کو اردو کی فونیم یعنی بنیادی آواز تسلیم کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ۔ ژ اور ز کا معنوی امتیاز ثابت کرنے کے لیے اردو میں کوئی اقلی جوڑا نہیں ملتا ۔ اس سلسلے میں زال اور ژالہ یا ژرف اور ظرف کی مثال دی جاتی ہے ۔ لیکن ایک تو یہ صحیح معنوں میں اقلی جوڑے نہیں ، دوسرے اس قسم کے الفاظ بھی اردو میں بہت کم استعمال ہوتے ہیں ، اس لیے بہتر یہی ہے کہ ژ کو اردو فونیم نہ قرار دیا جائے ۔

ہمارے رسم الخط میں ز کی آواز کے لیے تین علامتیں اور بھی ہیں - ذ، ض، ظ - دراصل عربی میں ز، ذ، ض اور ظ مختلف اصوات ہیں اور مختلف مخارج سے ادا ہوتی ہیں - اس کے برعکس اردو میں ان کے مخارج اور لہجے کی تفریق باقی نہیں رہی - ہماری زبان میں یہ سب آوازیں صفیری ز میں بدل جاتی ہیں اور ایک ہی مخرج یعنی اوپری مسوڑھوں کے پیچھے سے ادا ہوتی ہیں - غرض اردو میں ان کی تفریق صوتیاتی اعتبار سے کوئی معنی رکھتی کیونکہ ان چاروں کے لیے صرف ایک صوت ز استعمال ہوتی ہے، جسے اردو کی بنیادی آواز تسلیم کیا گیا ہے -

مصوتی فونیم : اردو کی مصوتی فونیم کی تعداد دس ہے - ذیل میں اقلی جوڑوں کا سلسلہ ملاحظہ ہو :

(۱)	ـَـ	(زبر)	مَل
(۲)	ا	(الف)	مال
(۳)	ـِـ	(زیر)	مِل
(۴)	ی	(یائے معروف)	میل
(۵)	ـُـ	(پیش)	مُل
(۶)	او	(واؤ معروف)	مُول
(۷)	ـِـ ے	(یائے مجہول)	مِیل
(۸)	ـَـ ے	(یائے لین)	مَیل
(۹)	ـُـ و	(واؤ مجہول)	مُول
(۱۰)	ـَـ و	(واؤ لین)	مَول[۱]

---

۱ - مول بمعنی کونپل (نیم کی مول) فعل : مولنا (درخت مول رہا ہے) مغربی اتر پردیش میں مستعمل ہے -

اردو کے دس بنیادی مصوتے بعینہ وہی ہیں ، جو ہندی میں مروج ہیں - ان کی دیوناگری علامتیں بالترتیب یوں ہیں :

، अ आ इ ई उ ऊ ए ऐ ओ औ

اقلی جوڑوں کے مندرجہ بالا سلسلے سے ظاہر ہے کہ یہ دس کی دس آوازیں اردو اور ہندی میں فونیم کا درجہ رکھتی ہیں - لیکن اردو کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں ان دس بنیادی مصوتوں کے علاوہ تین ذیلی مصوتے بھی ملتے ہیں[1] - (۱) خفیف زبر ، (۲) خفیف زیر ، (۳) خفیف پیش - اردو میں یہ تینوں ذیلی مصوتے ہائے ہوز یا حائے حطی سے پہلے یا بعد میں بولے جاتے ہیں - مثالیں ملاحظہ ہوں :

۱ - خفیف زبر :

کہنا - سہنا - بہنا - وحدت - زحمت - احمد - محبوب - محسوس - محروم -

ان الفاظ میں دراصل پہلے حرف پر زبر ہے ، لیکن یہاں زبر نہیں بولا جاتا بلکہ زبر کو خفیف زبر یعنی اَے کے انداز پر ادا کیا جاتا ہے -

---

۱ - ملاحظہ ہو : ڈاکٹر گراہم بیلی ، اردو اور ہندی کا تلفظ (اردو ادب ، دسمبر ۱۹۵۶ء) رشید حسن خاں ، لغت اور استعمال عام (اردو ادب مارچ ۱۹۵۷ء) حیات اللہ انصاری ، کشمیری زبان کے لیے ایک رسم الخط (اردو ادب ، دسمبر ۱۹۶۰ء) ڈاکٹر گیان چند جین ، اردو مصوتوں کی صحیح تعداد (نیا دور ، ستمبر ۱۹۶۱ء) شان الحق حقی ، اردو الفاظ کی رومن املا (اردو نامہ شمارہ ۴) ڈاکٹر گیان چند نے اپنے ایک اور مضمون "اردو کی آوازیں" (اردو ادب شمارہ ۴ ، ۱۹۶۱ء) میں اردو کے سولہ (۱۶) مصوتوں کی نشان دہی کی ہے - یہ تقسیم نازک ترین صوتی اختلافات پر مبنی ہے ، مگر وہ خود بھی اس سے مطمئن نہیں - بعد میں انھوں نے طول کو صوتیہ قرار دے کر صرف سات مصوتوں کو فونیم کا درجہ دیا ہے - لیکن ہم نے یہاں بنیادی مصوتوں کی مسلمہ تقسیم یعنی دس کو ہی پیش کیا ہے -

۲ - خفیف زیر :

(الف) سِحر - مِحنت - یِہ -

ان الفاظ میں پہلے حرف نیچے کے زیر ہے ، لیکن یہاں زیر کا تلفظ خفیف زیر یعنی اِے سے ملتی جلتی آواز میں کیا جاتا ہے -

(ب) بحث - زہر - لہر - قہر - شہر - نہر - صحن -

یہ الفاظ بھی دراصل شق اول کے الفاظ کی طرح بہ فتح اول اور بہ سکون حرف ثانی ہیں - لیکن ان میں صرف زبر متاثر ہوا تھا - یہ الفاظ چونکہ جڑواں مصمتے (Consonantal Cluster) پر ختم ہوتے ہیں ، اس لیے ان میں زبر کے خفیف زیر میں تبدیل ہونے کے علاوہ ہائے ہوز اور حائے حطی بھی حرکت کا اثر قبول کرتی ہیں اور ان کے فوراً بعد خفیف زیر یعنی اِے سے ملتی جلتی آواز سنائی دیتی ہے -

(ج) محل - مہک - رہن - سہن - پہن - بہن - ٹہل -

یہ الفاظ بہ فتح اول اور بہ فتح دوم ہیں - ان میں پہلا زبر ، خفیف زبر میں اور دوسرا زبر خفیف زیر کی آواز میں تبدیل ہو جاتا ہے -

۳ - خفیف پیش :

عہدہ - بہت - شہرہ - کہرام - تحفہ - وہ -

ان الفاظ میں ہائے ہوز اور حائے حطی سے پہلے یا بعد میں پیش ہے - لیکن یہاں پیش نہیں بولا جاتا ، بلکہ ان الفاظ کا تلفظ خفیف پیش یعنی او سے ملتی جلتی آواز میں کیا جاتا ہے -

یہ تینوں مصوتے چونکہ بالترتیب زبر ، زیر اور پیش کی خفیف شکلیں ہیں اور ان کے جلی لہجے میں آزادانہ تغیر (Free variation) کا رشتہ ہے ، یعنی ایک کی جگہ پر دوسری صوت استعمال ہو سکتی ہے اور ایسا کرنے سے معنی کا فرق لازم نہیں آتا - اس لیے انھیں فونیم کا درجہ حاصل نہیں ،

بلکہ خفیف زبر کو زبر کی ، خفیف زبر کو زبر کی اور خفیف پیش کو پیش کی ذیلی صوت تسلیم کیا جاتا ہے ۔

نون غنہ یعنی مصوتی غنائیت (Nasalisation of Vowel) : ناک کی تین آوازوں یعنی م ، ن فصلی اور ن وصلی کا ذکر کیا جا چکا ہے ۔ یہ تین مصمتے ہیں ۔ لیکن ناک کی آوازیں مصوتوں سے مل کر بھی ادا کی جا سکتی ہیں ۔ غنائی مصمتے کو ادا کرتے ہوئے منہ کا راستہ تقریباً بند کر دیا جاتا ہے اور ہوا محض ناک سے خارج ہوتی ہے ۔ لیکن غنائی مصوتے کو ادا کرتے ہوئے آواز پیدا کرنے والی ہوا منہ اور ناک دونوں سے بیک وقت خارج ہوتی ہے ۔ ایسی آوازیں چونکہ اردو میں معنی کی تفریق میں مدد دیتی ہیں ، اس لیے انھیں فونیم کا درجہ حاصل ہے ۔ مثال کے طور پر مندرجہ ذیل اقلی جوڑے ملاحظہ ہوں :

ڈاٹ : ڈانٹ

باٹ : بانٹ

مے : میں

وصلی اور فصلی نون سے مصوتی غنائیت کا تضاد پیش کرنے کی ضرورت نہیں ، کیونکہ فصلی نون میں اعلان نون مکمل طور پر اور وصلی نون میں جزوی طور پر ہوتا ہے جب کہ مصوتی غنائیت کی خصوصیت یہی ہے کہ اس میں اعلان نون قطعاً نہیں ہوتا ۔

مصوتی غنائیت دو طرح کی ہے : سادہ مصوتی غنائیت اور مخلوط مصوتی غنائیت مخلوط مصوتی غنائیت صرف مسموع بندشی اور مسموع ایفرکیٹ آوازوں یعنی ب ، بھ ، د ، دھ ، ڈ ، ڈھ ، گ ، گھ اور ج ، جھ سے پہلے ملتی ہے جب کہ سادہ مصوتی غنائیت بقیہ آوازوں سے پہلے اور لفظ کے آخر میں آتی ہے ۔ مخلوط مصوتی غنائیت کی خصوصیت ہے کہ یہ بعد میں آنے والے مصوتوں سے متاثر ہوتی ہے ۔ ب ، بھ سے پہلے اس میں خفیف سی م کی جھلک ، د ، دھ ، ڈ ، ڈھ ، ج اور جھ سے پہلے ن کی جھلک اور گ ، گھ سے پہلے ن گ کی جھلک آ جاتی ہے ۔ اس لحاظ سے مصوتی غنائیت کی مندرجہ ذیل قسمیں ہوئیں :

۱ - م سے مخلوط مصوتی غنائیت - یہ ب ، بھ سے پہلے ملتی ہے ، مثلاً بانبی ، مانبھر -

۲ - ن سے مخلوط مصوتی غنائیت - یہ د ، دھ ، ڈ ، ڈھ اور ج ، جھ سے پہلے ملتی ہے ، مثلاً : چاند ، گوندھ ، مینڈھا ، گونڈ ، گونج ، مانجھ -

۳ - ن گ سے مخلوط مصوتی غنائیت - یہ گ ، گھ سے پہلے ملتی ہے مثلاً : ٹانگ ، سونگھ -

۴ - سادہ مصوتی غنائیت - یہ بقیہ تمام صورتوں میں اور لفظ کے آخر میں ملتی ہے ، مثلاً : آنت ، کانپ ، پھانس ، ہانک ، آؤں ، جاؤں وغیرہ -

مندرجۂ بالا چاروں آوازیں آپس میں تکملی بٹوارے میں ہیں اور اس طرح ایک فونیم یعنی مصوتی غنائیت کی ذیلی اصوات قرار پائیں -

ع اور ہمزہ : ع اور ہمزہ اردو میں فونیم کا درجہ رکھتے ہیں نہ ذیلی اصوات کا - ان کا وجود محض رسم الخط کی حد تک ہے - آواز کی حیثیت سے اردو میں ان علامتوں کا کوئی مقام نہیں - جس طرح ص اردو میں س سے الگ کوئی آواز نہیں ، اسی طرح ع اور ہمزہ بھی مصوتوں سے الگ کوئی وجود نہیں رکھتے - عربی میں ع مسموع حلقی مصمتہ ہے - اس کے برعکس اردو والے ع کو مصمتے کی حیثیت سے ادا ہی نہیں کر سکتے - اردو میں عربی داں حضرات کی قلیل تعداد سے قطع نظر اکثریت کی زبان پر ع کی آواز ماقبل یا مابعد حرکت سے متاثر ہو کر دس بنیادی مصوتوں میں سے کسی ایک میں تبدیل ہو جاتی ہے - یہ بات ذیل کی مثالوں سے واضح ہو جائے گی - ہر لفظ میں ع کی علامت جس مصوتے کی قائم مقام ہے ، وہ اس کے سامنے درج کر دیا گیا ہے :

۱ - عجب	(اجب)	َ	(زبر)
۲ - عادت	(آدت)	ا	(الف)
۳ - عبادت	(ابادت)	ِ	(زیر)
۴ - عید	(اید)	ِ ی	(یائے معروف)

٥ - عذر	(اُذر)	ـُـ	(پیش)
٦ - عود	(اود)	و	(واو معروف)
٧ - جامع	(جامے)	ـِـ ے	(یائے مجہول)
٨ - عیب	(ایب)	ـَـ ے	(یائے لین)
٩ - شعبہ	(شو بہ)	ـُـ و	(واو مجہول)
١٠ - عَود	(اود)	ـَـ و	(واو لین)

اس میں شک نہیں کہ عروض میں (جس کے اصول و قواعد کی بنیاد عربی فارسی اصوات پر رکھی گئی ہے) ع کے احکامات الف یعنی مصمتے سے مختلف ہیں - الف کو دبایا جا سکتا ہے ، لیکن ع کو ہر حالت میں شمار کیا جاتا ہے ; کیونکہ عربی فارسی میں صوتی اعتبار سے ع کی آواز امتیازی حیثیت رکھتی ہے - اس کے برعکس اردو میں ع کی اپنی کوئی آواز نہیں بلکہ یہ محض ایک علامت ہے جو مختلف مصوتوں کے لیے استعمال ہوتی ہے ، اس لیے اردو میں ع کا مصوتوں سے الگ وجود تسلیم ہی نہیں کیا جا سکتا - آخری حالت میں ساکن ع سے کبھی کبھی غلط فہمی پیدا ہوتی ہے کہ اس کا تلفظ اردو مصوتوں سے مختلف ہے - لیکن ایسا صرف ع کو شعوری طور پر ادا کرتے وقت ہوتا ہے اور اس میں بھی جو کھٹک محسوس ہوتی ہے ، وہ صوتی وقفے سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی ، ورنہ عام بول چال میں اس حالت میں ع کا تلفظ دراصل چھوٹے مصوتے کے طور پر ہوتا ہے -

ع کی طرح ہمزہ بھی اردو کے صوتیاتی نظام میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا - عربی میں ہمزہ ایک مستقل آواز ہے اور اسے حلقی بندشی مصمتے کی حیثیت سے ادا کیا جاتا ہے ، لیکن اس کے برعکس اردو میں ہمزہ کی آواز مصمتے کی نہیں بلکہ مصوتے کی ہے اور یہ دوہرے مصوتے میں زیر ، زبر ، پیش اور ان کی مدد سے لکھے جانے والے مصوتوں کے لیے استعمال کیا جاتا ہے - غرض ع کی طرح ہمزہ کی بھی اردو میں اپنی کوئی آواز نہیں اور یہ محض "علامت بے صوت" ہے - صوتی رُکن کے شروع میں اس کی آواز الف کی ہو جاتی ہے -

نیم مصوتے (Semi Vowels) : اردو کے نیم مصوتے دو ہیں : و اور ی ۔ مندرجہ ذیل اقلی جوڑے ملاحظہ ہوں :

وار : یار

وہاں : یہاں

اردو میں چونکہ مصوتے کے لیے علامتیں بہت کم ہیں ، و اور ی سے دوہرا کام لیا جاتا ہے یعنی و اور ی علامتیں نیم مصوتوں کے علاوہ مصوتوں کے لیے بھی استعمال ہوتی ہیں ۔ و اور ی کی ان دو حیثیتوں میں صوتیاتی اعتبار سے اہم فرق ہے ۔ مثلاً لفظ 'یہی' میں علامت ی شروع میں بھی ہے اور آخر میں بھی ۔ لیکن پہلی آواز نیم مصوتہ ہے اور آخری مصوتہ ۔ نیم مصوتے کی صوتی حیثیت کو پہلے واضح کیا جا چکا ہے ۔ مختصراً یہ کہا جا سکتا ہے کہ مصوتے کو ادا کرتے ہوئے منہ کے اندر ہوا کا راستہ نسبتہً کھلا رہتا ہے جب کہ نیم مصوتے کے لیے رکاوٹ پیدا تو کی جاتی ہے ، لیکن پوری طرح نہیں ۔ اردو میں و اور ی آوازیں جب بھی لفظ کے شروع میں آتی ہیں تو ان کی حیثیت نیم مصوتے کی ہوتی ہے ۔ اس کے برعکس لفظ کے آخر میں یہ ہمیشہ مصوتے کی آواز دیتی ہیں ۔ اردو رسم الخط میں چونکہ ی اور و کی علامتوں سے دوہرا کام لیا جاتا ہے ، لفظ کے آخر میں ان پر نیم مصوتے کا دھوکا ہو سکتا ہے ، لیکن دراصل آخری حالت میں نیم مصوتے کی حیثیت سے ان کا تلفظ اردو زبان کے صوتی مزاج کے خلاف ہے ۔ البتہ ہندی الفاظ کے آخر میں و اور ی کی آوازیں نیم مصوتوں کی حیثیت سے آتی ہیں ، مگر اردو والے ان الفاظ میں انہیں مصوتوں میں تبدیل کر دیتے ہیں یا حذف کر کے بولتے ہیں ، مثلاً :

گانْو : گاؤں

چھانْو : چھاؤں

راجیہْ : راج

ستیہْ : ست (سچ)

اردو میں و کی تین ذیلی اصوات ہیں :

۱ - لب دنتی و - یہ لفظ کے یا صوتی رکن کے شروع میں آتی ہے ، مثلاً وہ ، ورنہ ، واحد یا چاول ، ساون ، باور -

۲ - دولبی و - یہ صرف اوپری مدور مصوتے کے بعد آتی ہے اور اردو میں بہت کم ملتی ہے ، مثلاً جوا - ہندی میں سور بمعنی سر -

۳ - لب دنتی خفیف و - یہ دو مصوتوں کے درمیان آتی ہے ، مثلاً : خواب ، خواہ ، سوانگ - واؤ یہاں دو مصوتوں کے درمیان پل کا کام دیتی ہے اور چونکہ اس کی مدد سے پہلا مصوتہ بتدریج دوسرے مصوتے میں ضم ہوتا ہے ، لسانیات کی اصطلاح میں اسے لہریہ (Glide) کہتے ہیں -

اردو میں ی کی دو ذیلی اصوات ہیں :

۱ - ی - یہ لفظ کے شروع میں آتی ہے ، مثلاً یہاں ، یاس ، یوم ، یادگار وغیرہ - یا پھر وسطی اور آخری صوتی رکن کے شروع میں جب اس سے پہلے کوئی مصمتہ ہو ، مثلاً بنیا ، بریاں ، دنیا -

۲ - خفیف ی - یہ دو مصوتوں کے درمیان آتی ہے ، مثلاً لیے ، کیجیے ، آیا ، گیا - ان الفاظ میں ی سے پہلے بھی مصوتہ ہے اور بعد میں بھی - مختلف مصوتوں کے اعتبار سے اس کے نازک اختلافات کی نشان دہی کی جا سکتی ہے - تاہم اتنی بات واضح ہے کہ دو مصوتوں کے درمیان ی کا تلفظ نہایت خفیف ہوتا ہے اور اس کے لیے زبان کو تالو کی طرف اتنا اونچا نہیں اٹھانا پڑتا جتنا لفظ کے یا صوتی رکن کے شروع میں ی کے لیے اٹھایا جاتا ہے - خفیف ی دو مصوتوں کے درمیان لہریہ کا کام دیتی ہے -

بالاصوتی امتیازی عناصر (Suprasegmental Phonemes) : اوپر جن مصمتی مصوتی اور نیم مصوتی فونیم کا ذکر کیا گیا ، ان سب کو ملا کر بنیادی آوازیں (Segmental Phonemes) کہا جاتا ہے - لیکن ہر زبان میں کچھ ایسے عناصر بھی ہوتے ہیں جنھیں صحیح معنوں میں صوت تو نہیں کہا جا سکتا ، مگر جو اصوات کو متاثر کر کے معنی کی تفریق میں اہم

مدد دیتے ہیں - مثلاً لہجے کے اتار چڑھاؤ کا فرق اور الفاظ کو ملا کر یا توڑ کے بولنے کا فرق - لسانیات کی اصطلاح میں انھیں (Suprasegmental Phonemes) کہا جاتا ہے - اردو میں ہم انھیں زبان کے بالاصوتی امتیازی عناصر کہہ سکتے ہیں - یہاں مختصراً اردو کے بالا صوتی امتیازی عناصر کی نشان دہی کی کوشش کی جاتی ہے -

زبان میں آوازوں کو ادا کرتے اور جملے کو بولتے ہوئے لہجے کے آتار چڑھاؤ (Intonaton) کا فرق بھی بڑی اہمیت رکھتا ہے - ہر زبان کے بولنے والوں کا مخصوص لہجہ ہوتا ہے اور لب و لہجے کی ذرا سی تبدیلی سے معنی کیا سے کیا ہو سکتے ہیں - چند سال پہلے لسانی مطالعے میں لب و لہجے کو کم و بیش نظر انداز کر دیا جاتا تھا ، لیکن جب سے یہ ثابت ہوا ہے کہ ہر زبان کے لب و لہجے کی مخصوص صوتی سطحیں (Pitch Levels) ہوتی ہیں ، جن سے معنی کی تفریق میں مدد ملتی ہے ، اس طرف زیادہ توجہ کی جانے لگی ہے ، بلکہ اب تو لب و لہجے کے ذکر کے بغیر صوتیاتی تجزیہ مکمل ہی نہیں سمجھا جاتا - اردو میں لہجے کی خصوصیات پر ابھی کوئی کام نہیں ہوا اور یہ صوتی سائنسی آلات کی مدد کے بغیر ممکن بھی نہیں - تاہم سامعہ کے ذریعے لہجے کا جو فرق محسوس کیا جا سکتا ہے ، ذیل میں اس کی طرف کچھ اشارے کیے جاتے ہیں -

سب سے پہلے اس مکالمے پر غور فرمائیے :

عمر : آپ کہاں جا رہے ہیں ؟

زید : بازار

عمر : بازار ؟

زید : جی ہاں -

اس مکالمے کے دوسرے اور تیسرے کلمے میں بظاہر کوئی فرق نہیں یعنی ایک سی آوازیں ہیں اور ایک ہی لفظ - پھر بھی سننے والے کو دونوں کلمے ایک سے محسوس نہیں ہوتے اور دونوں کے مفہوم میں فرق بھی ہے - یہ فرق بھی کیسے پیدا ہو گیا ؟ ظاہر ہے کہ لہجے کی تبدیلی کا اثر ہے -

اردو میں لہجے کے فرق کی تین صوتی سطحیں نمایاں طور پر محسوس کی جا سکتی ہیں ۔ لسانیات میں انہیں ظاہر کرنے کے لیے عموماً ہندسوں سے کام لیا جاتا ہے ۔ ہم اسے خفی ، ۲ سے میانہ اور ۳ سے جلی لہجہ مراد لیں گے ۔ اب مندرجہ بالا مکالمے پر نظر رکھتے ہوئے دوبارہ غور کیجیے کہ عمر کے پوچھنے پر زید نے کس لہجے میں اسے جواب دیا ہوگا اور عمر نے پھر اسی لفظ کو دہراتے ہوئے کس لہجے میں دوبارہ زید سے سوال کیا ہوگا ۔ ممکن ہے زید کے ہاتھ میں سامان خریدنے کی ٹوکری ہو اور اس نے سیدھے سادے طور پر جواب دیا ہو کہ یہ بدیہی بات ہے ، مجھے بازار جانا ہے ۔ اس صورت میں اس نے لفظ بازار کو میانہ لہجے میں کہنا شروع کیا ہوگا ، زیر لہجہ جلی ہوگیا ہوگا اور پھر ر تک پہنچتے ہوئے خفی ۔ چنانچہ اسے ہم یوں ظاہر کر سکتے ہیں :

۲ ۳ ۱
با ز ا ر

یہ بھی ممکن ہے کہ زید نے کلمہ میانہ لہجے سے شروع کرکے خفی لہجے پر ختم کیا ہو :

۲ ۱
با ز ا ر

اس صورت میں زید بے دلی سے یہ بتانا چاہتا ہے کہ کیا کروں اور کوئی کام ہی نہیں ، اس لیے بازار جا رہا ہوں ۔ لیکن اگر وہ یہ کہنا چاہے کہ جی ہاں ، بازار جا رہا ہوں ، اس لیے کہ اس وقت بازار جانا میرا معمول ہے ، تو وہ میانہ لہجے سے شروع کرکے کلمے کو جلی لہجے پر ختم کرے گا :

۲ ۳
با ز ا ر

اردو میں بیانیہ اور استفہامیہ جملے عموماً میانہ لہجے سے شروع ہوتے ہیں لیکن جس خاص مفہوم کی وضاحت مطلوب ہو اس سے متعلق لفظ پر زیادہ زور دیا جاتا ہے ۔ مثال کے طور پر مندرجہ ذیل مثالیں ملاحظہ ہوں :

۲ ۳ ۱
کیا آپ کتاب لینے بازار گئے تھے ۔

۱ ۳ ۲
کیا آپ کتاب لینے بازار گئے تھے -

۱ ۳ ۲
کیا آپ کتاب لینے بازار گئے تھے -

۱ ۳ ۲
کیا آپ کتاب لینے بازار گئے تھے -

پہلے جملے میں لفظ آپ کو، دوسرے میں کتاب کو، تیسرے میں لینے کو اور چوتھے میں بازار کو جلی لہجے میں ادا کیا گیا ہے اور ایسا کرنے سے ہر بار جملے کا مفہوم تبدیل ہوگیا ہے - زبان میں لہجے کی صوتی سطحوں سے چونکہ معنی کا فرق قائم رکھنے میں مدد ملتی ہے، اس لیے انھیں فونیم قرار دیا جاتا ہے - اردو میں لہجے کی تین صوتی سطحوں خفی، میانہ اور جلی میں امتیاز کیا جا سکتا ہے، اس لیے یہ اردو کی تین فونیم قرار پائیں -

جوڑ (Juncture) : اردو زبان میں الفاظ کی چند بندشیں ایسی بھی ہیں، جنھیں ملا کر پڑھا جائے تو ایک معنی اور اگر توڑ کے پڑھا جائے تو دوسرے معنی اخذ ہوتے ہیں - مثال کے طور پر ذیل کے جملے ملاحظہ ہوں :

(الف) مکڑی نے بنائے جالے

دوڑ آسے تو جا لے

(ب) جو کوئی کسی کو یار کہاوے گا

یہ یاد رہے وہ بھی نہ کل پاوے گا

مثال الف کے پہلے کلمے میں جالے جمع ہے اسم جالا کی، لیکن دوسرے کلمے میں جب اسی لفظ کو صوتی توقف کے ساتھ توڑ کے پڑھا گیا تو مرکب فعل جا لینا کا صیغہ امر جالے ہوگیا جو معنی میں جالے یعنی اسم سے بالکل مختلف ہے - اسی طرح دوسری مثال کے پہلے کلمے میں کہاوے کھڑی بولی کا مضارع ہے، مصدر کہانا یا کہاونا سے، لیکن جب اسی کہاوے کو ذرا سے صوتی توقف سے دو حصوں میں توڑ کے پڑھا گیا تو کل یعنی چین اور پانا

مصدر سے پاوے مضارع حاصل ہوا اور ظاہر ہے کہ معنی بالکل تبدیل ہوگئے ۔ دونوں مثالوں کے دوسرے کلموں میں جس صوتی توقف سے معنی کا فرق پیدا ہوا ، اسے لسانیات کی اصطلاح میں جوڑ (Juncture) کہتے ہیں ۔ جوڑ چونکہ ایک معنی کو دوسرے معنی سے تمیز کرنے میں بنیادی آواز کا سا کام کرتا ہے ، اس لیے اسے بھی فونیم کا درجہ حاصل ہے ۔

اردو فونیم کی تعداد : اوپر اردو کی ۳۲ مصمتی ، ۱۱ مصوتی اور ۲ نیم مصوتی فونیم کا ذکر کیا گیا ۔ ان کے علاوہ ۴ بالا صوتی امتیازی عناصر کی نشاندہی بھی کی گئی ۔ اس طرح اردو کی کل فونیم ۴۹ ہوئیں ۔ ذیل میں ان کی مکمل فہرست پیش کی جاتی ہے :

۱ - /پ/[1]
۲ - /ب/
۳ - /ت/
۴ - /د/
۵ - /ٹ/
۶ - /ڈ/
۷ / /چ/
۸ - /ج/
۹ - /ک/
۱۰ - /گ/
۱۱ - /ق/
۱۲ - /م/
۱۳ - /فصلی نون/
۱۴ - /وصلی نون/ - اس کی پانچ ذیلی اصوات ہیں : ۱ [دنتی] ۲ [بالا دنتی] ۳ [معکوسی] ۴ [تالوئی] ۵ [غشائی] ۔

---

۱ - لسانیات کے اصولوں کے مطابق فونیم کو دو آڑی لکیروں سے اور الوفون کو سیدھی بریکٹ سے ظاہر کیا گیا ہے ۔

۱۵- /ف/

۱۶- /س/

۱۷- /ز/

۱۸- /ش/

۱۹- /خ/

۲۰- /غ/

۲۱- /ہ/ - اس کی تین ذیلی اصوات ہیں :

۱ [ہائے مخلوط کامل] ۲ [ہائے مخلوط جزوی] ۳ [ہائے ملفوظی]

۲۲- /ل/

۲۳- /ر/

۲۴- /ڑ/

۲۵- /و/ - اس کی تین ذیلی اصوات ہیں :

۱ [لب دنتی و] ۲ [دو لبی و] ۳ [لب دنتی خفیف و]

۲۶- /ی/ - اس کی دو ذیلی اصوات ہیں :

[ی] اور [خفیف ی]

۲۷- /زبر/ اس کی دو ذیلی اصوات ہیں :

[زبر] اور [امالہ دار زبر]

۲۸- /الف/

۲۹- /زیر/ - اس کی دو ذیلی اصوات ہیں :

[زیر] اور [امالہ دار زیر]

۳۰- /یائے معروف/

۳۱- /پیش/ - اس کی دو ذیلی اصوات ہیں :

[پیش] اور [امالہ دار پیش]

۳۲- /واؤ معروف/

۳۳- /یائے مجہول/

۳۴- /یائے لین/

۳۵- /واؤ مجہول/

۳۶- /واؤ لین/

۳۷- /مصوتی غنائیت یعنی نون غنہ/۔ اس کی چار ذیلی اصوات ہیں:

۱ |سادہ مصوتی غنائیت| ۲ |م سے مخلوط| ۳ |ن سے مخلوط| ۴ |ن گ سے مخلوط|

۳۸- خفی لہجہ /۱/

۳۹- میانہ لہجہ /۲/

۴۰- جلی لہجہ /۳/

۴۱- /جوڑ/

(اردو نامہ کراچی، شمارہ ۱۴)

ڈاکٹر گوپی چند نارنگ

اردو کی آوازیں

(۲)

میرا ایک مضمون "اردو کی بنیادی اور ذیلی آوازیں" اردو نامے کے چودھویں شمارے میں شائع ہوا تھا۔ اس کا جواب پندرھویں شمارے میں ڈاکٹر شوکت سبزواری صاحب نے اور سولھویں شمارے میں ڈاکٹر گیان چند صاحب نے دیا ہے۔ میں ان دونوں حضرات کا ممنون ہوں کہ انھوں نے مسئلے کے مختلف پہلوؤں پر غور فرمایا اور اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ لیکن دونوں مضامین میں جو اعتراضات کیے گئے ہیں، ان میں سے بیشتر غلط فہمی پر مبنی ہیں۔ ذیل میں خاص خاص باتوں کی وضاحت کی جاتی ہے۔

ڈاکٹر شوکت سبزواری

۱ - موصوف کا سب سے بڑا اعتراض یہ ہے کہ میرے مضمون میں بعض باتیں:

(۱) "اردو زبان و ادب کی روایات" کے خلاف ہیں۔ (ص ۱۷، اردو نامہ، شمارہ ۱۵)۔

(۲) "علمی لحاظ سے غیر صحیح" ہیں۔ (ص ۱۷)۔

میں "روایت" کا احترام کرتا ہوں، لیکن اس کا بت نہیں بناتا۔ علم زبان (Philology) میں زبان کی بنیادی اکائی حرف (Letter) کو مانا گیا تھا۔ جدید لسانیات (Linguistics) نے آواز (Sound) کو بنیاد مان کر زبانوں کے سائنسی تجزیے کی نئی راہ دکھائی ہے اور بعض پرانے اصولوں کو غلط ثابت کر کے ان پر خط تنسیخ کھینچ دیا ہے۔ بے شک یہ روایات سے انحراف ہے، لیکن صداقت کی تلاش میں روایات سے رشتہ قائم رکھنے

کے باوصف کبھی کبھی ان سے انحراف ضروری بھی ہوتا ہے - محض روایات کو سینے سے لگائے رکھنے سے علم و ادب کی ترقی ممکن ہی نہیں - مغرب میں جب جدید لسانیات کی ابتدا ہوئی تھی تو ایسے اعتراضات وہاں بھی کیے گئے تھے - یہاں ان بحثوں کو دہرانا مقصود نہیں - پروفیسر Robert A Hall نے اپنی دلچسپ کتاب 'Leave Your Language Alone' میں ایسی باتوں کا مفصل جواب دیا ہے - یہ کتاب اردو والوں کے لیے بھی کارآمد ثابت ہو سکتی ہے -

"علمی لحاظ سے غیر صحیح" باتوں کا جواب آگے آئے گا -

۲ - اس کے بعد کے بیشتر اعتراض فونیم کی تعریف کو پوری طرح نہ سمجھ سکنے کی وجہ سے کیے گئے ہیں - موصوف نے حوالے میں ڈینیل جونز کا یہ بیان نقل کیا ہے :

"اگر یہ معلوم کرنا ہو کہ زبان کی کوئی دو آوازیں دو مختلف صوتیوں سے تعلق رکھتی ہیں یا نہیں تو زبان کے کوئی دو لفظ تلاش کر لیے جائیں جو محض ان آوازوں کی وجہ سے مختلف اور ایک دوسرے سے متمیز ہوں - اگر ایسے دو لفظ مل جائیں تو یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچ جائے گا کہ وہ دو آوازیں دو مختلف صوتیے ہیں -"

Phoneme, Its Nature and Use, P. 39)[1]

لیکن افسوس ہے کہ ڈاکٹر شوکت سبزواری نے اس بیان میں لفظ "آواز" پر پوری طرح غور نہیں فرمایا اور اسی صفحے پر صوت اور صوتیہ کا فرق بیان کرتے ہوئے اپنے ہی پیش کردہ حوالے کو نظر انداز کر دیا ہے :

"اس اصول کے پیش نظر ا/ع دو صوتیے ہوں گے کہ یہ ذیل کے الفاظ میں ایک صوتی سیاق میں واقع ہوئے ہیں : الم/علم - داعی/دائی ... اسی طرح ہ/ح دو صوتیے ہیں - یہ ذیل کے الفاظ میں تفریق پیدا کرتے ہیں : ہال/حال - نواحی/نواہی..." (ص ۴۳)

---

۱ - نظریۂ فونیم پر مکمل بحث کے لیے ملاحظہ ہو ٹواڈیل کا مقولہ، مشمولہ Readings in Linguistics مرتبہ Martin Joos ، مطبوعہ نیویارک -

گزارش یہ ہے کہ اردو میں ہ اور ح دو حرف ہیں ، دو آوازیں نہیں ۔ ڈینیل جونز کا جو بیان انھوں نے اپنے حوالے کے طور پر پیش کیا ہے، اس میں دو آوازوں کی بدولت متمیز ہونے والے الفاظ کا ذکر ہے ، دو حروف کی وجہ سے متمیز ہونے کا ذکر نہیں ۔ سارا قصہ یہی ہے اور اپنے مضمون میں یہی بنیادی بات میں نے سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ ہ اور ح حروف مختلف سہی ، اردو میں ان کی آواز ایک ہے ۔ ڈاکٹر شوکت سبزواری کی بنیادی غلطی یہی ہے کہ انھوں نے حرف اور آواز کو گڈمڈ کر دیا ہے ۔ یہاں یہ بات دہرانا شاید غیر مستحسن نہ ہو کہ لسانیات میں تجزیہ آوازوں کا کیا جاتا ہے ، حروف کا نہیں ۔ حرف کی حیثیت ثانوی ہے ۔ اصل چیز آواز ہے، حرف اس کی علامت محض ہے ۔ ڈاکٹر شوکت سبزواری نے جہاں "دو آوازوں والے حروف" (ص ۷۳) کہا ہے، وہاں اگر وہ جونز کے حوالے کو صحیح طور پر سمجھ کر "دو آوازیں" کہتے تو میرے بیان کی صحت خود بخود ان پر واضح ہو جاتی ۔ موجودہ صورت میں جونز کا بیان خود ڈاکٹر شوکت سبزواری کے اعتراض کو غلط ثابت کرتا ہے اور اگر اس سے تائید ہوتی ہے تو میرے پیش کیے ہوئے نتائج کی ، کیونکہ اگر الم/علم اور ہال/حال "مختلف" اور "ایک دوسرے سے متمیز" ہیں تو وہ اس لیے نہیں کہ ان کی "آوازیں" الگ الگ ہیں ، بلکہ اس وجہ سے کہ ان کے حروف (Grapheme) الگ الگ ہیں ۔ میں نے یہی کہا تھا کہ اردو میں الف/ع ، ہ/ح ، ت/ط ، ز/ذ/ظ/ض اور س/ص/ث میں بالترتیب اصل آواز الف ، ہ ، ت ، ز اور س کی ہے اور جونز کے بیان سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے ۔

۳ ۔ ڈاکٹر شوکت سبزواری نے تسلیم کیا ہے کہ "عام اردو بولنے والے" الف/ع وغیرہ کا تلفظ ایک آواز کے طور پر کرتے ہیں (ص ۷۱-۷۲)، لیکن اس کے فوراً بعد وہ پھر حرف کا سہارا لے کر آواز کی آزادانہ نوعیت کو نظر انداز کر دیتے ہیں اور ایسی غیر سائنسی باتیں کہنے لگتے ہیں :

"یہ حروف ایک دوسرے سے مختلف اور متمائز آوازوں کو ظاہر کرتے ہیں ... ان حروف میں بڑا فرق ہے ۔ ان کے مخارج مختلف اور ان کی صفات جدا جدا ہیں ۔" (ص ۷۲) ۔

اس سے کس کو انکار ہے کہ یہ حروف مختلف آوازوں کی علامتیں ہیں ، لیکن کس زبان میں ؟ ظاہر ہے کہ عربی میں۔ اردو کے بارے میں تو ڈاکٹر شوکت سبزواری خود فرما چکے ہیں کہ :

"عام اردو بولنے والے ا - ع/ت - ط/س ، ث ، ص/ز ، ذ ، ض ، ظ کے تلفظ میں کوئی ایسا فرق نہیں کرتے جو سننے والے کو محسوس ہو ۔"
(ص ۷۱-۷۲)

جب اردو میں فرق نہیں ہے تو یہ الگ الگ آوازیں کیسے ہوئیں ؟ عربی زبان میں یقیناً ان کی صفات جدا جدا ہیں ، وہاں یہ مختلف آوازیں ہیں اور اس لیے الگ الگ صوتیے ہیں ، لیکن اردو میں ایسا نہیں ۔ جہاں تک "صحت کے ساتھ ادا کرنے" کا سوال ہے ، ڈاکٹر شوکت سبزواری خوب جانتے ہیں کہ اردو نے اپنے ارتقائی سفر میں سنسکرت ، عربی اور فارسی کے الفاظ کو کس کس طرح اپنایا ہے اور اپنے سانچے میں ڈھالا ہے۔ اتنی بات تو برسوں پہلے سید انشا اللہ خاں نے بھی کہہ دی تھی کہ ان الفاظ کا وہی استعمال صحیح ہے جسے چلن نے قبولیت کا شرف بخش دیا ہے ۔ یہی عمل ث ، ذ ، ض ، ص ، ط ، ظ ، ح وغیرہ آوازوں کے ساتھ بھی ہوا ہے ۔ اردو صوتیات نے انھیں رد کر دیا ہے جب کہ ز ، ف ، غ اور خ کو پوری طرح ، ق کو بڑی حد تک اور ژ کو کسی حد تک قبول کیا ہے ۔ اردو میں ث ، ذ ، ض ، وغیرہ کی اہمیت علامتوں کی ہے اور بڑی اہم علامتوں کی ، لیکن انفرادی آوازوں کی نہیں ۔ زبان کے اصلی ماخذ کی طرف پلٹ سکنے اور ہر بات میں سختی سے قدیم زبانوں کی پیروی کرنے والی بات ممکن ہوتی تو آج ہندی ، اردو وغیرہ کا وجود ہی نہ ہوتا ، اور ہر طرف سنسکرت یا پالی وغیرہ کا دور دورہ ہوتا ۔ حیرت ہے کہ ڈاکٹر شوکت سبزواری جیسا تاریخی لسانیات کا ماہر اُن آوازوں کی طرف پلٹنے کا حکم دیتا ہے جنھیں اردو صدیوں پہلے اپنے ارتقائی سفر کے دوران میں رد کر چکی ہے ۔

۴ - "بعض اہل علم گزشتہ ماہ سے دیوناگری حروف کے زیر اثر . . . (ص ۱۷) ۔" اتنی بات واضح کی جا چکی ہے کہ صوتیاتی تجزیے میں حروف سے سروکار نہیں خواہ وہ عربی کے ہوں یا سنسکرت کے چنانچہ دیوناگری حروف سے متاثر ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ۔ لسانیات میں زبان کا

تجزیہ آزادانہ طور پر خود اس زبان کی سطح پر کیا جاتا ہے ، اگر کسی دوسری زبان کا حوالہ دیا جاتا ہے تو صرف مثال دینے کے لیے یا کسی نکتے کو خاطر نشان کرنے کے لیے - اس سے زیادہ اس کی اہمیت نہیں -

۵ - ڈاکٹر شوکت سبزواری فرماتے ہیں :

(۱) ہائیہ (بھ ، پھ وغیرہ) پر تفصیل سے بحث کر کے میں ثابت کر چکا ہوں کہ یہ مصمتہ اور "ہ" کی تالیف و ترکیب کا نتیجہ اور ایک طرح کی تالیفی (Complex) آوازیں ہیں - ڈاکٹر جونز نے مرکب آوازوں کی دو قسمیں کی ہیں ، ان کا تعلق پہلی قسم سے ہے -" (ص ۷۶)

جواب میں عرض ہے کہ بھ ، پھ ، وغیرہ کو ڈاکٹر شوکت سبزواری اگر ڈاکٹر جونز کی درجہ بندی کی روشنی میں "پہلی قسم" کی "مرکب آوازیں" ہی مانتے ہیں تو پھر انھیں "تالیفی (Complex) آوازیں" کہنے کی کیا ضرورت ہے ؟ ایک ہی قسم کی آوازیں ایک ہی بیان میں "مرکب" (Compound) اور "تالیفی" (Complex) کیسے ہو سکتی ہیں ؟

(۲) ڈاکٹر گوپی چند نارنگ محض اس بنا پر کہ "دیوناگری رسم الخط میں ان کی مفرد حیثیت تسلیم کی گئی ہے اور ان کے لیے الگ سے علامات ہیں" انھیں مفرد آوازیں قرار دیتے ہیں - دلیل یہ ہے کہ "یہ آوازیں اعضائے صوت کی ایک ہی جنبش سے ادا ہوتی ہیں -" (ص ۷۶) -

میں نے ناگری کو مثال کے طور پر پیش کیا تھا ، دلیل کے طور پر نہیں - (ملاحظہ ہو ص ۱۱ ، س ۶ ، اردو نامہ شمارہ ۱۴) - میری دلیل وہی ہے جسے خود شوکت سبزواری صاحب نے اپنے بیان میں نقل کیا ہے اور جسے یہاں میں نے خط کھینچ کر ظاہر کیا ہے -

(۳) "اردو میں م ، ن ، ر ، ڑ وغیرہ کے ساتھ بھی "ہ" کی آمیزش ہوتی ہے ، جیسے پڑھ ، ننھا وغیرہ - لیکن چونکہ یہ آمیزش سنسکرت میں نہیں اور دیوناگری حروف میں ان کے لیے الگ سے علامات وضع نہیں ہوئیں ، اس لیے ڈاکٹر گوپی چند نارنگ ان میں اور سنسکرت ہائیوں میں فرق کر کے فرماتے ہیں کہ "وہاں انضمام کامل ہے اور یہاں جزوی -" (ص ۷۶) "انضمام" دونوں میں یکساں ہے ، جس طرح "بھ" میں "ہ" کی آواز مصمتے

کے بعد "جڑواں حالت میں اور کسی حد تک یہاں آواز میں ضم" ہوگئی ہے، ٹھیک اسی طرح "نھ" میں "ھ" کی آواز "ن" کے ساتھ منضم یعنی ملی ہوئی ہے - آج تک کوئی ایسی مشین ایجاد نہیں ہوئی جو ان دونوں میں کسی قسم کا فرق و امتیاز دکھائے اور یہ بتائے کہ "بھ میں انضمام کامل ہے اور نھ میں ناقص -" (ص ۷۶)

ڈاکٹر شوکت سبزواری کا یہ اصرار بالکل غلط ہے کہ بھ، پھ اور ڑھ، نھ میں انضمام یکساں ہے - ایسا کہہ کر وہ قارئین کو گمراہ کر رہے ہیں - ان کی خدمت میں مودبانہ عرض ہے کہ ایسی مشین واقعی ایجاد ہو چکی ہے جس سے یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ بھ، پھ میں انضمام کامل ہے اور نھ، ڑھ میں ناقص - اس مشین کا نام سپکٹرو گراف ہے - یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ ماہرین لسانیات کے نزدیک '.' کا انضمام کامل صرف بندشی آوازوں کے ساتھ ہو سکتا ہے اور ن، ڑ کے بارے میں شوکت سبزواری صاحب کو بھی معلوم ہے کہ یہ بندشی آوازیں نہیں - ناگری کے بارے میں بھی انھوں نے میرے بیان کو غلط طور پر پیش کیا ہے - میں بار بار کہہ چکا ہوں کہ اردو، سنسکرت یا ناگری کی پابندی نہیں - میں نے اپنے مضمون میں ناگری اور اردو میں کہیں سبب اور نتیجے کا رشتہ قائم نہیں کیا -

ڈاکٹر گیان چند

۱ - "ڈاکٹر نارنگ نے بجا طور پر ان آوازوں کی مشترک تنفیس (Aspiration) کو صوتیہ /ہ/ کی ایک ذیلی صوت [ہائے مخلوط کامل] قرار دیا ہے - اب جب کہ بھ دو صوتیوں /ب/ اور /ہ/ کا مجموعہ ہے تو اسے مرکب آواز کیوں نہ کہا جائے، مفرد کیوں کہیں ؟" (ص ۷، اردو نامہ شمارہ ۶۱) -

اس لیے کہ ہائیت (Aspiration) امتیازی کیفیت (Prosody) ہے، آواز نہیں - سپکٹروگرام پر اگر ب کا وقفہ (Duration) چھ سات سنٹی سیکنڈ ہے تو بھ کا بھی تقریباً اتنا ہی ہے - اگر بھ، پھ وغیرہ مرکب آوازیں ہوتیں تو وقفہ دگنا یعنی دو آوازوں کے برابر ہوتا جو نہیں ہے -

۲ - /ڑ/ "ڈاکٹر نارنگ ژ سے خفا ہیں، وہ اسے صوتیے کا رتبہ نہیں دینا چاہتے -" (ص ۱۱)

ظرف اور زرف کی صراحت ڈاکٹر شوکت سبزواری نے بھی فرمائی ہے : ڈاکٹر گیان چند نے ایک اور اقلی جوڑے زیاں اور ژیاں کی طرف توجہ دلائی ہے ۔ اس کے لیے میں دونوں حضرات کا شکر گزار ہوں ۔ لیکن اصل مسئلہ یہ ہے کہ کیا اہل اردو عام طور پر ز اور ژ میں فرق کرتے ہیں ؟ یعنی اس تفریق کی Frequency کیا ہے ؟ اس سلسلے میں اردو نامے کے ایک حالیہ مضمون سے یہ اقتباس دلچسپی سے خالی نہیں : "تلفظ کے لحاظ سے یہ حرف (زائے فارسی : ژ) اردو زبان کی صوتیات میں کھپ نہیں سکا ۔ اس کا تلفظ یا تو خالص زائے تازی کی صورت میں کیا جاتا ہے یا پھر یائے معمتی کی طرح ۔ ... زرف (ظرف) و ژرف اور زیاں و ژیاں کے اقلی جوڑوں کی مثالیں.. فارسی زبان کے لیے تو صحیح ہیں ، لیکن اردو زبان کے لیے نہیں ، کیونکہ اردو میں ژرف اور ژیاں کے استعمال کی کوئی مثال نہیں ملتی ۔ اگر اس حرف کو اردو زبان کی الف بائے سے خارج کر دیا جائے تو بھی کوئی کمی واقع نہیں ہوتی کیونکہ زائے تازی اس کے متبادل کے طور پر موجود ہے جیسے کہ ژالہ : زالہ ، ژند : زند ، مژدہ : مزدہ وغیرہ" (عین الحق فرید کوٹی : چند لسانی مسائل : اردو نامہ شمارہ ۲۲ ، ص ۱۷ - ۱۸) - میری اپنی رائے یہ ہے کہ ژ کا تلفظ غ کی طرح ایک خاص محدود حلقے میں (جہاں اپنی علمیت جتانا مقصود ہو) کیا جاتا ہے ۔ یعنی یہ فرق سماجی اور تہذیبی سطح پر ملتا ہے ۔ چنانچہ اس کے پیش نظر اس مسئلے کا بہترین حل یہ ہوگا کہ فونیم کے گوشوارے میں ژ اور غ کو Fringe Phonemes یعنی ایسے امتیازی صوتیوں کی حیثیت سے جگہ دی جائے جس کا محدود استعمال بولنے والے کی سماجی حیثیت کو ظاہر کرتا ہے ۔ انھیں چارٹ میں قوسین میں رکھا جائے یا ان کا ذکر حاشیے میں کیا جائے ۔ ژ اور غ کو اردو کی High Frequency Base Phonemes میں جگہ دینا اور انھیں بنیادی آواز کہنا غلط ہوگا ۔

۳ - "ڈاکٹر نارنگ اور میرے درمیان سب سے اہم اختلاف وصلی ن [Homorganic n] کا ہے" (ص ۷) ۔

ڈاکٹر گیان چند اتنی بات خوب جانتے ہیں کہ لسانیاتی تجزیے میں ایک سے زیادہ راہیں ممکن ہو سکتی ہیں ۔ واقعہ یہ ہے کہ انھوں نے نون کی درجہ بندی مخرج کے اعتبار سے کی ہے ، میں نے صوتیاتی نوعیت کے

اعتبار سے کی ہے - اس مسئلے پر میں اپنے ایک حالیہ مضمون "ن یا نٚ"
میں تفصیل سے روشنی ڈال چکا ہوں - ملاحظہ ہو ہماری زبان علی گڑھ ،
۷ ، ۱۵ اور ۲۲ فروری ۱۹۶۵ء) - میں نے مدلل طور پر یہ ثابت کرنے کی
کوشش کی ہے کہ اردو کی آوازوں کا تجزیہ اس کے فطری رجحان کو سامنے
رکھ کر کرنا چاہیے - غشائی نون کو الگ سے فونیم ماننے کا مطلب یہ ہے
کہ ہم ایک ایسی اپاہج آواز کو صوتیے کا درجہ دے رہے ہیں جس کا اپنا
کوئی آزادانہ وجود ہے ہی نہیں کیونکہ اردو میں یہ آواز ک یا گ کے
سہارے کے بغیر بولی ہی نہیں جاتی - اردو کا فطری رجحان یہ ہے کہ ک
گ سے پہلے غشائی نون ہی آتا ہے ، لثوی نون صرف وہاں بولا جاتا ہے
جہاں دونوں کے درمیان تاریخی یا غیر تاریخی لفظیے (Morpheme) کی حد
ہو (۱۱) - اردو الفاظ منکا ، تنکا ، بُنکر ، گنگنانا وغیرہ سب اسی قبیل کے
ہیں - اپنے اس نظریے کو میں نے مندرجہٗ ذیل -Transformational Re
write Rule یعنی دوبارہ لکھے جانے والے تشکیلی اصول کے ذریعے پیش
کیا ہے :

$$— n \begin{Bmatrix} k \\ g \end{Bmatrix} — \longrightarrow — n \,|\,|\, \begin{Bmatrix} k \\ g \end{Bmatrix} —$$

اس کی رو سے نون کی پانچوں شکلیں یعنی دنتی ، معکوسی ، تالوئی ،
غشائی اور لثوی ایک ہی بنیادی آواز (فونیم) /ن/ کی ذیلی آوازیں (الوفون)
قرار پاتی ہیں اور ن اور نٚ کا الگ الگ جھگڑا سرے سے ختم ہو جاتا ہے -

حال ہی میں اس مسئلے کا ایک اور حل بھی مجھے سوجھا ہے - اس
سے نہ صرف ن اور نٚ کی تفریق ختم ہو جاتی ہے بلکہ غنائیت کا وہ مسئلہ
بھی طے ہو جاتا ہے جسے ڈاکٹر گیان چند نے اپنے مضمون کی شق (۵)
میں اٹھایا ہے - ابھی میں اس حل کے تمام امکانات پر پوری طرح غور نہیں
کر سکا - اسے رسمی طور پر منضبط کرنے میں ایک آدھ رخنہ بھی ہے -
پھر بھی اسے سرسری طور پر یہاں پیش کرتا ہوں ، ممکن ہے مزید تبادلۂ
خیال سے کسی واضح نتیجے پر پہنچا جا سکے -

میں نے اپنے "ہماری زبان" والے مذکورۂ بالا مضمون میں ہم مخرج نون کی جتنی بھی مثالیں درج کی ہیں (تند ، بند ، انڈا ، غنڈا ، رنج ، کنج ، رنگ ، سنگ وغیرہ) ، سب میں نون سے پہلے خفیف مصوتہ آتا ہے - مجھے اردو زبان میں کوئی ایسا لفظ ابھی تک نہیں ملا جس میں ہم مخرج نون طویل مصوتے کے بعد آتا ہو ، جب کہ خالص غنائیت اکثر و بیشتر طویل مصوتے کے بعد ہی آتی ہے ، مثلاً آنت ، اینٹ ، باندھ ، گوندھ ، جاؤں ، آئیں ، ہیں وغیرہ -

اتنی بات طے ہے کہ نون غنہ اردو میں الگ الگ فونیم ہیں (ملاحظہ ہوں اقلی جوڑے تانتا (تاننا سے) اور تانتا (تانتا بندھا ہوا ہے - اسم) : باہنس (پرندے کے معنی میں) اور ہنس (ہنسنا سے) - معلوم ہوتا ہے کہ خالص غنائیت اور ہم مخرج نون میں باہمی سمجھوتہ ہے کہ خالص غنائیت کہیں بھی واقع ہو سکتی ہے لیکن جب یہ خفیف مصوتوں کے ساتھ آئے تو ہم مخرج نون کا روپ اختیار کر لے گی - گویا فونیم صرف دو ہوئیں ، جن کی درجہ بندی مندرجہ ذیل طریقے پر کی جائے گی - سہولت اور اختصار کے لیے فی الحال اسے انگریزی میں درج کرتا ہوں :

1. / ̜ /

(i) homorganic / n / in the env.—Vs Cst—(where Vs—short vowel ; and Cst—Stop Consonant minus/q/)

(ii) nasalized vowel otherwies

2. /n/

اس پر دو اعتراض وارد ہو سکتے ہیں : پہلے کے سلسلے میں ملاحظہ ہو اقلی جوڑا :

رنگا (امر - کپڑے رنگا)

رنگا (ماضی) - کپڑا رنگا گیا تھا)

ڈاکٹر گیان چند کا بیان ہے کہ ان الفاظ میں ایک جگہ مصمتہ نون ہے اور دوسری جگہ غنائیت - میرا خیال ہے کہ ان الفاظ میں ہر دو جگہ

ہم مخرج نون ہی ہے۔ فرق دراصل بل (Stress) اور لہجے کی لہر (-Intona tion Contour) کا ہے ، غنائیت کا نہیں۔ یہاں ڈاکٹر گیان چند کا مضمون "اردو میں بل" (مطبوعہ اردو ادب علی گڑھ) معرض بحث میں آ جاتا ہے۔ ان کا بیان ہے کہ اردو میں بل (Stress) معنی کی تفریق میں مدد نہیں دیتا۔ یہ بات بالکل صحیح نہیں مانی جا سکتی۔ میرا خیال ہے کہ اردو میں بل نہایت خفیف قسم کی ثانوی اہمیت ضرور رکھتا ہے ، گو Partially Phonemic ہے۔ مثال کے طور پر ملاحظہ ہو اقلی جوڑا ، آٹھا (وہ آٹھا) اور آٹھا (سامان اٹھا)۔ ان الفاظ کے معنی میں جو فرق ہے ، وہ بل ہی سے ظاہر ہوتا ہے۔ رنگا/رنگا اور منڈی/منڈی کا فرق بھی اسی نوعیت کا ہے۔ اس مسئلے پر مزید بحث زبان میں بل کی تقسیم کی روشنی میں کی جا سکتی ہے۔

دوسرے اعتراض کے سلسلے میں مندرجہ ذیل الفاظ ملاحظہ ہوں :

(۱) پھنکوانا /ĩ/

(۲) پھُنکوانا /ũ/ نیز پھُنکنا ، پھُنکنی

(۳) چھٹنا (ہوا) /õ/

(۴) پہنچ /ũ/

(۵) سِنچائی /ĩ/

ان سب میں بظاہر غنائیت خفیف مصوتے کے ساتھ واقع ہوتی ہے جو مندرجہ بالا اصول کی رو سے مخرج نون کا ماحول ہے۔ یہ بات غور طلب ہے کہ عام تیز رفتار بول چال میں مثال نمبر (۱) (۲) (۳) اور (۵) سے غنائیت زائل ہو جاتی ہے؟ (اردو میں بعض جگہ ان الفاظ کا املا بغیر نون غنہ کے بھی مل جاتا ہے) یعنی کیا اس صوتی سیاق میں غنائیت اور غیر غنائیت میں Free Variation کا رشتہ ہے؟ نیز یہ بھی غور طلب ہے کہ جب ان الفاظ کو غنائیت کے ساتھ بولا جاتا ہے تو کیا خفیف مصوتے کی آواز اس حد تک کھچ جاتی ہے کہ اس کا وقفہ (Duration) تین چار سینٹی سیکنڈ سے بڑھ کر سات آٹھ سینٹی سیکنڈ ہو جاتا ہے جو طویل مصوتے کی

صفت ہے۔ (یہ غنائیت اردو کے ان افعال لازم میں بالخصوص ملتی ہے جن کی متعدی صورتوں میں طویل مصوتے کی غنائیت ہے مثلاً پھونکنا سے پھنکنا یا ڈھانپنا سے ڈھنپنا)۔

مثال نمبر (۴) کا معاملہ مختلف ہے۔ وہاں خفیف غنائی مصوتے سے پہلے /ا/ کی آواز ایک ہی صوتی رکن میں موجود ہے جس کی بدولت خفیف مصوتہ طویل مصوتے سے ٹکرانے لگا ہے۔ بہرحال اس مسئلے پر ابھی مزید غور کی ضرورت ہے:

صلائے عام ہے یاران نکتہ داں کے لیے

(اردو نامہ کراچی شمارہ ۲۵)

ڈاکٹر گیان چند

اردو کی آوازیں

اردو نامے کے شمارہ ۴۱، بابت اکتوبر تا دسمبر ۱۹۶۳ء میں محبی ڈاکٹر گوپی چند نارنگ کا مضمون "اردو کی بنیادی اور ذیلی آوازیں" نظر فروز ہوا۔ اسی موضوع پر میرا ایک مضمون 'اردو کی آوازیں' رسالہ اردو ادب علی گڑھ، شمارہ ۴، بابت ۱۹۶۱ء میں شائع ہو چکا ہے۔ واضح ہو کہ اردو ادب کا یہ شمارہ اوائل جنوری میں آیا تھا۔ ڈاکٹر نارنگ نے اردو آوازوں کے تجزیے میں اکثر و بیشتر میری تائید کی ہے لیکن بعض مقامات پر میرے تجزیے سے اختلاف بھی کیا ہے۔ ان اختلافی نکات پر ان کے اور میرے بیچ بالمشافہ تبادلۂ خیالات بھی ہو چکا ہے۔ میں سمجھتا تھا کہ وہ میرے ہم خیال ہو گئے، لیکن ان کے مضمون سے معلوم ہوا کہ وہ ابھی قائل نہیں ہوئے۔ لہذا حق جواب کے طور پر میں اپنے اختلافی نظریات کی تفصیل اہل نظر کے سامنے پیش کر دینا چاہتا ہوں۔ ان سطور میں غیر اہم اختلافات کو نظر انداز کر دیا جائے گا۔

(۱) ڈاکٹر نارنگ کو اختلاف ہے کہ پھ۔ بھ وغیرہ منفوس (ہکاری یا ہائیہ) آوازوں کو مرکب نہ قرار دیا جائے کیونکہ یہ اعضائے صوت کی ایک ہی جنبش سے ادا ہوتی ہیں۔

ہم اس اعتراض کو یقینا تسلیم کر لیتے لیکن ڈاکٹر نارنگ نے بجا طور پر ان آوازوں کی مشترک تنفیس (Aspiration) کو صوتیہ /ہ/ کی ایک ذیلی صوت [ہائے مخلوط کامل] قرار دیا ہے۔ اب جب کہ بھ دو صوتیوں /ب/ اور /ہ/ کا مجموعہ ہے تو اسے مرکب آواز کیوں نہ کہا جائے، مفرد کیوں کہیں؟ اگر ڈاکٹر نارنگ پھ۔ بھ۔ وغیرہ کو الگ الگ صوتیہ مانتے تو انہیں ان آوازوں کو مفرد کہنے کا حق تھا۔

(۲) ڈاکٹر نارنگ اور میرے درمیان سب سے اہم اختلاف وصلی ن (Homorganic n) کا ہے۔ /م/ کے علاوہ ہم نے دو غنائی مصمتوں /ن/ اور /نؔ/ (یعنی ہیں) کو صوتیوں کا مرتبہ دیا تھا۔ فصلی ن اور وصلی ن کو /ن/ کی ذیلی آواز قرار دیا جاتا تھا۔ ڈاکٹر نارنگ نے فصلی ن اور وصلی ن کو علاحدہ علاحدہ صوتیہ مانا ہے (ہیں) کو /وصلی ن/ کی ایک ذیلی صورت قرار دیا ہے۔ ان کے اس فیصلے کو ذرا تفصیل سے دیکھنے کی ضرورت ہے۔

جہاں تک صوتیوں کی تعداد کا تعلق ہے، نارنگ صاحب اور میں دونوں ن اور نؔ کی تمام آوازوں کو دو ہی صوتیوں میں اسیر کر پاتے ہیں۔ اب اختلاف صرف یہ رہ جاتا ہے کہ ن کو وصلی ن کی ایک ذیلی صوت سمجھا جائے کہ علاحدہ صوتیہ۔

[ن] کے نقطۂ تلفظ میں نوک زبان اوپری مسوڑے کو چھوتی ہے۔ اوپری مسوڑا [ن] کا بنیادی نقطۂ تلفظ ہے لیکن بعض متعاقب مصمتوں کی ہمدردی میں یہ نقطۂ تلفظ تھوڑا بہت آگے پیچھے سرک سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ نقل مکان بنیادی نقطے کے آس پاس ہی رہنا چاہیے، زیادہ دور نہیں۔ ورنہ اندیشہ ہے کہ کوئی بالکل مختلف آواز ادا نہ ہو جائے۔ میری رائے میں یہ انتقال بنیادی نقطے سے ایک درجہ نیچے یعنی اوپری دانت یا ایک درجہ اوپر یعنی نرم تالو تک جائز ہے۔ [ن] کے تلفظ میں [Articulator] تلفظ کا (آلہ) زبان کا پچھلا حصہ اور نقطۂ تلفظ غشا یعنی نرم تالو۔ (الف) نوک زبان اور اوپری مسوڑے اور (ب) زبان کے پچھلے حصے اور نرم تالو میں بعد مشرقین ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ نؔ کسی طرح ن ہے ہی نہیں۔ اردو ہندی کے رسم الخط سے گمراہ نہ ہوئیے۔

میرے دوست نارنگ صاحب نے فصلی اور وصلی ن کو علاحدہ صوتیے قرار دے کر ان بے چاری آوازوں پر کتنا ستم کیا ہے، اس کا انھیں اندازہ نہیں۔ بن اور بنتا کی ن میرے نزدیک ایک خاندان سے ہیں لیکن نارنگ صاحب کے خیال کے مطابق ان دونوں میں کوئی مماثلت کوئی ربط و رشتہ ہی نہیں۔ یہ زبان کے سانچے کو مجروح کرنا ہے۔

بن کی ن نوک زبان اور اوپری مسوڑے سے ادا ہوتی ہے - بنتا کی ن نوک زبان اور اوپری دانتوں سے ادا ہوتی ہے - دنگا کا غنائی مصمتہ زبان کے پچھلے حصے اور نرم تالو (تالو کا پچھلا حصہ) کے میل کا نتیجہ ہے - نارنگ صاحب جن دو آوازوں (بنتا اور دنگا کے غنائیے) کو ایک کنبے میں رکھتے ہیں - ان کے [Articulator] اور مقام تلفظ دو انتہاؤں پر واقع ہیں لیکن اس کے برعکس وہ بن اور بنتا کے ن کو جن کا تلفظ کار آلہ مشترک ہے اور مقام تلفظ میں محض ایک درجے کا فرق ہے علاحدہ قرار دیتے ہیں - ظاہر ہے کہ صوتی مماثلت کا تقاضا یہی ہے کہ بن اور بنتا کے ن کو ایک گروہ میں رکھا جائے اور دور افتادہ دنگا کے غنائیے کو دوسرے گروہ میں -

اپنے انگریزی رسالے میں ڈاکٹر مسعود حسن خاں نے بھی فصلی اور وصلی ن کو مختلف آوازیں قرار دیا تھا اور نٓ کو وصلی ن کی ایک قسم، لیکن چونکہ انھوں نے اس مقام پر صریحاً صوتیوں اور ذیلی اصوات کی بحث نہیں کی، اس لیے ہمیں ان سے تعرض نہیں - نارنگ صاحب وصلی ن کو تو /ن/ کی آغوش سے چھین رہے ہیں اور نٓ کو وصلی ن کے ساتھ نتھی کر رہے ہیں لیکن عنبر اور گمبھیر کے وصلی م کو /م/ ہی کے بازو میں رہنے دیتے ہیں - ڈاکٹر مسعود حسین کے یہاں اتنی تو منطقیت تھی کہ اگر نٓ کو وصلی ن کی شاخ قرار دیا تھا تو وصلی م کو بھی وصلی ن کے ساتھ وابستہ رکھا تھا - ڈاکٹر نارنگ کی طبیعت وصلی م کو /ن/ کے ساتھ وابستہ کرنے پر آمادہ نہ ہوئی لیکن اردو رسم الخط کے بھلاوے میں وہ نٓ کے ساتھ انصاف نہ کر سکے - میری رائے میں نٓ، ن سے اسی قدر متفاوت ہے جس قدر گمبھیر کا [م] -

اب میری تائید میں چند اسناد ملاحظہ ہوں - مندرجۂ بالا تمام آوازیں انگریزی میں بھی ہیں :

وصلی م - jumbo, jump

وصلی ن - hence, inch, hand, hunt

نٓ - ring, ink

ک گ سے پہلے فصلی ن - ingredient, inculcate, incorrect

لیکن انگریزی کے مشہور ماہرین صوتیات ڈینیل جونس[1] اور گلیسن[2] /نْ/ کو صریحاً /ن/ سے مختلف صوتیہ قرار دیتے ہیں اور وصلی ن اور فصلی ن کے اختلاف کو درخور اعتنا بھی نہیں سمجھتے - یہی حال ہندی کے علما کا ہے - ڈاکٹر اودے نراین تواری[3] /نْ/ کو ہندی کا صوتیہ مانتے ہیں - وصلی ن یعنی انوسوار کو صوتیے کا مقام نہیں دیتے -

اردو ادب میں شائع شدہ مضمون میں میں نے ہم مخرج (وصلی) ن اور منفصل یا مکمل اعلان کے ن میں امتیاز کیا ہے لیکن اس میں بعض تسامح ہو گئے ہیں - ڈاکٹر اشوک کیلکر ریڈر تجزیاتی لسانیات دکن کالج پونا نے مجھے بتایا تھا کہ :

۱ - ہم مخرج ن (Homorganic n) صرف بعض اسپھوٹ مصمتوں کے قبل آتی ہے -

۲ - یہ فصلی ن سے مختلف آواز نہیں ہے -

میں نے اپنے مضمون میں ان کے پہلے اصول کی خلاف ورزی کی یعنی س - ش - ز سے پہلے آنے والے ن کو بھی ہم مخرج قرار دیا جس کی وجہ سے میں اغلاط کے پیچاک میں پھنس گیا - ڈاکٹر نارنگ بھی انہیں غلط فہمیوں میں مبتلا ہیں - مناسب یہ ہے کہ ن کی ذیلی اصوات کا پتا لگایا جائے -

ہم مخرج ن ، اس 'ن' کو کہتے ہیں جو اپنے متعاقب اسپھوٹوں کے نقطۂ تلفظ سے ادا ہو - نوک زبان 'ن' اور اس کے بعد والے اسپھوٹ مصمتے دونوں کو ایک مقام سے ادا کر کے ہی ہٹتی ہے - نوک زبان کی بازی گاہ محدود ہے یعنی دانتوں سے لے کر تالو تک - اس طرح اردو میں صرف :

---

1. English Phonetics, ed. 1956 P. 170
2. An Introduction to Descriptive Linguistics, ed. 1961 P. 50

۳ - بھاشا شاستر کی روپ ریکھا (ہندی میں) از ڈاکٹر اودے نراین مطبوعہ جولائی ۱۹۶۳ء صفحہ ۱۱۵

ت - تھ - د - دھ - ٹ - ٹھ - ڈ - ڈھ - چ - چھ - ج - جھ

کے پہلے آنے والا 'ن' ہم مخرج ہوتا ہے - بقیہ تمام مصمتوں سے قبل آنے والے 'ن' کو ہم فصلی ن کہہ سکتے ہیں - لیکن مصوتوں سے قبل آنے والے 'ن' یا لفظ کے آخر میں آنے والے 'ن' پر 'فصلی' (Non-homorganic) کا اطلاق بے معنی ہے - وصل یا فصل بعد میں آنے والے مصمتے ہی کے ساتھ ہو سکتا ہے ، جب اس کا وجود ہی نہیں تو فصل کس سے - 'ن' کی ذیلی اصوات محض اس بنا پر طے کرنی ہوں گی کہ ان کا نقطۂ تلفظ کیا ہے ، وصل و فصل کی بنا پر نہیں - ایک انگریزی مثال لیجیے shun اور shunt میرے سابق اور نارنگ صاحب کے موجودہ تجزیے کے مطابق shun کا [n] فصلی اور shunt کا [n] ہم مخرج - لیکن یہ دیکھتے ہوئے کہ یہ دونوں سو فی صدی لثوی (اوپری مسوڑے سے متعلق) مصمتے ہیں ، ہم انھیں کس طرح مختلف ذیلی اصوات قرار دے سکتے ہیں - اردو میں بن اور بنس (ایک چڑیا) ایسی مثالیں ہیں - واضح ہو کہ ہم 'ہم' اور 'پمپ' کے 'م' کو وصلی اور فصلی میں تقسیم نہیں کرتے - میں نے صوتیوں اور ذیلی اصوات سے متعلق کسی انگریزی یا ہندی تحریر میں وصلی اور فصلی ن کی تقسیم نہیں دیکھی - اس کے برعکس نّی (ŋ) کو ہمیشہ ایک آزاد صوتیہ دکھایا جاتا ہے - سلجھا ہوا منطقی طریق کار یہ ہے کہ ہم محض نقطۂ تلفظ[1] کی بنا پر 'ن' کی مختلف اقسام قائم کریں جو یوں ہوں گی :

۱ - [دنتی ن] - ت - تھ - د - دھ سے پہلے

۲ - [معکوسی ن] - ٹ - ٹھ - ڈ - ڈھ سے پہلے

۳ - [عقب لثوی ن] ش سے پہلے

۴ - [تالوئی ن] چ - چھ - ج - جھ سے پہلے

۵ - [لثوی ن] بقیہ سب موقعوں پر یعنی

(الف) بقیہ سب مصمتوں سے قبل مثلاً منفی - تنکا - کنبہ - انسان - منشی - منہا

---

۱ - میرے لسانی مضامین کا مجموعہ 'لسانی مطالعے' زیر طبع ہے - وہاں میں نے اسی بنا پر تقسیم کی ہے -

(ب) مصمتوں سے قبل مثلاً نور - بنا

(ج) لفظ کے آخر میں مثلاً گردن

یہ سب قسمیں آپس میں تکملی بٹوارے میں ہیں - ہم اس تقسیم کو آگے بڑھا کر ڈنکا کی ن کو [غشائی ن] نہیں کہہ سکتے کیونکہ وہ تِنکا کی [لثوی ن] کے تضاد میں ہے -

(۳) ژ - ڈاکٹر نارنگ ژ سے خفا ہیں - وہ اسے صوتیے کا رتبہ نہیں دینا چاہتے - میں نے ظرف اور ژرف کا ایک اقلی جوڑا پیش کیا تھا نارنگ صاحب لکھتے ہیں :

ایک تو یہ صحیح معنوں میں اقلی جوڑے نہیں ، دوسرے اس قسم کے الفاظ بھی اردو میں بہت کم استعمال ہوتے ہیں -

عرض ہے کہ ظرف اور ژرف ہر معنی میں مکمل اقلی جوڑا ہے - رہی کمی استعمال کی بات تو وہ کوئی اہمیت نہیں رکھتی - اگر فرہنگ زبان میں ایک اقلی جوڑا بھی مل جائے تو وہی صوتیے کے ثبوت کے لیے کافی ہے - ہم اس سے چشم پوشی نہیں کر سکتے - ذیلی آوازوں کے لیے ڈینیل جونس[1] لکھتے ہیں :

No one member ever occurs in a word in the same phonetic context as any other.

اگر ژ اور ز کو ہم صوت قرار دیا جائے تو دونوں کے وقوع کا جداگانہ ماحول کیوں کر طے ہوگا ، ظرف (ظ=ز) اور ژرف میں دونوں کا ماحول یکساں ہے - ایک اور مکمل اقلی جوڑا "زیاں" اور "ژیاں" ہے -

(۴) تین خفیف مصوتے - اگر زیادہ موشگافی میں نہ جا کر اردو میں محض ۱۳ مصوتے فرض کیے جائیں تو دس مشہور مصوتوں کے علاوہ ذیل کے تین مصوتے اور ملتے ہیں جنھیں میں نے اولاً خفیف آے (کہنا میں) ، خفیف اِے (سہرا میں) اور خفیف آو (تحفہ میں) کہا تھا - لیکن چونکہ طویل اے اور طویل آو کو اردو میں یائے مجہول اور واؤ مجہول کہا جاتا ہے اس لیے ان کی مناسبت پر خفیف اے کو زیرِ مجہول اور خفیف آو کو

1. The Phoneme, its nature and use, 1949 P. 10

پیش مجہول کہنا بجا ہوگا - ان کے مقابلے میں کِس کے زیر کو زیرِ معروف اور کُل کے پیش کو پیشِ معروف کہیں گے - انھیں کی مماثلت پر خفیف اے کو زیرِ مجہول کہہ سکتے ہیں - اب ڈاکٹر نارنگ کے تین بیانات (ص ۱۸) ملاحظہ ہوں :

(الف) یہ تینوں مصوتے چونکہ بالترتیب زبر ، زیر اور پیش خفیف شکلیں ہیں -

(ب) اور ان کے جلی لہجے میں آزادانہ تغیر کا رشتہ ہے -

(ج) اس لیے انھیں فونیم کا درجہ حاصل نہیں بلکہ خفیف زیر کو زیر کی ، خفیف زبر کو زبر کی اور خفیف پیش کو پیش کی ذیلی صوت تسلیم کیا جاتا ہے -

پہلے لیجیے (الف) کو - ذیل کی مثالیں ملاحظہ ہوں :

مجہول	معروف
اہل	اصل
احترام	انتظام
عہدہ	عمدہ

مجہول شکلیں کسی طرح معروف مصوتوں سے خفیف نہیں - اگر ان سے زیادہ طویل نہ ہو تو کم از کم برابر ضرور ہیں - انھیں زبر ، زیر ، پیش کی خفیف شکلیں نہیں قرار دیا جا سکتا -

(ب) - جہاں تک زیر کا تعلق ہے ، مجہول زیر کو بعض خطّوں میں معروف کے طور پر بولا جاتا ہے یعنی ان دونوں میں آزادانہ تغیر کا رشتہ ہے لیکن زیر اور پیش کی دونوں قسموں میں آزادانہ تغیر نہیں - احترام ، محنت ، عہدہ ، کرام کو کوئی بھی زیر معروف اور پیش معروف سے نہیں بولتا -

(ج) - اب لیجیے ان کی صوتیاتی حیثیت - اول یہ عرض کروں کہ ڈاکٹر نارنگ نے زیر مجہول کی جو تین آوازیں درج کی ہیں ، ان میں سے (ب) اور (ج) سے میں واقف نہیں - میں نے کسی کو بحث اور محل وغیرہ میں ح کے بعد زیرِ مجہول بولتے نہیں سنا - نہ ہی بحث ، زہر ، لہر کی ہ

متحرک ہے - کاش نارنگ صاحب واضح کر دیتے کہ انھوں نے کس علاقے کے باشندوں کے تلفظ کو پیش نظر رکھا ہے - میں اپنے مضامین میں کھڑی بولی کے علاقے یعنی مغربی یو-پی کی معیاری اردو کا تجزیہ کیا کرتا ہوں -

مجھے تسلیم ہے کہ زبرِ مجہول اور زبرِ معروف ایک دوسرے کے ہم صوت ہیں لیکن جہاں تک زیرِ مجہول اور پیش مجہول کا تعلق ہے یہ نامراد آوازیں اپنی صوتیائی حیثیت سنوانے پر تلی ہیں - پہلے زیرِ مجہول کو لیجیے - ذیل کے الفاظ ملاحظہ ہوں :

ِدہ (بہ معنی دس) - دیہہ (بہ معنی گاؤں) دردِ سر (ع خداوندا خدائی دردِ سر ہے) - ِپسر ، سانحہ ، رِہا - آئے (ع آئے ہے بے کسی عشق پہ رونا غالب) - آئی (ع دیکھوں ترے ہونٹوں پہ ہنسی آئی ہوئی سی) - آئے اور آئی کے اقلی جوڑوں اور دردِ سر اور ِپسر کے مماثل جوڑوں نیز سانحہ اور ِرہا سے ثابت ہے کہ زیرِ مجہول اور زبرِ معروف ایک ماحول میں آ سکتے ہیں - واضح ہو کہ دردِ سر میں درد کے آخر میں کسی قسم کا توقف نہیں ہوتا - اگر آپ یہ کہیں کہ دردِ سر کو ہم طویل ِاے سے دردے سر بھی بولتے ہیں اس لیے زیرِ مجہول کو طویل ِاے کا ہم صوت قرار دے سکتے ہیں تو ِدہ اور دیہہ کا اقلی جوڑا مانع آتا ہے - خلاصہ یہ ہے کہ زیرِ مجہول زیرِ معروف سے جدا صوتیہ قرار پائے گا -

پیشِ معروف کو لیجیے - وہاں بھی یہی عالم ہے - ذیل کی مثالوں پر نظر کیجیے :

آب و گل (ع : ہر جو معشوق آب و گل میں ہے) - بُکا

تاو (پیشِ مجہول کے ساتھ) - تاو (پیشِ معروف سے بہ معنی باپ کا بڑا بھائی) -

ان مماثل اور اقلی جوڑوں سے ثابت ہے کہ پیش کی یہ دونوں شکلیں صوتیہ کہلانے پر مصر ہیں - اس تجزیے سے زبرِ مجہول کے علاوہ اردو کے بارہ مصوتے صوتیے کا رتبہ پاتے ہیں - اگر میرا طریقہ بروئے کار لایا جائے یعنی /طول/ کو ایک علاحدہ صوتیہ قرار دے دیں تو بغیر کسی الجھن کے اردو میں محض سات مصوتے صوتیے کا درجہ لیں گے - کفایت کا یہ طریقہ

نیا نہیں ہے ۔ انگریزی میں بھی طویل مصوتوں کی صوتیاتی حیثیت سے انکار کی مثالیں ملتی ہیں ۔

۵ - مصوتی غنائیت ۔ اس کی تفصیل میں نے اردو ادب کے مضمون میں پیش کی ہے ۔ بعد میں اس پر نظر ثانی کرنی پڑی ۔ ترمیم شدہ تجزیہ زیر طبع مجموعے 'لسانی مطالعے' میں درج ہے ۔ ڈاکٹر نارنگ کا بیان میرے سابق تجزیے پر مبنی ہے ۔ گلیسن[1] کے مندرجہ ذیل مشاہدے نے میرے تجزیے کی خامی افشا کی :

"Perhaps more common are prenasalised stops. In these the oral closure slightly precedes the velic closure. The result impresses Americans often as a stop preceded by-a short homorganic nasal [^{m}b] [^{n}t], etc."

مثال کے طور پر دو لفظ لیجیے ۔ طنبورہ ، بندھا ۔ یہاں ب اور د سے پہلے ہی خفیف سا غنائی مصمتہ شامل ہو جاتا ہے ۔ غنائی مصمتے کے شمول کے معنی یہ ہیں کہ منھ سے ہوا کا اخراج بند ہو گیا لیکن ناک کے راستے تنفس باہر نکلتا رہا ۔ مصوتہ اس آواز کو کہتے ہیں جس کے ادا میں منھ سے بے روک ٹوک سانس باہر نکلتا رہے ۔ جب منھ کا راستہ بند ہو گیا تو مصوتہ اور مصوتی غنائیت کہاں رہی ۔ یہ تو خالص غنائی مصمتہ ہو گیا جو اپنی نوعیت میں (الف) خفیف ہے اور (ب) مابعد اسپھوٹ کے ساتھ ہم مخرج ہے ۔ اس خفیف ہم مخرج غنائیے (Short homorganic nasal) کی مختلف قسمیں مصوتی غنائیت کے ساتھ اس طرح ہم صوت ہیں :

۱ - | خفیف ہم مخرج م | - ب ، بھ سے پہلے ۔ طنبورہ ، سانبھر ۔

۲ - | خفیف ہم مخرج دنتی ن | - د ، دھ سے پہلے ۔ سندیسا ، باندھا ۔

۳ - | خفیف ہم مخرج معکوسی ن | - ڈ ۔ ڈھ سے پہلے ۔ سنڈیر ، مینڈھا ۔

۴ - | خفیف ہم مخرج تالوی ن | - ج ۔ جھ سے پہلے ۔ منجیرا ، مانجھا ۔

1. An Introduction to Descriptive Linguistics, ed 1961 P. 249

۵ - [خفیف ہم مخرج نْ] - گ - گھ سے پہلے - منگانا ، سونگھا -

٦ - [مصوتی غنائیت] - بقیہ سب موقعوں پر ان تمام اصوات کو ہم ایک صوتیہ /غنائیت/ کے تحت رکھیں گے - اس طرح یہ واضح ہو گیا کہ جسے مخلوط مصوتی غنائیت کہا گیا تھا وہ دراصل غنائی مصوتہ نہیں ، غنائی مصمتہ ہے -

ڈاکٹر نارنگ کی دی ہوئی مثالوں میں چاند ، گوندھ ، گونڈ ، گونج ، سانجھ ، ٹانگ ، سونگھ میں خفیف ہم مخرج غنائیہ نہیں ، پورا غنائیہ ہے - اگر ان میں خفیف غنائیہ (سابق اصطلاح میں مخلوط مصوتی غنائیت مان لیں تو پھر غیر مصیتی مصمتوں سے قبل مثلاً امر کانت - فلسفی کانٹ - مانس (گوشت کے معنی میں ہندی لفظ) میں بھی اس کا وجود ہو جاتا ہے یعنی ہماری تقسیم کی بنا ہی درہم برہم ہو جاتی ہے -

(٦) و - نیم مصوتوں کے لیے نارنگ صاحب لکھتے ہیں :

"آخری حالت میں نیم مصوتے کی حیثیت سے ان کا (یعنی و - ی) کا تلفظ اردو زبان کے صوتی مزاج کے خلاف ہے" -

ی کی حد تک یہ صحیح ہے ، و کے لیے محلِ نظر ہے - ملاحظہ ہوں اردو الفاظ لغو ، حشو ، ہجو وغیرہ - نارنگ صاحب نے /و/ کی تین ذیلی اصوات لکھی ہیں - [لب دنتی و] ، [دولبی و] اور [لب دنتی خفیف و] - میری رائے میں آخری آواز کا وجود نہیں - لکھتے ہیں - 'یہ دو مصوتوں کے درمیان آتی ہے مثلاً خواب - خواہ - سوانگ - عرض ہے کہ خواب اور خواہ میں و محض اردو رسم الخط کی حد تک ہے ، تلفظ میں اس کا وجود نہیں - تلفظ خاب اور خاہ ہے - سوانگ میں و سے پہلے کوئی مصوتہ نہیں 'س' ہے - ڈاکٹر بابو رام سکسینہ' اسے [دولبی و] قرار دیتے ہیں لیکن میرا تلفظ اسے معمولی [لب دنتی و] ہی ٹھہراتا ہے - اب میں /و/ کی دونوں قسموں کا بٹوارا یوں کروں گا :

---

۱ - سامانیہ بھاشا وگیان (ہندی میں) طبع ششم ص ۹۵ -

۱ - [دولبی و] لفظ کے درمیان محض پیش معروف کے بعد آتی ہے -
مثلاً جوا - کنوئیں -

۲ - [لب دنتی و] بقیہ سب موقعوں پر مثلاً وعدہ ، دوا ، ہجو -

جس طرح ایک چراغ سے دوسرا چراغ جلتا ہے اسی طرح ایک غلطی دوسری غلطی کا موجب بن سکتی ہے - میری سابقہ تحریروں کے بعض اغلاط نے ڈاکٹر نارنگ کو بھٹکا دیا - اسی وجہ سے میں نے ضروری سمجھا کہ ان اغلاط کی صراحت کر کے معاملہ صاف کر دوں تا کہ قارئین کے سامنے ایک صحیح تصویر آ سکے - ڈاکٹر نارنگ امریکہ میں اپنے فرائض منصبی کے علاوہ لسانیات کا مطالعہ بھی کریں گے - مجھے امید ہے کہ وہ اردو لسانیات میں ان منازل کو قطع کر سکیں گے جو ہم میں سے اکثر کے لیے ممکن نہیں -

(اردو نامہ کراچی شمارہ ۱۶)

شاھدہ تسنیم صدیقی

اردو کی آوازیں

عنوان بالا کے تحت ڈاکٹر گوپی چند نارنگ کا ایک جوابی مضمون "اردو نامہ" کے چھبیسویں شمارے میں شائع ہوا ہے۔ مضمون نگار، ڈاکٹر شوکت سبزواری کے مضمون کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں :

"علم زبان (Philology) میں زبان کی بنیادی اکائی حرف (Letter) کو مانا گیا ہے۔" (ص ۴۶)۔

یہ درست نہیں۔ "فلالوجی" جدید ماہر لسانیات دی ساسور کے الفاظ میں (Course in General Linguistics P. 1.) مطالعہ لسان کا قدیم نام ہے جو اول اول ۱۷۷۷ء میں اگسٹ وولف (August Wolf) کی سائنٹیفک لسانی تحریک کے لیے استعمال ہوا اور آخر آخر عام لسانیات کے لیے بولا جانے لگا۔ وولف کی لسانی تحریک جدید لسانیات کے مقابلے میں کسی قدر وسیع تر تحریک تھی۔ اس کے ذریعے سے ادبی تصانیف کی تصحیح و تنقیح کا کام بھی لیا جاتا رہا ہے۔ حرف، لسانیات کے کسی دور میں بھی زبان کی بنیادی اکائی نہیں سمجھا گیا، نہ یہ زبان کی کوئی روائت ہے اور نہ سبزواری صاحب نے اس کو زبان کی روائت قرار دیا۔ زبان کی روائت اس کا مزاج ہے۔ ادبی روائت سے انحراف ممکن ہے، لیکن لسانی روائت یعنی زبان کے مزاج سے روگردانی نہیں کی جا سکتی۔ اردو، ہندی کے برعکس عربی سے غذا حاصل کرتی رہی ہے۔ اس کا اصطلاحی، علمی اور تہذیبی سرمایہ تمام تر عربی سے لیا گیا ہے۔ ہندی کے خلاف اردو، عربی حروف میں لکھی جاتی ہے۔ یہ اردو کا مزاج ہے جسے سبزواری صاحب روائت قرار دے کر فرماتے ہیں کہ اس سے انحراف کیا گیا تو اردو، اردو نہ ہوگی، ہندی ہوگی۔

ڈاکٹر نارنگ نے حرف و آواز کے فرق پر کچھ اس طرح زور دیا ہے گویا وہ دور کی کوڑی لائے ہیں، حالانکہ حرف و آواز کا فرق ایک عامیانہ

سی بات ہے ۔ ایک عامی بھی یہ جانتا ہے کہ "ا" مثلاً آواز نہیں آواز کی علامت ہے ۔ صوتیاتی بحثوں میں جو علامتیں (حروف) لکھی جاتی ہیں ان سے ان کی شکلیں مراد نہیں ہوتیں ، آوازیں مراد ہوتی ہیں جن پر یہ شکلیں دلالت کرتی ہیں ۔

ڈاکٹر نارنگ فرماتے ہیں :

"ہ" اور "ح" دو حرف ہیں ، دو آوازیں نہیں (ص ۲۷) ۔ اس سے شبہ ہوتا ہے کہ وہ شاید خود حرف و آواز میں فرق نہیں کرتے ۔ "ہ" اور "ح" وغیرہ علامات جن آوازوں پر دلالت کرتی ہیں ، انھیں حرف ٹھہرانا کسی طرح بھی درست نہیں ۔ نارنگ صاحب یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ "ہ" کی کوئی آواز نہیں ۔ "ہ" کی آواز ہے جو بال ، ہیئت ، ہراساں ، ہونا وغیرہ الفاظ کے شروع میں بولی جاتی اور صاف صاف سنی جاتی ہے ۔ اسی طرح "ح" کی آواز بھی ہے ۔ سبزواری صاحب ان آوازوں میں فرق کرتے ہیں ۔ نارنگ صاحب ان میں فرق نہیں کرتے ۔

سوال یہ ہے کہ کیا س ، ص ، ث وغیرہ علامات کی آوازیں ایک دوسرے سے مختلف ہیں ؟ اب تک علم اصوات (Phonetics) سے مدد لے کر یہ کہا جاتا تھا کہ اہل اردو چونکہ ان میں فرق نہیں کرتے اور "س" "ص" یا "ث" کی طرح تلفظ کرتے ہیں ، اس لیے اردو میں "س" کی آواز "ص" یا "ث" سے مختلف نہیں ۔ نارنگ صاحب نے ایک قدم آگے بڑھا کر فرمایا کہ صوتیات (Phonemics) کی رو سے "س" "ص" یا "ث" سے الگ کوئی صوتیہ بھی (Phoneme) نہیں ۔ کیوں ؟ اس لیے کہ "ثابت" کو سابت یا صابت بولا جائے تو معنی میں کوئی فرق پیدا نہیں ہوتا ۔" مطلب یہ ہوا کہ "س" کو "ص" یا "ث" سے بدلنے کی صورت میں معنی میں فرق پیدا ہوتا تو ص یا ث کو س سے الگ اور اس سے مختلف صوتیہ سمجھا جاتا ۔ اس استدلال کے مطابق صورت (شکل) اور سورت (قرآنی) آیات کا (مجموعہ) یا سفر (حضر کی ضد) اور صفر (قمری مہینے کا نام) وغیرہ الفاظ جب نارنگ صاحب کی خدمت میں پیش کیے گئے اور یہ کہا گیا کہ سفر کو صفر اور صورت کو سورت بولنے سے معنی میں فرق پیدا ہو جاتا ہے تو نارنگ صاحب صوتیہ کی بحث کو بھلا کر جھٹ حرف و آواز کا جھگڑا لے بیٹھے اور وہی

پرانی بات دہرانے لگے کہ ان کی آواز ایک ہے - اگر ان کی آواز ایک ہے تو پھر صوتیے کی بحث چھیڑنا کیا ضرور تھا -

کیا میں نارنگ صاحب سے پوچھ سکتی ہوں کہ انھیں یہ کب معلوم ہوا اور کس فن سے کہ س، ص، ث تینوں کی آواز ایک ہے - اگر علم صوتیات (Phonemics) سے معلوم ہوا اور اس وقت معلوم ہوا جب انھوں نے دیکھا کہ ثابت کو سابت یا صابت بولنے سے معنی میں فرق پیدا نہیں ہوتا تو انھیں یہ دیکھ لینا چاہیے تھا کہ سفر کو صفر اور صورت کو سورت کہنے سے معنی بدل جاتے ہیں - سفر اور صفر وغیرہ الفاظ بھی علم صوتیات کی رو سے اقلی جوڑے ہیں اور اگر علم صوت سے ان پر اس حقیقت کا انکشاف ہوا تھا تو پھر فونیم اور فونیمکس کو وہ بیچ میں کیوں لائے اور ثابت و سابت وغیرہ اقلی جوڑے کس غرض سے پیش کیے ؟

دراصل نارنگ صاحب کی الجھن یہ ہے کہ وہ صوت اور صوتیہ میں فرق نہیں کرتے ، دونوں کو گڈ مڈ کر دیتے ہیں - صوتیے کا مفہوم بھی ان کے ذہن میں واضح نہیں - وہ کہتے ہیں "الم ، علم اور ہال ، حال مختلف اور ایک دوسرے سے متمیز ہیں تو اس لیے نہیں کہ ان کی آوازیں الگ الگ ہیں بلکہ اس وجہ سے کہ ان کے حروف الگ الگ ہیں -" (ص ۴۸)

"ہال" اور "حال" یا 'الم' اور 'علم' وغیرہ الفاظ کا اختلاف اس کے سوا کیا ہے کہ ہال کو حال اور الم کو علم کہنے سے معنی میں فرق پیدا ہو جاتا ہے - معنی میں فرق پیدا ہو جانے کے بعد یہ کہنا کہ یہ فرق حروف کی وجہ سے ہے ، فونیم کے معنی سے آگہی کی دلیل نہیں - اگر ثابت و سابت کے معنوں میں فرق ہوتا تو کیا یہ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ یہ فرق حروف کی وجہ سے ہے ! اور کیا ہر اقلی جوڑے کی بابت یہ عذر نہیں کیا جا سکتا اور کیا اس طرح علم صوتیات بیکار نہیں ہو جاتا ؟

سبزواری صاحب نے لکھا تھا :

"عام اردو بولنے والے ا ع/ت - ط/س - ث - ص/ز - ذ - ض - ظ کے تلفظ میں کوئی ایسا فرق نہیں کرتے جو سننے والے کو محسوس ہو -"

ان کا یہ قول نقل کرنے کے بعد نارنگ صاحب فرماتے ہیں :

"جب اردو میں فرق نہیں تو یہ الگ الگ آوازیں کیسے ہوئیں" ؟ سبزواری صاحب کے الفاظ "عام آدمی" "اور ایسا فرق نہیں کرتے جو سننے والے کو محسوس ہو" اس قابل تھے کہ انہیں نظر انداز نہ کیا جاتا ۔ عالم و عامی دونوں مذکورۂ بالا آوازوں میں فرق کرتے ہیں ۔ عالم کا فرق محسوس کیا جاتا ہے ، عامی کا فرق محسوس نہیں کیا جاتا ۔ اس کا یہ مطلب کہاں ہوا کہ اردو میں فرق نہیں ۔ اردو میں فرق ہے اور اس سے زیادہ ہے جتنا انگریزی "C" اور "K" میں ہے ۔ جب تک اردو میں عربی الفاظ کا چلن ہے یہ فرق قائم رکھنا ہوگا ۔

سبزواری صاحب نے لکھا تھا کہ ہائیہ (بھ ، پھ وغیرہ) آوازیں "ہ" اور وقفیہ (ب ، پ وغیرہ) کی تالیف و ترکیب کا نتیجہ ہیں ۔ نارنگ صاحب فرماتے ہیں کہ اگر یہ مرکب آوازیں ہیں تو انھیں تالیفی آوازیں کہنے کی کیا ضرورت ہے ۔ ترکیب و تالیف ہم معنی الفاظ ہیں ، اس لیے سبزواری صاحب نے دونوں کو ساتھ ساتھ استعمال کیا ہے ۔

نارنگ صاحب کو اس سے انکار ہے کہ انھوں نے ناگری طرز تحریر سے متاثر ہوکر اردو کی متشابہ آوازوں اور اردو ہائیوں پر اعتراض کیا ۔ سوال یہ ہے کہ اگر وہ ناگری سے متاثر نہیں ، جیسا کہ وہ بار بار اظہار فرماتے ہیں ؛ تو بھ ، پھ وغیرہ ناگری ہائیوں اور "لھ" "نھ" وغیرہ اردو ہائیوں میں فرق انھوں نے کس بنیاد پر کیا ؟ کیا یہاں وہ اسپیکٹرو گرام سے مدد لے کر یہ نہیں دیکھ سکتے تھے کہ اگر مثلاً "ل" کا وقفہ چھ سات سینٹی سیکنڈ ہے تو "لھ" کا بھی تقریباً "اتنا ہی ہے"۔ اسپیکٹرو گرام سے یہاں مدد نہ لینا اور ہندی ماہرین لسانیات کا دامن پکڑ کر یہ کہنا کہ ان کے نزدیک "ہ" کا انضمام کامل صرف بندشی آوازوں کے ساتھ ہوتا ہے ۔" شعوری یا کم سے کم غیر شعوری طور پر ہندی اور ناگری سے کھلا ہوا تاثر ہے ۔ سخت حیرت کی بات ہے کہ نارنگ صاحب ہائیوں میں "ہ" کے انضمام کے قائل بھی ہیں اور یہ بھی جانتے ہیں کہ "ب" کا وقفہ "بھ" کے وقفے کے برابر نہیں بلکہ تقریباً برابر ہے ۔ اس کے باوجود انھیں اس پر اصرار ہے کہ "بھ" وغیرہ ہائیہ آوازیں "ہ" اور "ب" وغیرہ وقفیوں کی ترکیب کا نتیجہ نہیں ۔

گویا یہ بتانے کی ضرورت ہے کہ "ہ" اور "ب" وغیرہ وقفیوں کی ترکیب اس کے سوا کچھ نہیں کہ:

۱ - "ب" وغیرہ وقفیوں کے ساتھ "ہ" کا انضمام یا بقول نارنگ صاحب انضمام کامل ہوا ہے -

۲ - اسپیکٹرو گرام پر "ب" کا وقفہ "بھ" کے وقفے سے کسی قدر کم ہے -

ترکیب و تالیف کے کچھ لسانی دلائل بھی ہیں جو نارنگ صاحب ڈاکٹر سبزواری صاحب کے مقالے "اردو کی ہائیہ آوازیں" میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں -

(اردو نامہ کراچی شمارہ ۲۶)

ڈاکٹر شوکت سبزواری

اردو کا اعرابی نظام اور اردو مصوتوں کی صفات

جدید صوتیات کی روشنی میں

(۱)

حروف آوازوں (صوتیوں) کی علامات اور ان کے نمائندے ہیں ۔ انھیں ان آوازوں کی صحیح نمائندگی کرنی چاہیے اور یہ صرف اس صورت میں ممکن ہے کہ حروف کا نظام مکمل اور جامع ہو جس کے ذریعے سے زبان کی ہر آواز ٹھیک ٹھیک صحت کے ساتھ ادا کی جا سکے ۔ حروف کے اس جامع نظام کو جس میں زبان کی نازک سے نازک آواز متشکل ہوکر سامنے آ جائے اور آواز آواز میں کسی قسم کے خلط و اشتباہ کا امکان نہ رہے صوتیاتی املا (Phonetic Orthography) کہتے ہیں ۔ اس کی دو قسمیں ہیں ۔ لسانیاتی طور پر وسیع (Linguistically Broad) اور لسانیاتی طور پر غیر وسیع (Narrow) ان میں سے پہلی قسم کا املا کسی قدر آسان اور مفید ہے کہ اس میں زبان کی ہر آواز (صوتیہ) ایک مخصوص حرف سے ادا کی جاتی اور ہر حرف صرف ایک آواز کی قائم مقامی کرتا ہے ۔

اردو املا وسیع تر طرز تحریر ہے کہ اس میں ایک آواز کے لیے صرف ایک حرف اور ایک حرف کی صرف ایک آواز ہے ۔ ایک طرف ہر بنیادی آواز کی اردو تحریر میں ایک مخصوص علامت ہے جو اپنی آواز کو ظاہر کرتی ہے ۔ دوسری طرف ضمنی یا فرعی آوازیں جو کسی ایک بنیادی آواز کے تحت آتی ہیں جدا جدا حرفوں کی جگہ تنہا ایک حرف سے ، جو بنیادی آواز کے لیے مخصوص ہے ، ادا کی جاتی ہیں ۔ مثلاً اردو کے سادہ مصوتوں یعنی حرکات کو لیجیے ۔ زیر ، زبر ، پیش اردو کی تین بنیادی حرکات ہیں جن میں سے ہر ایک کی ایک تحتی شکل بھی ہے ۔ "اعتماد" کے الف (نیز "ت")

کا زیر ، "احمد" کے الف کا زبر اور "مہرہ" کے میم کا پیش بترتیب "اِس" کے الف کے زیر ، "اَمر" کے الف کے زبر اور "اُستاد" کے الف کے پیش سے مختلف ہے ۔ پہلی تین حرکتیں بعد کی تین حرکتوں کی ضمنی ، فرعی یا تحتی شکلیں ہیں جنھیں "اے" (یائے مجہول) "اَے" (یائے لین) اور "او" (واو مجہول) کی ترشی ہوئی اور خفیف شکلیں ہونے کے باعث کسرۂ خفیفہ ، فتحۂ خفیفہ اور ضمۂ خفیفہ کے نام سے یاد کیا جا سکتا ہے[1] ۔ اردو میں زیر ، زبر پیش کے لیے علامات رکھی گئی ہیں ۔ ان ضمنی شکلوں کی کوئی علامت نہیں ۔ انھیں زیر ، زبر ، پیش ہی کی مدد سے ظاہر کیا جاتا ہے ۔

بظاہر اسے اردو املا کی خامی اور کوتاہی کہا جائے گا کہ زیر ، زبر ، پیش اور ان کی خفیف ضمنی آوازوں کو ایک ہی علامات و اشکال سے ظاہر کیا جائے ۔ لیکن درحقیقت یہ اردو املا کی سہولت اور افادیت کی دلیل ہے ۔ اگر ضمنی آوازوں کے لیے بھی علامات رکھی جاتیں تو اردو کا ابجدی نظام الجھ کر رہ جاتا اور قاری کے لیے اس کا یاد رکھنا دوبھر ہوتا ۔

ضمنی آوازوں کے لیے جداگانہ علامتیں مقرر کرنے کی جگہ یہ بہتر سمجھا گیا کہ قاری کو بتا دیا جائے کہ مثلاً "ح" یا "ہ" (ساکن) سے پہلے کا فتحہ اردو میں خفیف ہے اور اس کا سے (لین) کی طرح تلفظ کیا جانا چاہیے ۔ مشہور ماہر صوتیات ڈاکٹر جونز کہتے ہیں کہ ضمنی آواز کے لیے کوئی خاص علامت رکھنا مشکل ہے ۔ یہ زیادہ آسان ہے کہ قاری کو قاعدہ بتا دیا جائے جس کی مدد سے وہ حسب ضرورت بنیادی اور ضمنی آواز میں فرق کر لیا کرے ۔

فارسی یا عربی لفظ کی جب دوسرے لفظ کی طرف فارسی قاعدے کے مطابق (بطور اضافت یا صفت) نسبت کی جاتی ہے تو اس کے آخر میں ایک کسرہ (زیر) آتا ہے ، جیسے رفع شر ، روز قیامت ، حسن یوسف وغیرہ ۔ یہ کسرہ خفیف ہے جو 'ے' (مجہول) کی طرح ادا کیا جاتا ہے ۔ چنانچہ فارسی کے جو الفاظ "ا" یا "و" پر ختم ہوئے ہیں اور ساکن الآخر ہونے کی وجہ سے ان پر کسرہ نہیں آ سکتا اضافت ظاہر کرنے کے لیے کسرے کی جگہ ان

---

[1] ۔ انھیں کسرہ مجہول ، ضم مجہول اور فتح لین بھی کہہ سکتے ہیں ۔

کے آخر میں "ے" لاتے ہیں - جیسے : آشنائے قدیم ، گیسوے سیاہ وغیرہ۔ ان کلموں کے آخر کی "ے" کسرۂ اضافت کے قائم مقام ہے اور کسرے کی آواز کو ظاہر کرتی ہے اس لیے "ے" پر ہمزہ بے محل ہے - مرزا غالب فارسی لفظ کے آخر کی "ے" پر (جس سے پہلے "ا" یا "و" ہو) ہمزہ لکھنے سے منع کیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ یہ عقل کو گالی دینا ہے -

عقل کو گالی دینا اس لیے کہ اردو املا صوتی اصولوں پر مبنی ہے۔ اس کا ہر قاعدہ زبان کے مزاج کو دیکھ کر وضع کیا گیا ہے - فارسی الفاظ کے آخر کی "ے" کسرۂ اضافت کا حق ادا کر دیتی تھی اس لیے اسے ہمزہ سے بدل کر مکسور کرنا یا خود اس پر کسرہ دینا عقل کے خلاف ہوا - یہاں اس کی وضاحت ہو جانی چاہیے کہ فارسی کے جن کلمات کے آخر کی "ے" اصلی ہے لیکن عموماً روپوش رہتی ہے - جیسے خدا (ی) جا (ے) پا (ے) بو ، (ے) رو ، (ے) جب یہ کلمے مضاف ہوں گے تو ان کی "ے" ظاہر ہو جائے گی - جیسے خدائے توانا - جاے پناہ - پاے سخت ، بوے گل ، روے نیاز وغیرہ - غالب کہتے ہیں کہ ان کلمات کے آخر کی "ے" پر بھی ہمزہ اور زیر نہ لکھو - کیوں ؟ اس لیے کہ ان کی "ے" پہلے روپوش تھی اضافت کے بعد ظاہر ہوئی - وہ اضافت ہی کی "ے" ہے اور کسرے کے قائم مقام ہے - اس پر کسرہ دینے سے فائدہ ؟ رہا ہمزہ سو اس کا یہاں کیا موقع ہے -

البتہ جب کلمہ مضاف کے آخر میں ہائے مختفی ہو جیسے جامہ ، روزہ وغیرہ تو اضافت کی صورت میں "ہ" پر ہمزہ دے کر اس طرح لکھیں گے جامۂ ابریشم ، روزۂ رمضان - ہمزہ اور "ہ" متحد المخرج ہیں کہ دونوں حلقوم میں پیدا ہوتے اور وتر صوت سے ادا کیے جاتے ہیں - جب ان کلموں کی دوسرے کلموں کی طرف اضافت ہوئی اور ہائے مختفی میں کسرہ قبول کرنے کی صلاحیت نہ تھی تو "ہ" کو مجبوراً ہمزہ کا روپ اختیار کرکے زیر کا بار اٹھانا پڑا - اور یہ رد و بدل عارضی تھا اس لیے "ہ" کو برقرار رکھ کے اس پر ہمزہ بنایا گیا -

بعض اہل علم کا خیال ہے کہ ان کلمات میں ہائے مختفی کے اوپر جو ہمزہ لکھا گیا ہے وہ ہمزہ نہیں یاے تحتانی ہے - وہ کہتے ہیں کہ ہمزہ کو ذرا غور سے ملاحظہ فرمائیے - یہ بعینہ نصف بالائی حصہ "ی" کا ہے بلکہ

کامل "ی" ہے - یہ خیال بھی غالب کے لفظوں میں ایک طرح سے عقل کو گالی دینا ہے - "نامہ" اور "خامہ" وغیرہ الفاظ کی ہائے مختفی کا ہمزہ صوتی اور لسانی کسی لحاظ سے بھی یائے تحتانی نہیں ہو سکتا - صوتی لحاظ سے اس لیے کہ "جامۂ نو" جیسی مثالوں میں صاف صاف ہمزہ کی آواز ادا ہوتی اور سنی جاتی ہے - لسانی اعتبار سے اس لیے کہ "ہ" ہمزہ کی ہم صوت ہے اور تاریخ میں برابر ہمزہ کا روپ اختیار کرتی رہی ہے - اس لیے اسے ہمزہ ہی ہونا چاہیے -

اس سلسلے میں ایک اور بڑی گالی بھی عقل کو دی جا رہی ہے - خاصے اچھے پڑھے لکھے بزرگ اس میں شریک ہیں اس لیے اس کا جائزہ لینا ضروری ہے - غالب نے الف واو پر ختم ہونے والے فارسی الفاظ کے بارے میں لکھا تھا کہ مضاف ہونے کی صورت میں ان کے آخر کی "ے" پر ہمزہ نہ لکھا جائے - ان بزرگوں نے عربی کے ان الفاظ کو بھی اس فہرست میں شامل کر لیا جن کے آخر میں "اء" تھا لیکن اہل اردو کے تلفظ میں ہمزہ گر جانے کی وجہ سے آخر کا صرف الف بچ رہا تھا - جیسے وفا (ء) ارتقا (ء) ابنا (ء) شعرا (ء) وغیرہ - یہ حضرات کہتے ہیں کہ جب عربی کے ان کلموں کی فارسی قاعدے کے مطابق اضافت کی جائے تو فارسی کلموں کی طرح ان کے آخر میں "ے" لکھی جائے ہمزہ نہ لکھا جائے - چنانچہ "ابنائے جنس" کو یہ صحیح بتاتے ہیں اور ابناء جنس کو غلط - ارتقائے حیات ان کے نزدیک ٹھیک ہے اور ارتقاء حیات غلط -

میرے خیال میں یہ اصول کے خلاف ہے - عربی کے الفاظ جن کے آخر میں "ء" ہے جب تنہا بغیر اضافت استعمال ہوتے ہیں تو ان کا ہمزہ روپوش ہو جاتا ہے - لیکن جب ان کی دوسرے کلمے کی طرف اضافت ہوتی ہے تو خو، بو، رو وغیرہ فارسی الفاظ کے آخر کی "ے" کی طرح یہ ہمزہ ظاہر ہو جاتا ہے - اضافت فارسی قاعدے کے مطابق ہو یا عربی قاعدے کے دونوں صورتوں میں ہمزہ بولا جاتا ہے - سوال یہ ہے کہ جب ہمزہ تلفظ میں آتا اور بولا جاتا ہے تو اسے لکھا کیوں نہ جائے اور جب اس میں اضافت کا کسرہ قبول کرنے کی صلاحیت ہے تو اصول کے خلاف "ے" لکھ کر اس کی صورت مسخ کرنے سے فائدہ ؟ خو، بو وغیرہ فارسی الفاظ کے

آخر کی روپوش "ے" اضافت کے بعد بر افگندہ نقاب ہو سکتی تھی تو وفاء ارتقا ، ابنا وغیرہ عربی الفاظ کے آخر کے ہمزہ نے کیا قصور کیا ہے کہ اضافت کے بعد وہ "انا الھمزہ" کا نعرہ بلند نہ کرے اور مضاف ہونے کی صورت میں ابنأ نہ لکھا جائے - یہ املا صوتیات کے مطابق بھی ہے اور قواعد کے مطابق بھی - صوتیات کے مطابق اس لیے کہ ابنأ جنس وغیرہ ترکیبوں میں ہمزہ مسکور کی آواز ہم سنتے ہیں - قواعد کے مطابق اس لیے کہ "ابنا" وغیرہ کلمے اصلاً ہمزہ پر ختم ہوئے ہیں - جس طرح خو ، بو وغیرہ کلمے "ے" پر ختم ہوئے تھے - اس لیے اگر خو بو وغیرہ کے آخر میں اضافت کے بعد "ے" لکھی جاتی ہے تو "ابنا" وغیرہ کلموں کے آخر میں ہمزہ لکھا جانا چاہیے -

کسرۂ اضافت کے سلسلے میں ایک اور بات بھی توجہ کے قابل ہے وہ یہ کہ جن فارسی کلمات کے آخر میں یاے مجہول ہے جیسے پے ، مے کے وغیرہ مضاف ہونے کی صورت میں قاعدے کے مطابق ان پر کسرہ اضافت آنا چاہیے لیکن "ے" چونکہ کسرۂ اضافت کی نیابت کر لیتی ہے اس لیے اس پر کسرے لکھنے کی ضرورت نہیں - البتہ یاے معروف اصلی پر کسرہ ضرور آنا چاہیے جیسے :

شادم از زندگی خویش کہ کارے کردم

اس لیے کہ "زندگی" کی "ی" میں کسرۂ اضافت کی قائم مقامی کی صلاحیت نہیں - اساتذہ ، جاذبہ ، داعیہ وغیرہ الفاظ کی "ہ" فارسی جامہ ، نامہ وغیرہ کلمات کی "ہ" کی طرح ہے - اضافت میں ان کے ساتھ ہاے مختفی کا سا سلوک کیا جائے اور ان کی "ہ" پر ہمزہ لکھا جائے -

اس کے بعد خالص اردو الفاظ کا سوال سامنے آتا ہے - مشہور یہ ہے کہ اردو الفاظ کے آخر میں "ا" ہوتا ہے ہ نہیں ہوتی - اس لیے ان الفاظ میں "ہ" نہ لکھی جائے - صحیح بات یہ ہے کہ اردو الفاظ کے آخر میں بھی "ہ" ہوتی ہے اور یہ دو طرح کی ہے - اصلی جیسے گیارہ سے اٹھارہ تک کے اعداد میں اور وصلی جیسے ودیالیہ اوشد ہالیہ وغیرہ میں - لیکن میں سنسکرت تت سم الفاظ کو ے سے لکھتا ہوں جیسے ودیالے اوشد ہالے - یہ املا زیادہ صحیح ہے -

"چھ" اور "پھ" میں بھی "ہ" ہے ۔ "پھ" کی دو شکلیں ہیں ۔ ایک "پر" کی جگہ اور اس کے معنوں میں ۔ اس کا اہل دہلی کسرہ خفیفہ سے تلفظ کرتے ہیں ۔ دوسری مگر کی جگہ اور اس کے معنوں میں ۔ اس کا فتحہ سے تلفظ کیا جاتا ہے ۔ غالب کا مصرعہ ہے :

غم اگرچہ جاں گسل ہے   پہ کہاں بچیں کہ دل ہے

"پھ" کو "ہ" سے لکھتے ہیں چھ کو بھی "ہ" سے لکھا جانے ۔ اس کی "ہ" اصلی ہے ۔ اہل دہلی اردو کے عام مزاج کے مطابق فتح خفیفہ سے جو اس کا تلفظ کرتے ہیں وہ اس "ہ" کی وجہ سے ہے ۔ (مشرقی یو پی میں "چھ" "پھ" کے وزن پر مفتوح ہے) ۔

اردو اور فارسی آریائی خاندان کی زبانیں ہیں اور عربی سامی خاندان کی ۔ فارسی اردو کا مزاج عربی زبان کے مزاج سے مختلف ہے ۔ ان پر عربی قاعدے نہ منڈھے جائیں ۔ عربی کے ن وقایہ پر قیاس کرکے ہمارے بعض عالموں نے لکھا تھا کہ "ا" اور "و" پر ختم ہونے والے الفاظ کے آخر کی یائے وقایہ کسرے کے بچاؤ کے لیے لائی گئی ہے ۔ ان عالموں کی دیکھا دیکھی دوسرے بھی خدائی ، بڑائی ، وفاؤں وغیرہ کلموں کے ہمزہ کو ہمزہ وقایہ کہنے لگے ۔ یہ زبان کی تاریخ سے ناواقفیت ہے ۔ آریائی زبانوں میں یائے وقایہ ہے اور نہ ہمزہ وقایہ ۔ خدا اصل میں "خدائے" تھا ہمزہ "ے" کا بدل ہے ۔ "بڑائی" کی "ئی" ہمزہ اور ی کی ترکیب کا نتیجہ نہیں بلکہ "ـَـائی" ایک آزاد اور مستقل سابقہ ہے جس کا ذکر علماء لسانیات نے کیا ہے ۔ یہی حال "وفاؤں" کے ہمزہ کا ہے ۔ وں لاحقہ جمع ہے ۔ یہ مردوں اور عورتوں وغیرہ میں بھی ہے ۔ اس طور پر مرد — ـوں — مردوں — عورت — وں ۔ عورتوں وغیرہ وغیرہ ۔

جو کلمے کسی حرف صحیح ساکن پر ختم ہوتے ہیں لاحقہ ۔ وں اضافہ کرنے پر ان کا آخری حرف مضموم ہو جاتا ہے ۔ "ا" پر ختم ہونے والے کلموں پر پورا لاحقہ ۔ وں بڑھایا گیا اس لیے کہ "ا" میں حرکت قبول کرنے کی صلاحیت نہ تھی ۔ "و" البتہ حرکت قبول کرتا ہے ۔ اس لیے بچھو اور "ہندو" وغیرہ کلموں کی جمع بچھوؤں اور ہندوؤں (دو "و" کے ساتھ)

ہوگی لیکن "و" پر ضمہ اور کسرہ اردو زبان کے مزاج کو سازگار نہ تھا۔ زبانوں پر ذرا اولو سا محسوس ہوتا تھا۔ اس لیے بچھو وغیرہ کلمات کا "و" ہمزہ سے بدل کر اردو والے "بچھوؤں" کو "بچھوؤں" "ہندوون" کو "ہندوؤں" کہتے ہیں۔ ہمزہ "و" کا بدل ہے اس لیے "و" کو گراتے نہیں باقی رکھتے اور اس پر ہمزہ لکھ دیتے ہیں۔ "ہوا" (ہونا سے فعل ماضی صیغہ واحد مذکر) کی تانیث قاعدے کے مطابق "ہوی" اور جمع "ہوے" (و کے ساتھ) ہونی چاہیے۔ لیکن فصحأ اردو کسرے کی وجہ سے "و" کو ہمزہ سے بدل کر "ہوئی" اور "ہوئے" کہتے ہیں۔

"چھوئی موئی" تانیث ہے "چھوا موا" کی۔ یہ ایک پودے کا نام ہے۔ قاعدے سے اسے بھی "چھوی موی" ہونا چاہیے لیکن ہم سب ہمزہ لکھتے اور "و" کی جگہ ہمزہ کا تلفظ کرکے "چھوئی موئی" کہتے ہیں۔ ناسخ کے عہد تک آنا، جانا، پانا وغیرہ افعال کا مضارع آوے، جاوے، پاوے زبانوں پر تھا۔ اس کے بعد "و" پر کسرہ کے ثقل کا احساس ہوا تو فصحا نے "و" کو ہمزہ سے بدل کر آئے، جائے، پائے کہنا شروع کیا۔ لیکن آوے بھی چالو رہا۔

گنجینۂ معنی کا طلسم اس کو سمجھیے
جو لفظ کہ غالب مرے اشعار میں آوے

آئے، جائے، کی ایک مختلف شکل آے، جاے (بغیر ہمزہ) بھی ہے۔ جیسے:

آے ہے بے کسی عشق پہ رونا غالب
کس کے گھر جاے گا سیلاب بلا میرے بعد

یہاں یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ "آئے" کی جمع "آئیں" ہوگی اور "آے" کی "آیں" (بغیر ہمزہ)۔ انشا ہمزہ مکسور اور ن غنہ بغیر ے لکھتے ہیں[1] یہ درست نہیں۔ اس لیے کہ "آین" جمع ہے

۱۔ جائں با ہمزہ مکسور و نون غنہ بغیر یاد حق نیز مستعمل فصحا باشد۔ (دریا لطافت، ۱۷۹)

"آے" کی جس میں "ے" ہے ہمزہ نہیں - جمع میں ہمزہ کہاں سے آیا اور کیسے ؟

"ے" پر بھی کسرہ ناگوار سمجھا جاتا ہے لیکن اس صورت میں جب "ے" سے پہلے فتحہ ہو - گیا کی جمع گئے ہوگی اس لیے کہ "ی" سے پہلے "گ" پر فتحہ ہے اور کیا ، لیا ، دیا ، پیا ، جیا وغیرہ کلموں میں "ی" سے پہلے کسرہ ہے اس لیے ان کی جمع میں "ے" باقی رکھ کر لیے ، دیے ، کیے ، پیے ، جیے کہیں گے -

دیجیے ، لیجیے ، بیٹھیے ، اٹھیے ، کہیے وغیرہ افعال جن میں "ے" سے پہلے کا حرف مکسور ہے "ے" سے لکھے جائیں گے - چاہیے ، آئیے ، جائیے ، گائیے ، پائیے وغیرہ کلمات میں بھی "ے" سے پہلے زیر ہے انھیں بھی "ے" سے لکھا جائے - اس باب میں بھی انشا سے سہو ہوا ہے - اصول یہ ہے کہ -

ہمزہ اس وقت آئے گا جب اس سے پہلے زبر ہو - اگر ماقبل زیر ہے تو "ے" آئے گی - یہ کلیہ قاعدہ ہے -

(اردو نامہ کراچی شمارہ)

(۲)

اردو مصوتے اور ان کی صفات

اردو مصوتے (Vowels) بارہ یا زیادہ سے زیادہ تیرہ بتائے جاتے ہیں ، لیکن اردو کے صوتی نظام کا گہرا مطالعہ یہ بتاتا ہے کہ مصوتے چودہ ہیں دس بنیادی ہیں جو اردو کے صوتی نظام کے لیے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں ، اور چار ذیلی یا تحتی ہیں ۔ متقدمین اہل علم اردو کے دس مصوتوں سے واقف تھے ، یا یوں کہیے کہ دس بنیادی مصوتے ان کے نزدیک لسانی اہمیت رکھتے تھے ، اس لیے انھوں نے ان کے نام رکھ لیے ، جو دراصل نام ہیں ان علامات کے جو ان مصوتوں پر دلالت کرتی ہیں ۔ ان میں سے تین تاریخی اعتبار سے اصلی ہیں اور وہ یہ ہیں :

فتحہ یا زبر (ـَـ) کسرہ یا زیر (ـِـ) ضمہ یا پیش (ـُـ) بقیہ سات جو درج ذیل ہیں ، فرعی ہیں :

الف (ـَـا) ، یاے معروف (ـِـی) ، واو معروف (ـُـو) ، یاے مجہول (ـِـے) ، واو مجہول (ـُـو) ، یاے لین (ـَـے) ، واو لین (ـَـو) ۔

ان سات میں سے پہلے تین اصلی مصوتوں کے کھنچنے سے وجود میں آئے ۔ الف فتحے کے اشباع کا نتیجہ ہے یاے ، معروف کسرے کے اشباع کا اور واو معروف ضمے کے اشباع کا۱ اشباع کے متعدد مدارج ہو سکتے

---

۱ ۔ "مصوت یا مقصوراست یا ممدود و مقصور حرکات باشد مانند ضمہ فتحہ و کسرہ ممدود حروف ، کہ اخوات آں حرکات باشد چہ ہر یکے از اشباع یکے ازاں حرکات تولد کند" معیارالاشعار ، ص ۲۲ ۔

ہیں - ہندی ماہرین صوتیات نے ان میں سے دیرگھ (دوماترا) اور پُلت (تین ماترا) کا ذکر کیا ہے[1] - اردو میں اشباع کا پہلا درجہ (دیرگھ) ہے جس سے اردو کے اشباعی مصوتے وجود میں آئے - اشباع کی مقدار بتانے کے لیے ہی غالباً متقدمین نے لکھا تھا کہ الف دو فتحوں کی برابر ہے، یائے معروف دو کسروں کی برابر ہے، اور واو معروف دو ضموں کی - مطلب یہ ہے کہ "ا" کو زیادہ دو فتحوں کی برابر، "ی" اور "و" کو بترتیب دو کسروں اور دو ضموں کی برابر کھینچا جائے - اگر اس سے زیادہ کھینچا گیا تو اس کو عروضی یا قواعدی[2] اہمیت دی جاسکے گی - لسانی حیثیت اس کو حاصل نہ ہوگی - یعنی اس اشباع سے مزید مصوتے وجود میں نہ آئیں گے[3] -

یہ تین مصوتے ایک نوع کے مصوتوں کی ترکیب و تالیف سے حاصل ہوئے تھے - بقیہ چار، دو مختلف النوع مصوتوں کی تالیف کا نتیجہ ہیں - یائے مجہول، فتحے اور کسرے کی ترکیب سے وجود میں آئی (ـَـ + ـِـ = ـَـ ےٰ) اور یائے لین ـَـ ا اور کسرے کی ترکیب سے (ـَـ ا + ـِـ = ـَـ ےٰ) - اسی طرح واو مجہول کی ساخت فتحے اور ضمے کے ملاپ کی منت کش ہے (ـَـ + ـُـ = ـُـ وٰ) اور واو لین کی ساخت ـَـ ا اور ضمے کے ملاپ کی (ـَـ ا + ـُـ = ـَـ وٰ) -

ان سات مصوتوں کی ساخت میں اصلی تین مصوتوں نے حصہ لیا تھا، اس لیے انھیں غیر اصلی یا فرعی کہا گیا - ویسے پہلے تین اور یہ سات،

---

1. Ancient Phonetics, p. 83

۲ - طنزیا تعجب کے موقع پر مصوتے تین ماترا تک کھنچ جاتے ہیں جیسے: اچھا، خوب وغیرہ - اس تمدید کا تعلق نقرہ تاکید یا لہجے سے ہے -

۳ - کلمے کے آخر میں واقع ہونے والے طویل مصوتے بین بین ہوتے ہیں - مقصور کے مقابلے میں طویل اور طویل کے مقابلے میں مقصور -

دسوں ، جیسا کہ عرض کیا گیا ، اردو کے بنیادی مصوتے ہیں - انھیں اردو زبان کے کالبد کے لیے گوشت پوست کا درجہ حاصل ہے ، اور اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ یہ مصوتے کسی خاص صوتی گرد و پیش کے ساتھ مخصوص نہیں ، قریب قریب ہر امکانی ماحول میں پائے جاتے ہیں - کلمے کے شروع میں بھی ، درمیان اور آخر میں بھی ، لیکن اردو کلمے کا آخری حرف ساکن ہوتا ہے ، اس لیے تین اصلی مصوتے شروع یا درمیانی کلمے ہی میں ہوسکتے ہیں :

۱ - مقصوّر مصوتے :

	فتحہ	کسرہ	ضمہ
ابتدا =	دَس	دِن	دُکھ
وسط =	نظَر	نادِر	بُلبُل

۲ - ممدوُد مصوّتے :

	ـَـا	ـِـی	ـُـو
ابتدا =	آس	ایکھ	آوُت
درمیان =	بات	چیِل	چوُل
آخر =	کُتّا	بِلّی	چلّوُ

بقیہ چار مصوتے شروع کلمے میں بھی ہوسکتے ہیں ، درمیان میں بھی، اور آخر میں بھی -

(۱) واو مجہول :

ابتدا	درمیان	آخر
اَوس	بُول	کُٹو

(۲) یاے مجہول :

ابتدا	درمیان	آخر
اِیک	کِھیل	مُجھے (اِلے تبے)

(۳) واولین :

ابتدا	درمیان	آخر
اَوْر	مَوْلا	جَوْ

(۴) یاے لین :

ابتدا	درمیان	آخر
اَیْسا	مُچَیْٹا	لَےْ [1]

۱ - دو یا اس سے زیادہ رکن والے لفظ کے آخر میں واو یا یاے لین کا استعمال اردو رجحان کے خلاف ہے -

ان مصوتوں کے بنیادی ہونے کا دوسرا ثبوت یہ ہے کہ اگر کسی کلمے میں ان میں سے کوئی مصوتہ واقع ہو اور اسے کسی دوسرے مصوتے سے بدلا جائے تو اس رد و بدل سے کلمے کے معنی بدل جائیں گے، خود کلمہ بے معنی یعنی مہمل نہ ہوگا - جیسے :

کَھل ، کُھل ، کِھل

ان میں شروع کا مصوتہ بدلا گیا ہے - مصمت آوازیں جوں کی توں ہیں - اس کے باوجود تینوں کلمے با معنی ہیں اور ایک دوسرے سے مختلف معنی ادا کر رہے ہیں -

ذیل میں مقصور مصوتوں کو ان سے متفرع ہونے والے ممدود مصوتوں سے بدل کر با معنی کلموں کے اقلی (کم سے کم آوازوں پر مشتمل) جوڑے پیش کیے جا رہے ہیں :

چَل - چال	مِل - میل	چُل - چول

بقیہ مصوتوں کے ملے جلے اقلی جوڑے ملاحظہ ہوں :

(۱) معروف و مجہول :

بھیڑ (جمگھٹا) بھیڑ (جانور)	جھو‌ل (بیل وغیرہ پر ڈالنے کا) اِک کپڑا جُھول (شکن)

(۲) مجہول و لین :

دیر (تاخیر) دَیر (بت خانہ)	بیر (پھل) - بَیر (عداوت)

(۳) معروف و لین :

دُور (بعید) ۔ دَوْر (گردش)	پِیر (پیشوا) پَیْر (پانْو)

معروف ، مجہول ، لین تینوں کی یکجائی بھی ہوتی ہے ۔ ملاحظہ ہو :

	معروف	مجہول	لین
"ی"	بِیر (بہادر)	بیر (پھل)	بَیْر (عداوت)
	معروف	مجہول	لین
"و"	مُول (جڑ)	مول (قیمت)	مَوْل (کچا آم)

"م ل" ایک ایسا مادہ ہے جسے ہر مصوتے کے ساتھ گردانا جا سکتا ہے ۔ تنہا یہ مادہ اس امر کا واضح اور ناقابل رد ثبوت ہے کہ اردو کے دس مصوتے صوتیات (phonemics) کی رو سے مستقل صوتیے (Phoneme) ہیں ۔

مقصور	ممدود	مجہول اور لین
مَل ، مِل ، مُل	مال ، مِیل ، مُول	میل ، مَیْل ، مول ، مَول

طویل مصوتوں کی مدد سے لازم کو متعدی بنانے کا کام بھی لیا گیا ہے:

جَھڑنا	جھاڑنا	=	(ـَـ، ـَـ ا)
چِھلنا	چھیلنا	=	(ـِـ، ـِـ ی)
پِھرنا	پھیرنا	=	(ـِـ، ـِـ ے)
تِرنا	تیرنا	=	(ـِـ، ـَـ ے)
بُھننا	بُھوننا	=	(ـُـ، ـُـ وُ)
کُھلنا	کُھولنا	=	(ـُـ، ـُـ وٗ)

فتحے کی صرف تمدید (تطویل) ہوتی ہے - ضمے کی تمدید و تجہیل (مجہول بنانا) دونوں ہوتی ہیں - کسرے کی تمدید و تجہیل بھی ہوتی ہے اور تلیین (لین بنانا) بھی - البتہ دو رکنی مادوں میں فتحے کی جگہ ـِـ ے بھی دیکھا گیا ہے اور ـُـ و بھی:

آدھڑنا ، آدھیڑنا - سِڑنا ، سپوڑنا -

ان مصوتوں کو بنیادی حیثیت حاصل نہ ہوتی تو زبان کے مزاج میں یہ اس حد تک دخل نہ پاتے اور ان سے گونا گوں کام نہ لیے جا سکتے -

(۲)

ان بنیادی مصوتوں کی صفات و مخارج پر آگے بحث ہوگی ، یہاں صرف اتنا بتاتا چلوں کہ یہ مصوتے دو طرح کے ہیں - مقصور (Short) ممدود (Long) - (پہلے تین مصوتے ، جنھیں حرکات کہا جاتا ہے ، مقصور ہیں ، اور جیسا کہ میں نے عرض کیا ان کی تین ممدود شکلیں ہیں - بقیہ چار ابھی

اگرچہ ممدود ہیں لیکن ان کی کوئی مقصور شکل نہیں ۔ وہ کسی مقصور مصوتے کی تطویل سے وجود میں نہیں آئے ۔ دو مختلف النوع مصوتوں کے ملاپ کی پیداوار ہیں ۔ اردو کی حکیمانہ فطرت ہے کہ اس نے ایک طرف اصلی مقصور مصوتوں کو کھینچ کر تین ممدود مصوتے ڈھالے دوسری طرف چار فرعی ممدود مصوتوں کو تراش کر ان سے چار ذیلی مصوتے وضع کرلیے یائے مجہول سے کسرۂ خفیفہ وضع ہوا ۔ واو مجہول سے ضمہ خفیفہ ، یائے لین سے فتحہ خفیفہ وضع ہوا ؛ واو لین سے فتحہ لینہ ۔ اردو کے ان چار ضمنی مصوتوں کا ذکر متقدمین کے یہاں نہیں ملتا ، اس لیے ان کے نام تجویز نہ کیے جا سکے ۔ میں ان کی تخفیفی فطرت کی بنا پر انھیں خفیفہ کہتا ہوں ۔ فتحہ خفیفہ دو ہیں ، اس لیے میری تجویز ہے کہ ان میں فرق کرنے کے لیے یائے لین سے تراشے ہوئے فتحے کو فتحہ لینہ یا فتحہ لین کہا جائے ۔

سوال یہ ہے کہ ان کو کس بنا پر ضمنی یا ذیلی کہا گیا ؟ کس امر میں یہ اردو کے بنیادی مصوتوں سے مختلف ہیں ؟ بنیادی مصوتے کسی خاص صوتی ماحول کے ساتھ مخصوص نہ تھے ۔ ان کا بھی کوئی خاص ماحول نہیں ۔ حرکات ثلاثہ کی طرح یہ بھی کلمے کی ابتدا اور اس کے وسط میں جگہ پاتے ہیں ، لیکن ان کے استعمال کا دائرہ تنگ ہے ۔ ان میں سے پہلے تین (فتحہ خفیفہ ، کسرۂ خفیفہ ، ضمۂ خفیفہ) ہ ، ح ، یا ع (ساکن) سے پہلے آتے ہیں جیسے :

اِبتہام ، اِحسان ، استحسان ، نعِمت ، چِہرہ ، کَہنا ، تحَمّل ، صحَن ، عُہدہ ، مُہرہ ، کُہرا ، یہ ، تہَ ، چھ ۔

اور دو (کسرۂ خفیفہ و ضمۂ خفیفہ) اس صورت میں جب کسرے یا ضمے کے بعد اور اس سے متصل فتحہ ہو ۔ جیسے :

اِبتدا ، اِنتہا ، مُہاسا ، مُعاملہ ، مُحبت ، دُعا ، دُکان ۔

رہا فتحہ لین سو وہ اردو کے مندرجۂ ذیل کلموں میں ملا ہے :

بُہت اور اس کے متفرعات (بُہتات ، بُہتیرا وغیرہ) پہنچ اور اس کے مشتقات (پہنچا ، پہنچی وغیرہ)

بنیادی مصوتوں کے رد و بدل سے با معنی اردو کلمے بنے تھے - لیکن کوئی اردو کلمہ ایسا نہیں جو ان مصوتوں کے اختلاف سے وجود میں آیا ہو - اردو کے ذخیرۂ الفاظ میں سے ایسا کلمہ پیش نہیں کیا جا سکتا جس کے معنی ان مصوتوں اور محض ان مصوتوں کے بدل جانے سے بدلے ہوں - اس لیے ان کو ذیلی کہا گیا اور باقی دس کو بنیادی - یہ مصوتے اصوات (Phones) ہیں اور باقی دس صوتیے (Phonemes) - جدید صوتیات میں ذیلی مصوتوں کو ہم صوت (Allophones) کہا جاتا ہے -

ڈاکٹر فرتھ ، جونز اور گھٹگے نے ہم صوت مصوتوں کو اختصار کے ساتھ بیان کیا ہے - لیکن گھٹگے نے فتحہ لین کا ذکر نہیں کیا - فرتھ اور جونز نے البتہ یہ لکھا ہے کہ "بہت" میں صرف ایک مصوتہ ہے جو "اور" کے مصوتے کی طرح بولا جاتا ہے لیکن "ہ" ساتھ گھل مل کر اور تخفیف کے ساتھ -

The vowel really is aitchifid form of the slightiy diphthongal sound heard, for instance, in اور (and)[1]

جونز اسے جدید تحقیقات کی نئی دریافت بتاتے ہیں - پہلا ، کہنا ، شہر وغیرہ کلمات کے فتحہ خفیفہ کی بابت بھی ڈاکٹر جونز نے غالبا فرتھ ہی کی تقلید میں یہ لکھا ہے کہ ان کا مصوتہ "ـَـ ے" کی تخفیفی ہائیہ شکل ہے - "ہ" مصوتے کے بعد اور اس سے الگ نہیں - اس کے ساتھ مخلوط اور ایک نوع کی منفوس آواز (Breathy voice) ہے - مجھے ماہرین کی اس دریافت پر اعتراض ہے - "بہت" کو اہل اردو تین طرح بولتے ہیں - فتحہ لین "ب" کے ساتھ - یہ عام اور مستند تلفظ ہے - ضمہ خفیفہ "ب" کے ساتھ جو عام ہے ، مستند نہیں - "ب" کو "ہ" کے ساتھ ملا کر اور کھینچ کر "بھوت" بھی کہتے ہیں - یہ خالص عوامی تلفظ ہے - اس صورت میں

---

1. Phoneme, P. 44.

"ب" اگرچہ "ہ" کے ساتھ مخلوط ہوگئی ہے ، لیکن مصوتہ خفیف نہیں طویل ہے ۔ "پھلا" وغیرہ کلموں میں بھی باتفاق "ہ" کا مصوتے سے الگ اور اس کے بعد تلفظ کیا جاتا ہے ۔

ڈاکٹر گھٹگے کسرۂ خفیفہ اور ضمۂ خفیفہ کو یائے مجہول اور واو مجہول کا ہم صوت بتاتے ہیں اور فتحۂ خفیفہ کو فتحے کا[1] ۔ یہ بھی محل نظر ہے ۔ کسرے اور ضمے کی طرح فتحہ بھی اپنی اشباعی شکل یائے لین کا ہم صوت ہونا چاہیے ۔

(۳)

اس کے بعد مصوتوں کے مخارج اور ان کی صفات کا سوال سامنے آتا ہے ۔ یہ اس قریب قریب طے ہے کہ مصوتہ نام ہے صوت محض کا ۔ اس کا کوئی خاص مخرج نہیں یعنی تلفظ کرتے وقت منہ کے کوئی دو حصے باہم نہیں ٹکراتے ، صرف ہوا سرسرا کر صوتی تاروں میں ہلکا سا ارتعاش پیدا کرتی اور زبان کسی قدر کبھلاتی ، سکڑتی اور تالو کی طرف ابھرتی ہوئی محسوس ہوتی ہے ۔ زبان کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے ۔ پچھلا حصہ اقصائے لسان ہے ۔ انگریزی میں اسے Back کہتے ہیں ۔ آگے کا حصہ ادنائے لسان ، انگریزی میں Front کہلاتا ہے ۔ مرکزی حصہ Central ہے ۔ اقصا ، ادنا اور مرکزی مصوتوں کے تین مخرج ہیں ، جن سے مصوتے ادا ہوتے ہیں ۔ لیکن ان کو ادا کرتے وقت کبھی زبان تالو کی طرف زیادہ ابھرتی ہے اور کبھی کم ۔ بیشی اور کمی کے لحاظ سے بلند (High) پست (Low) اور درمیانی (Mid) مصوتوں کے تین درجے قرار دیئے گئے ہیں ۔ ذیل کی جدول سے مصوتوں کے مخارج و مدارج کا ٹھیک اندازہ کیا جا سکے گا :

---

1. Historical Linguistics and Indo Aryan Languages, P. 140

اقصا	مرکزی	ادنا
ـُـ وْ		ـِـ ی بلند (تنگ)
ـُـ		ـِـ
ـَـ وْ [ـَـ (و)]		[ـَـ(ے)]ـَـ ےْ درمیانی
ـُـ وُ [ــ (وُ)]		اِـ(ے)] ـِـ ے
ـَـ ا	ـَـ	پست (کشادہ)

بلند مصوتوں کو ادا کرتے وقت زبان تالو کی طرف نسبتاً زیادہ ابھرتی ہے اور زبان کی سطح اور تالو کے درمیان کا فاصلہ کسی قدر کم ہو جاتا ہے - اس لیے بلند مصوتے تنگ (Close) اور پست مصوتے کشادہ (Open) ہوتے ہیں - کسرہ اور ضمہ مقابل کے طویل مصوتوں سے پست تر ہیں اور فتحہ طویل مصوتے سے بلند تر - بلند مصوتے کو کھینچنے سے بلندی میں اضافہ ہوا پست مصوتے کو کھینچنے سے پستی میں - درمیانی مصوتوں سے لین اور مجہول نصف تنگ ہیں اور ان کی تخفیفی شکلیں نصف کشادہ ہیں -

اردو مصوتوں کی حسب ذیل تقابلی صفات اس قابل ہیں کہ ان کا ذکر کیا جائے :

۱ - مدور اور غیر مدور :

ادنا اور مرکزی مصوتے غیر مدور ہیں - ان کو ادا کرتے وقت ہونٹوں کو گولانے کی ضرورت نہیں - اقصا مصوتے کم و بیش سب مدور ہیں - بلند کسی قدر زیادہ اور درمیانی کسی قدر کمتر -

۲ - ممدود اور مقصور :

یہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ تین اصلی مصوتے مقصور ہیں - ان میں چار ذیلی مصوتوں کو بھی شامل کیا جا سکتا ہے. بقیہ سات ممدود ہیں

جن میں سے تین ممدود تر ہیں (جب درمیانی کلمے میں ہوں) ان پر تفصیل سے بحث کی جا چکی ہے[1]

۳ - اصلی اور فرعی :

فتحہ ، کسرہ ، ضمہ تین اصلی ہیں باقی سات فرعی ہیں -

۴ - متحد الجنس اور مختلف الجنس :

فرعی مصوتوں میں سے تین جو ایک حرکت کی ترکیب و تمدید سے وجود میں آئے متحدالجنس ہیں - انھیں مدہ کہا جاتا ہے - بقیہ چار مختلف‌الجنس ہیں - دو (ـَـے اور ـَـو) لین کہلاتے ہیں اور دو (ـــو اور ـــے) مجہول -

۵ - مرکب و بسیط :

عام طور سے لین مصوتوں کو مرکب (Diphthong) بتایا جاتا ہے اور باقی کو بسیط - میرے نزدیک ترکیب کی تاریخی اور صوتی دو قسمیں ہیں - تاریخی اعتبار سے اصلی مصوتے بسیط ہیں - باقی سب مرکب ہیں ، جیسا کہ پانینی اور اس کے شارحین نے لکھا ہے - کچھ "گُن" کی پیداوار ہیں ، کچھ "وردَہی" کی[2] - صوتی اعتبار سے سب بسیط ہیں ، انھیں ایک مخرج سے ادا کیا جاتا ہے - پانینی کے ایک شارح اَوٹ نے مجہول مصوتوں کی بابت لکھا ہے :

[ـِـے] اور [ـُـو] کے میں باب میں (جو بترتیب ـَـ ، ـِـ اور ـَـ ، ـُـ سے بنے ہیں) ، یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ ــ کہاں ختم ہوا

---

۱ - مقصور اور ممدود مصوتوں میں یہ فرق ہے کہ ممدود قابل تطویل ہیں اور مقصور تطویل کے قابل نہیں -

۲ - مجہول مصوتے گن کی پیداوار ہیں اور لین مصوتے وردہی کی -

اور کب ، ــِـ یا ــُـ کا آغاز ہوا ۔ اس لیے کہ دونوں دودھ اور پانی کی طرح گھل مل کر ایک ہو گئے ہیں[1] ۔

یہی حال لین مصوتوں کا ہے ۔ ان کے باب میں بھی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ "ــَـا" کہاں ختم ہوا اور کس مقام سے ــِـ یا ــُـ کا آغاز ہوا ۔ کم سے کم اردو میں ان کا تلفظ ایک اکائی کی طرح ہوتا ہے ۔ بطریق تعاقب یکے بعد دیگرے دو آوازیں سننے میں نہیں آتیں ۔ غور سے دیکھا جائے تو یہ مصوتے دو مختلف مصوتوں سے مرکب نہیں ، ان کے درمیان واقع ہوئے ہیں ۔ کچھ صفات ان میں ایک مصوتے کی ہیں اور کچھ دوسرے کی ۔ محقق طوسی فرماتے ہیں[2]

"دو حرف مصوت ممدود کہ یکے ازاں حرفے است کہ میانہ ضمہ وفتحہ باشدہ ، چنانکہ در لفظ شور افتد کہ بتازی مالح باشد ۔ و دیگر حرفے کہ میان کسرہ و فتحہ باشد چناں کہ در لفظ شیر افتد کہ بتازی اسد باشد ۔"

اتھرو پرتی شاکھیہ میں ہے[3] :

Although Dipthongs are Combination of Vowels, they are treated as single letters.

۶ ۔ ملوّن اور غیر ملوّن :

غنائیت اور ہائیت دو صفات ایسی ہیں جن کے ساتھ ایک مصوتہ متصف ہو سکتا ہے ۔ یہ دونوں صفات ایک مصوتے میں یکجا بھی ہوتی ہیں ۔ جن مصوتوں میں یہ دونوں صفتیں موجود ہوں یا ان میں سے کوئی ایک وہ ملوّن (رنگین) کہلائیں گے ۔ غنائیت ہر مصوتے میں ہو سکتی ہے

---

1. Phonetics in Ancient India, P. 64

۲ ۔ معیارالاشعار ، ص ۲۵

3. Phonetics, P. 63

اس کی تفصیل کے لیے میرا مقالہ "اردو کی غنہ آوازیں" ملاحظہ فرمائیں۔ یہاں ایک دو مثالیں توضیح کے لیے کافی ہوں گی:

۱ - مغنونہ: آنکھ، ہنسنا، اونچا، ایندھن، دھونسا۔

۲ - ہائیہ: دبرا، تہرا، کُمہر، ٹوھنا، چُہل۔

۳ - مغنونہ ہائیہ: منہ، مینہ، پہنچنا، لہنگا۔

اردو کے مغنونہ، ہائیہ اور مغنونہ ہائیہ ملوّن مصوتے، صوتیات کی رو سے غیر ملوّن یعنی سادہ مصوتوں سے مختلف اور ان سے الگ مستقل صوتیے ہیں۔ ڈاکٹر جونز فرماتے ہیں[1]:

"میرے نزدیک یہ ضروری ہے کہ ہندوستانی U، Uh، Un، اور Unh کو الگ الگ چار صوتیے (Phonemes) گردانا جائے"۔

(اردو نامہ کراچی شمارہ ۲۷)

1. Phoneme, p. 85.

ڈاکٹر آمنہ خاتون

قواعد و اسلا کی بحث

مصنفہ کا یہ مضمون بہ صورت مراسلہ ڈاک میں گم ہو جانے کے باعث بہت تاخیر سے شائع ہو رہا ہے ۔ اس کی گمشدگی کسی قدر غلط فہمی کا باعث بھی ہوئی اور موصوفہ کو دوبارہ مضمون مرتب کرنا پڑا ، جس کا ادارے کو بہت افسوس ہے ۔ ان کے تعاون اور اس اہم مسئلے سے ان کے شغف کا ہم دلی اعتراف کرتے ہیں ۔ البتہ یہ صراحت ضروری ہے کہ مرتبین لغت کی حیثیت سے ہم اختراع یا اجتہاد کا حق نہیں رکھتے ۔ حتیٰ کہ املا میں جو اصول اختیار کیے جائیں ان کی بھی سند مہیا ہونی ضروری ہے ۔ املا و تلفظ میں توافق جتنا ہو اچھا ہے ، لیکن کم ہوتا ہے ۔ فاضل مصنفہ کی یہ کوشش کہ املا میں باقاعدگی ہونی چاہیے بہرحال قابل قدر ہے ۔

(ادارہ)

اردو نامہ شمارہ دہم وصول ہوا اس میں شمارۂ پنجم پر میرا تبصرہ چھپ گیا ہے ، ادارۂ تحریر کی فراغ دلی ، رواداری اور سب سے بڑھ کر انصاف پسندی کا مزید شکریہ ۔ اردو کی بقا اور تحفظ کے لیے ایسے ہی اداروں کی ضرورت ہے ، میرا پچیس برس کا تجربہ ہے کہ کسی ادیب یا ادارے کو کوئی تبصرہ لکھ کر بھیجا تو وہ شائع نہیں کیا گیا اور اگر میں نے خود شائع کر دیا تو وہ اشاعت خفگی اور ناراضی کا باعث بنی ، البتہ مخدومی امتیاز علی خاں صاحب عرشی اور ترقی اردو بورڈ کراچی اس سے مستثنیٰ ہیں ۔ ترقی اردو بورڈ سے اردو کی ترقی کی بہت سی امیدیں وابستہ ہیں اور میں نہایت شکرگزار ہوں کہ اس نے میرے تبصروں پر غور فرمایا اور بعض کو اختیار بھی کیا ، لیکن مجھے اعتراف ہے کہ اس بحث میں کہ "جب کسی لفظ کا آخری حرف

الف ہوتا ہے اور تحمل کسرۂ اضافت کے لیے ایک "ے" زیادہ کر دی جاتی ہے تو اس "ے" پر ہمزہ لکھنا چاہیے یا نہیں" میرا بیان — مطبوعہ شمارۂ دہم — کافی صاف اور واضح نہیں تھا ورنہ "اردو لغت کی چوتھی قسط" میں صحیح اور غلط سبھی قسم کے رسم خط اکٹھے نہ لکھ دیے جاتے مثلاً

ابنا — ابنأ جنس — ابناے/ئے دنیا (ص ۶۶-۶۷)

جب لفظ "ابنا" بغیر ہمزہ ہے تو حالت اضافت میں اس کی صرف ایک صورت "ابناے" صحیح اور بقیہ دو صورتیں "ابناء" اور "ابنائے" غلط ہیں۔

یہ رسم خط اختلافی نہیں ہیں جیسے بعض لفظوں کی تذکیر و تانیث اختلافی ہے، اس لیے دونوں کو بحال رکھنا ضروری ہے یا جیسے واو پر ختم ہونے والے کلمۂ ثنائی غیر متوالی الحرکات الفاظ کے آخر میں اضافت کے لیے "ے" کا الحاق اختیاری ہے۔ مثلاً "ابروِ ہلال" یا "ابروے" دونوں طرح درست ہے، لیکن کلمہ ثنائی و متوالی الحرکات میں "ے" کا الحاق واجب ہے۔ اس لیے "بوے گل" اور "سبوے آب" صحیح ہیں اور "بوِ گل" اور "سبوِ آب" غلط۔

اس مرتبہ میں نے اس مسئلے پر کافی اور واضح طور پر بحث کی اور یقین ہے کہ اب کوئی شبہ باقی نہیں رہ جائے گا۔ اردو کے ذمہ دار اداروں کے کاتبوں اور کمپازٹروں کی تربیت بھی ناگزیر ہے اور ان کی ہدایت میں کافی وقت صرف ہونا چاہیے، ان کا اناڑی پن مضمون کا ستیاناس کر دیتا ہے۔ چنانچہ میرے تبصرے میں اکثر جگہ جہاں "ے" پر "ء" نہیں چاہیے تھا، کاتب نے عادۃً ہمزہ لکھ دیا ہے گویا اردو کا رسم خط ایک تندرست آدمی ہے کہ غذا کی کمی بیشی سے اس کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا اور ہوی کی جگہ ہوئی، جائں کی جگہ جائیں، ابناے جنس کی جگہ ابنائے جنس، کوی کی جگہ کوئی، آے کی جگہ آئے اور بالعکس لکھ دینے سے اس کا مزاج نہیں بگڑتا۔ یا یہ کہ اردو رسم خط کو اپنے حرکات و سکنات پر قابو نہیں ہے۔ اردو کے رسم خط میں تساہل کی وجہ سے کئی بے اصول باتیں رائج ہو گئی ہیں اور تقلید و تکرار کی وجہ سے مستند ہوتی جا رہی ہیں اور غلط العام کا درجہ اختیار کر رہی ہیں اور عوام اس دھوکے میں ہیں

کہ اہل زبان رسم خط کو حسب دلخواہ مسخ کرنے کے مجاز ہیں۱ - ایسی بے اصولیوں کی روک تھام "ترقی اردو بورڈ" ہی کر سکتا ہے ، اس کے قیام کی علت غائی جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے یہی ہے - آپ کی ذمہ داریاں اب نہایت کٹھن ہیں لیکن آئندہ نہایت مشکور ہوں گی کہ آپ نے اردو کے رسم خط کو اس دور میں مقرر و معین کیا یا کم از کم اردو لغت میں رسم خط کی یکسانی کا اہتمام کیا -

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی مساعی کے ذریعے اردو کو سرخ رو اور سر بلند کرے -

خاکسار آمنہ خاتون

اردو لغت صفحہ ۶۱ کالم ۱

کیا منہ ہے جو اخبار لکھیں تو یہ ابل جائیں
یا طعن کے الفاظ زبانوں سے نکل جائیں

جائیں کی جگہ جائی چاہیے - اردو نامہ شمارہ ۱۰ صفحہ ۹۲ پر میں نے عرض کیا کہ "جاے" باہمزہ و یائے مجہول بروزن "پائے" (ایک پاؤں) یا "آئے" بھی ہے اور "جاے" با یائے مجہول بغیر ہمزہ بروزن "پاے" (پاؤں) ، ع :

درختے کہ اکنوں گرفت است پاے — بہ نیروے شخصے بر آید ز جاے

"آے" بھی ہے مثلاً :

کیا قہر ہے تو نعش پہ بھی اس کے نہ آئے
گر کشتہ شود در رہ تو بے سر و پائے
(ایک بے سر و پا)

بود بہ دیدۂ من اے کہ جاے تو بہتر
مری نظر سے پرے تو نہ جاے تو بہتر

۱ - اس سلسلے میں میری تالیف "لطائف السعادت" کے صفحہ ۱۳۱ پر "بعض فصیحوں پر تنقید (میر اور سودا)" کے تحت انشا کی رائے نہایت اصولی اور تعمیری ہے - آمنہ خاتون -

اور یہ بھی عرض کیا تھا کہ "جانے" با ہمزہ و یاے مجہول کی جمع "جائیں" اور "جاے" یا یاے مجہول بغیر ہمزہ کی جمع "جائں" با ہمزۂ مکسور و نون غنہ بغیر یا آتی ہے مثلاً :

اگر تنہا تجھے ہم دیکھ پائیں   تمنا ہے کہ لیں تیری بلائیں
کذا

کذا

ہے دل میں تیرے مکھڑے کی لیں ہم بلائیں آج

کذا

گو اس میں اپنے جی سے گزر کیوں نہ جائیں آج

بلائں ، جائں چاہیے

(دریاے لطافت مرتبہ باباے اردو ص ۱۱۰-۱۱۱)

مرشد آبادی نسخے میں رسم خط یوں ہے ، ص ۱۷۹

و جاے با یاد حق یکی بغیر ہمزہ و جائن با ہمزہ مکسور و نون غنہ بغیر یاد حق نیز مستعمل فصحا باشد . . شعر :

ہے دل میں تیرے مکھڑے کی لیں ہم بلائن آج
گو اس میں اپنے دل سے گزر کیوں نہ جائن آج

مولوی امام بخش صہبائی دہلوی بھی "رسالہ قواعد صرف و نحو اردو" مطبوعہ مطبع نامی منشی نولکشور، میں ہر جگہ یہ دونوں صیغے لکھتے ہیں ، چنانچہ :

"اور مضارع کے بھی بارہ صیغے ہوتے ہیں اس تفصیل سے - آے ، آئے ، آوے فعل واحد غائب یا غائبہ کا - آین ، آئیں ، آوین - فعل جمع غائب یا غائبہ کا" صفحہ ۲۹ ، صیغہ استقبال کا آے گا ، آئے گا ، آویگا تینوں صورتوں کے ساتھ فعل واحد غائب مذکر کا ، آے گی ، آئے گی ، آوے گی فعل واحد مؤنث غائب کا صفحہ ۳۰ ، "اور صیغہ حال کا . . . آے ہے ، آئے ہے آوے ہے مفرد مذکر یا مؤنث . . . آین ہیں ، آئیں ہیں ، آویں ہیں جمع مذکر یا مؤنث غائب" صفحہ ۳۱ - (صہبائی کی اس تصنیف کا "باب تیسرا لغت میں" اور "باب چوتھا امثال میں" مرتبین "اردو لغت" کی نظر میں ضرور ہوگا) -

میں دو امور کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتی ہوں ، ایک یہ کہ فصحا کی زبان پر "جائیں" بھی ہے اور "جائں" بھی ، اس لیے دونوں یکساں فصیح ہیں ۔ دوسرا یہ کہ "جائں" کا جو تلفظ انشا نے الفاظ میں لکھا ہے ، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انھوں نے مذکور شعر میں "جائں" "بغیر یا" لکھا تھا ، علاوہ محمد فسیح الدین علی خاں اور احمد علی گوپاموی نے نسخ متعددہ بہم پہنچا کے "بہ مشقت تمام تصحیح آن بعض آوردند ۔"

نتیجہ یہ کہ جن اشعار میں "جائں" بغیر یا بندھا ہے وہاں اسے بغیر یا حرف ہمزہ کے ساتھ اور جہاں "جائیں" با ہمزہ و یاے مجہول بندھا ہے وہاں ہمزہ اور یاے مجہول دونوں کے ساتھ لکھنا چاہیے تا کہ اردو کے رسم خط کو حتی الوسع تلفظ کے مطابق بنانے کا عزم مستقل رہے ، کیوں کہ ارتقا کی شرط ہے مستقل ارادہ ۔

دریاے لطافت کے اورنگ آبادی نسخے میں سہواً اس کا اہتمام نہ ہو سکا اور علامہ کیفی نے اورنگ آبادی نسخے کا اردو میں ترجمہ کرتے وقت مرشد آبادی نسخے سے استفادہ نہیں کیا ، جبھی تو ان کے قول و فعل میں مطابقت نہیں رہی ، چنانچہ فرماتے ہیں :

"اور 'جاے' (ے کے ساتھ بغیر ہمزہ کے) اور جائیں (ہمزہ مکسور اور نون غنہ بغیر ے) بھی فصحا کا مستعمل ہے ، مثال :

.... بلائیں آج .... جائیں آج

(صفحہ ۱۹۴ دریاے لطافت اردو ترجمہ)

جس طرح شعر میں "مرے" کی جگہ "میرے" اور "اک" کی جگہ "ایک" اور بالعکس لکھنا غلط ہے ، اسی طرح "جائں" کی جگہ "جائیں" اور بالعکس لکھنا غلط ہے مثلاً :

دیوان غالب از عرشی

لیتا نہیں مرے دل آوارہ کی خبر
اب تک ، وہ جانتا ہے کہ میرے ہی پاس ہے — ص ۲۰۴

صد حیف ! وہ ناکام کہ اک عمر سے غالب
حسرت میں رہے ، ایک بت عربدہ جو کی — ص ۲۲۸

لیکن اسی دیوان کے حصۂ سوم ، یادگار نامہ کے گیارہویں قطعے میں، اس کی پابندی نہیں ہوئی مثلاً :

سوا ناج کے جو ہے مقلوب جاں نہ واں آم پائیں نہ انگور پائیں

وہ کھٹے کہاں پائں املی کے پھول وہ کڑوے کریلے کہاں سے منگائں

(متقارب اجتماع قصر و حذف)

ان اشعار میں سب جگہ پائیں با ہمزہ و یائے مجہول لکھا ہے ، حالانکہ صرف پہلے شعر کے دوسرے مصرعے کے حشو میں "پائیں" با ہمزہ و یائے مجہول اور اسی مصرعے کے حذب اور دوسرے شعر کے حشو میں "پائں" با ہمزۂ مکسور و نون غنہ بغیر یا چاہیے۔

اس قطعے کے بقیہ چار قافیوں "کھائیں ، جائیں ، پکائیں ، اٹھائیں" میں بھی "یا" لکھنا غلط ہے ورنہ مصرعے سالم ہو جائیں گے ، مثلاً :

نہ واں آم پائیں نہ انگور پائیں ، بروزن فعولن چار بار

اردو لغت قسط نمبر ۴ :

صفحہ ۶۳ کالم ۲ : اس میں کیا شک ہے کہ محکم ہے یہ ابلیسی نظام
پختہ تر اس سے ہوئے خوئے غلامی ہیں عوام

بجائے ہوے اور خوے غلامی

صفحہ ۶۶ کالم ۱ : ابنا — رسم خط صحیح

صفحہ ۶۶ کالم ۲ : ابنائے وطن — ابنا ے وطن چاہیے

صفحہ ۶۷ کالم ۱ : ے/ئے دنیا — ابنا ے دنیا چاہیے

صفحہ ۶۷ کالم ۱ : ے/ئے دہر — ابنا ے دہر چاہیے

فارسی میں بعض اسم اور فعل ایسے ہیں جن کے آخر کی یا ان اسما اور افعال کی ساخت میں داخل ہوتی ہے یعنی وہ جزو کلمہ اور اصلی ہوتی ہے ، الحاق نہیں ہوتی ، اور ایسے اسما اور افعال کی دو قسمیں ہوتی ہیں - ایک وہ قسم جس میں یا سے پہلے الف ہوتا ہے ، دوسری وہ جس میں یا سے پہلے واو ہوتا ہے -

پہلی قسم — اسم — جاے، پاے، تاے، ہماے
فعل — ساے، خاے، کشاے، نماے

دوسری قسم — اسم — روے، بوے، موے، خوے
فعل — گوے، جوے، بوے، روے
(از گوید، جوید، بوید، روید)

لیکن یہ اسم یا کے بغیر بھی مستعمل ہیں مثلاً جا، پا اور رو، بو۔ فعل کشا، نما اور گو، جو۔

توصیفی، اضافی، بیانی کسی طرح کی اضافت ہو "اگر مضاف کا اخیر حرف الف مدہ ہو اس پر کسرہ اضافت کا ثقیل سمجھا جاتا ہے، لہذا ایک یاے تحتانی تحمل کسرہ کے لیے زیادہ کی جاتی ہے، جیسے داناے راز" (دستور نامہ فارسی[1] ص ۹۸)

اس قاعدے کی رو سے لفظ "جا" کو "استاد" سے مضاف کریں تو "تحمل کسرہ" کے لیے ایک یاے تحتانی زیادہ کی جائے گی مثلاً "جاے استاد" لیکن اگر لفظ "جاے" یا یاے تحتانی مضاف ہے تو چوں کہ یا پر کسرۂ اضافت ثقیل نہیں ہے یا کو کسرہ دے دیتے ہیں مثلاً "جاے استاد" اور دونوں صورتوں میں ہمزہ کا کوئی کام اور مقام نہیں ہے۔

غالب نے یہی قاعدہ مجمل طور پر یوں لکھا تھا:

"اقسام یاے تحتانی یاد رکھو تحتانی تین طرح پر ہے:

اجزو کلمہ — ع — ہماے بر سر مرغاں ازاں شرف دارد

ع — اے سرنامہ نام تو عقل گرہ کشاے را

۱۔ مصنفہ مولوی حکیم حسین شریف حکمی، مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی سنہ ۱۳۱۸ھ۔ حکمی کی ولادت سنہ ۱۸۵۶ء میں بنگلور میں اور وفات سنہ ۱۹۱۱ء میں ویلور میں ہوئی۔ ادبیات فارسی میں ید طولیٰ حاصل تھا۔ "زرمشت افشار" اور دستور نامہ فارسی صرف و نحو میں آپ کی نہایت بلند پایہ تصانیف ہیں۔ دستور نامہ کے متعلق مولانا شبلی لکھتے ہیں کہ کوئی شبہہ نہیں کہ یہ کتاب ایک معرکہ آرا کتاب ہے۔ مصنف نے مشکل اور اہم مسائل کو بڑی بسط و تنقید سے لکھا ہے۔ بہت سے

فٹ نوٹ باقی صفحہ ۱۷۲ پر

یہ ساری غزل اور مثل اس کے جہاں یائے تحتانی جزو کلمہ ہے ، اس پر ہمزہ لکھنا گویا عقل کو گالی دینا ہے ۔"

اسی قاعدے کو سید احمد علی یکتا "دستورالفصاحت" میں یوں لکھتے ہیں :   ع   "و الفے کہ در آخر کلمات می باشد"

اگر آن کلمہ موصوف یا مضاف بود دریں محل یائے مجہول آخر آن الف می آرند برائے وقایہ کسرہ چنانچہ درجائے خوش و پائے فیل است ۔"

یکتا نے جو مثالیں دی ہیں وہ بیس بسوے درست نہیں، یہ صرف اسی صورت میں صحیح ہیں کہ جائے اور پائے میں یا کو جزو کلمہ نہ مانیں ۔

"اور اگر حرف اخیر مضاف کا واو سہ کلمہ ثنائی اخیر میں واقع ہو جیسے بو ، خو ، رو ، سو وغیرہ یا متوالی الحرکات کے جیسے رفو ، سبو ، گلو ، نکو وغیرہ تو یہاں بھی الف والے مضافوں کی طرح جن کا بیان ابھی اوپر گذرا تحمل کسرۂ اضافی کے لیے یائے تحتانی کا الحاق واجب ہوگا جیسے بوے گل ، روے زمیں ، موے سر ، سبوے آب ، گلوے صراحی وغیرہ . . .

بقیہ صفحہ ۱۶۱

اصول اور قواعد خود بھی ایجاد کیے ہیں ۔ مصنفین سابق سے جا بجا اختلاف بھی کیا ہے اور وہاں بہت زور طبع دکھلایا ہے ۔ اس قدر ہے کہ یہ کتاب بوجہ دقت مضامین کے منتہیوں کے قابل ہے ۔ حکمی عربی کی تحصیل کے لیے سنہ ۱۸۷۶ء میں دیوبند گئے ، مولوی محمد اشرف تھانوی کے ہم جماعت ہیں ۔ سنہ ۱۸۸۸ء میں فارغ التحصیل ہوئے ، پھر مدرسہ طبیہ دہلی میں حکیم محمود خاں سے طب پڑھی ۔ حافظ عبدالوہاب صاحب انصاری المعرف بہ حکیم نابینا اور حکیم اجمل خاں مرحوم کے ہم جماعت ہیں ۔ سنہ ۱۸۹۳ء میں اول درجے میں کامیاب ہوئے ۔ نظیر حسین رئیس لکھنؤ نے طلائی تمغہ عطا کیا ۔ اسی سنہ میں حیدرآباد گئے گزار حوض حیدرآباد میں سکونت تھی ۔ سنہ ۱۹۰۷ء تک وہاں رہے ، اردو اور فارسی کلام کثرت سے ملتا ہے ۔ تصانیف میں شرح درۂ نادرہ نثر میں اور سفینتہ الجواہر نظم میں خاص رتبے کی کتابیں ہیں ۔"

اگر کلمہ ثنائی متوالی الحرکات نہ ہو جیسے ابرو ، بازو ، پہلو ، گیسو ، ہندو وغیرہ تو الحاق یا کا واجب نہ ہوگا ، خواہ سائر مضافات کی طرح کسرۂ اضافی پر کفایت کریں جیسے رفیع :

توان بہ معنی وحدت ز حسن یار رسید
ہلال ابرو او مطلعیست در توحید

خواہ کلمۂ ثنائی اور متوالی الحرکات کی واو کی طرح یا تو صرف یاے تحتانی ملحق کریں ، خواجہ کرمانی :

برآوردہ تیغ صبح از نیام   گشایندۂ چین ز ابروے شام
(دستور نامہ فارسی صفحہ ۹۸-۹۹)

خلاصہ یہ کہ جس لفظ کے اخیر میں الف ، واو اور ہاے مختفی کے سوا عربی فارسی کے بقیہ انتیس حروف میں سے کوئی بھی حرف ہوتا ہے اور وہ لفظ مضاف ہوتا ہے تو آخری حرف مکسور ہو جاتا ہے مثلاً کتاب زید، اگر آخری حرف الف ہوتا ہے تو تحمل کسرۂ اضافت کے لیے ایک یا زیادہ کر دی جاتی ہے ، اگر آخری حرف واو ہوتا ہے تو حرکات ما قبل کی رعایت سے کبھی واو کو کسرہ اور کبھی واو کے بعد یا بڑھا کر اس کو کسرہ دیتے ہیں اور اگر آخری حرف ہاے مختفی ہے تو ہا پر ہمزہ بڑھاتے اور اس کو مکسور کرتے ہیں اور یہی ہمزہ شدید مغالطوں کا باعث بنا ہے ، صاحب دستور نامۂ فارسی نے نہایت نکتہ رسی سے اس ہمزہ کی اصلیت پر بحث کی ہے ، لکھتے ہیں :

"اور اگر اخیر حرف مضاف کا ہاے مختفی ہے تو چوں کہ اس میں صلاحیت کسرہ قبول کرنے کی نہیں ہے تحمل کسرۂ اضافت کے لیے ایک ہمزہ زیادہ کر دیا جاتا ہے جیسے بندۂ خدا ، مجھ سے پوچھیے تو وہ یاے تحتانی بصورت ہمزہ ہے جیسے ہمزہ یا کی صورت پاتا ہے یا بھی ہمزہ کی شکل میں آتی ہے ، . . . . اس شکل (ء) ہمزہ کو ذرا غور سے ملاحظہ فرمائیے یہ بعینہ نصف بالائی حصہ یا کا ہے ، بلکہ کامل یا ہے صرف ایک دامنہ جو روانی قلم میں نکلتا ہے رہ گیا ہے اور اگر اس کے بالائی سرے کو نکال دیجیے دیکھیے (ء) کامل واو ہے اور جو اس کے انحنا کو لحاظ نہ کریں ایک مرتعش کے ہاتھ کا لکھا ہوا الف ہے ، چنانچہ غالب فرماتے ہیں ع

الف منحنی بود ہمزہ ، غرض جب کہ اس میں کیفیت ان تینوں حروف علت کی بالقوہ موجود ہے تو حالت منحنی میں الف کی صورت پاتا ہے ، حالت ضمی میں واو کی شکل لیتا ہے ، حالت کسری میں یا بن جاتا ہے جیسے ماموں ، موسن ، ایمان (ص ۱۰۰-۱۰۱) -

میں نے اپنے طور پر "تحقیقی نوادر" میں ہمزۂ وقایہ' کسرہ کو یاے مجہول ثابت کیا تھا ، اگرچہ اس زمانے میں بھی دستور نامہ فارسی میرے کتب خانے میں تھا لیکن مذکور تحقیق پر میری نظر نہیں پڑی تھی ، ورنہ میں ضرور دستور نامے کا حوالہ دیتی ، اب معلوم ہوا کہ اس انکشاف کی داد کے مستحق مولانا حکمی ہیں ، "تحقیقی نوادر" کا اقتباس یہ ہے :

"غالب کہتے ہیں کہ آسیا اور آشنا ، فدا اور رہنما یعنی وہ لفظ جن کے آخر میں الف ہے جب کسی لفظ کی طرف مضاف ہوتے ہیں تو اضافت کے لیے الف کو کسرہ دینا محال تھا ، کیوں کہ یہ الف مبنی ہوتا ہے اور اس پر کوئی حرکت نہیں آ سکتی ، اس لیے الف کے بعد ایک یاے مجہول کا اضافہ کر کے اس کو مکسور کیا ، اس کو یاے وقایہ کہتے ہیں مثلاً لفظ خدا کے آخر میں الف ندا بڑھانے کی ضرورت ہوئی تو یہی یاے وقایہ بڑھا کر خدایا بنایا اور اردو میں مادۂ فعل پا اور پکوا کے آخر میں ماضی مطلق بنانے کے لیے الف بڑھانے کی ضرورت ہوئی تو بھی یہی وقایہ بڑھا کر پایا اور پکوایا بنایا ۔

ایک نکتہ ، گربہ میں یاے مقصور ہے اور دیبا میں یاے ممدود ، یعنی ایک کے آخر میں زبر ہے اور دوسرے کے آخر میں الف اور زبر ، جب کھینچ کر پڑھا جاتا ہے تو الف بن جاتا ہے یعنی مرزا خان کی (مرزا خان ابن فخر الدین محمد کی تصنیف قواعد کلیہ بھاکا) کی اصطلاح میں جس کو ہم الف کہتے ہیں وہ زبر ممدود ہے اور جو زبر ہے وہ الف مقصور ، جب ثابت ہو گیا کہ گربہ کے آخر میں الف مقصور ہے تو یہاں بھی اضافت کے لیے یاے وقایہ بڑھانا پڑا نحویوں نے یہی کیا ، یعنے ایک یاے مجہول (ء) اس پر لکھ دی اور اسے ہم نے کم نظری سے ہمزہ سمجھ لیا ، اب "علماے دین" کی یاے وقایہ پر ایک ہمزہ بزعم خود بڑھانا گویا ایک اور یاے وقایہ بڑھانا اور بقول غالب گویا عقل کو گالی دینا ہے" ۔ تحقیقی نوادر (صفحہ ۶۸-۶۹) -

صفحہ ۶۲ کالم ۱ ع ابلہ' جنت تری تعلیم سے دانائے کار — صحیح ابلہ جنت و دانائے کار بغیر ہمزہ "ابلہ' جنت" غلط ہے ، اس کی جگہ "ابلہ جنت چاہیے" ہمزہ وقایہ کسرہ صرف ہائے مختفی پر آتا ہے ، ابلہ کی "ہ" مظہرہ ہے ، یہ خود مکسور ہو جاتی ہے ، اس پر ہمزہ نہیں بڑھاتے ۔ اس کے ثبوت میں کہ ابلہ میں ہائے مظہرہ ہے اسی کالم میں دو مثالیں موجود ہیں :

۱ - ع ابلہ کسو کو ہوگی اس بد بلا کی خواہش — ابلا ک ۔ مفعول

۲ - ع دنیا طلب کو چاہیے ابلہ فریب ہو — ء ابلہ ف ۔ مفاعیل

"ابلہِ جنت" فاعلاتن فع ۔ میں یائے بطنی ہے جو صرف تقطیع میں ظاہر ہوتی ہے ، کتابت میں نہیں آتی ، اسی طرح ع مالک اقبال روشن صاحب رائے منیر (صفحہ ۴۷ کالم ۱) فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلان میں "رائے" کی "یا" اصلی ہے ، اضافت میں اس کو مکسور کر دینا کافی ہے ۔ اس پر ہمزہ بڑھانا غلط ہے ۔ جیسے "رائے عامہ" لیکن مذکور مصرعے میں مالک ، صاحب اور رائے کے کسرے کے اشباع سے یائے بطنی پیدا ہو گئی ہے لیکن جس طرح مالکے اور صاحبے لکھنا غلط ہے اسی طرح "رائیے" یا دو یاؤں کے جمع ہو جانے کی وجہ سے پہلی یا کو ہمزہ سے بدل کر "رائۓ" لکھنا غلط ہے ۔

ع پختہ تر اس سے ہوئے خوئے غلامی میں عوام — بجائے ہوے اور خوے غلامی ۔ ہونا کا ماضی مطلق ہوا اور اس کی جمع ہوے ۔ اس میں یائے مجہول سے پہلے خواہ مخواہ بہ تکلف ہمزہ بڑھانے سے تقطیع میں یہ دشواری ہوی کہ "سے ہُ ئے خو" فاعلاتن میں واو کو جو ہونا مصدر کے مادے ہو کا جزو اصلی ہے ساقط کر کے "ء" کو جو بے قاعدہ طور پر بڑھایا گیا تھا شمار کرنا پڑا اور اگر اس کی تقطیع یوں کریں "سے ہ وے خو" فاعلاتن تو ہمزہ کا جو فضول طور پر بڑھایا گیا تھا کوئی مصرف نہ رہا ۔ قواعد عروض اور منطق کی رو سے ہوئے میں ہمزہ بڑھانا اور پڑھنا غلط ہے ۔ اس پر میرے مطبوعہ مضمون میں تفصیل سے بحث کی گئی ہے ۔

(اردو نامہ شمارہ دہم صفحہ ۹۶)

				غلط	صحیح
صفحہ	۶۶	کالم	۲	ابنأ جنس	ابنائے جنس
صفحہ	۶۶	کالم	۲	ابنأ جہاں	ابنائے جہاں
صفحہ	۶۸	کالم	۱	احوال الانبیا	احوال الانبیأ
صفحہ	۶۹	کالم	۱	ابوآلابا	ابوآلابأ
صفحہ	۶۹	کالم	۱	ابوآلانبیا	ابوآلانبیأ

کسی لفظ کے آخری حرف کا متحرک ہونا فارسی زبان کی ساخت اور مزاج کے ناموافق ہے ، یعنے صاحب دستور فارسی کے الفاظ میں "فارسی میں کل کلمات مبنی علی السکون ہیں" ص ۹۲ - اس لیے فارسی رسم خط میں اور اس کے تتبع میں اردو رسم خط میں بھی عربی الفاظ کے آخر ہمزہ نہیں لکھتے مثلاً علماء ، صحراء ، اداء ، وفاء کے آخری ہمزے اور تنوینیں فارسی اور اردو رسم خط میں حذف ہو کر علما ، صحرا ، ادا ، وفا رہ جاتے ہیں -

یہ سب جانتے ہیں کہ الف متحرک کا نام ہمزہ اور ہمزۂ ساکن کا نام الف ہے یعنی "اس" میں ہمزہ ہے اور "سا" میں الف اور مجازاً ہمزہ کو بھی الف کہنے لگے ، ہمزہ اور الف کا فرق بتانے کے لیے حرف تہجی میں لاٗ (لام الف ہمزہ) کا اضافہ ہوا ، غرض فارسی میں آ کر علماؤ اور صحراؤ کا متحرک حرف ہمزہ آخر میں برقرار نہیں رہ سکتا اور اداؤ و وفاؤ کی تنوینیں اس لیے باقی نہیں رہیں کہ عربی لفظ کے سوا کسی دوسری زبان کا لفظ منون ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا -

"طبقات الشعرأ" کے آخر کا ہمزہ درست ہے کیوں کہ ترکیب عربی ہے ، طبقۂ شرفا یا طبقات شعرا کو جن کی ترکیب فارسی ہے "میسور" کی طرف مضاف کریں تو یائے وقایہ لانا پڑے گا جیسے طبقۂ شرفائے میسور اور طبقات شعرائے میسور اور اگر طبقات الشعراٗ کو میسور کی طرف مضاف کریں تو ہمزے کو صرف کسرہ دے دینا کافی ہے جیسے طبقات الشعراٗ میسور ، اسی طرح افضل علمائے میسور اور افضل العلماٗ میسور کی اضافی ترکیبیں قیاساً درست ہیں ، سراپائے سخن میں خواہ یا کو جزو کلمہ تسلیم کریں خواہ وقایہ دونوں صورتوں میں ہمزہ غلط ہے ، سراپائے سخن بلا ہمزہ چاہیے -

(تحقیقی نوادر — قواعد اردو و رسم خط)

اس لیے اردو لغت میں "ابناء" بجائے "ابنا" اور "احوال الانبیا" بجائے "احوال الانبیاء" لکھنا غلط ہے ، "ابناء جنس" غلط ہے اس لیے کہ ترکیب فارسی ہے "ابنائے جنس" چاہیے لیکن "ابناؤ السبیل" (صفحہ ۶۷ کالم ۲) صحیح ہے کیوں کہ ترکیب عربی ہے -

اے (فت ا ، ی مج بہ کس)

— تیے (فت ت ، ی مج بہ کس)

اے تیے (فت ا ، شدب ، ی مج ، فت ت ، شدب ، ی مع)

ابیچ (فت ا ، ی مع)

ابیر (فت ا ، ی مج)

ابیر (فت ا ، ی مع)

میں نے عرض کیا تھا کہ "واو کے معروف یا مجہول ہونے کے لیے بنیادی شرط یہ ہے کہ اس کا ماقبل مفہوم ہو اور صرف وہی یا معروف یا مجہول ہوتی ہے جس کا ماقبل مکسور ہوتا ہے" -

اس لیے اے کے اعراب میں فت ا ، ی مج کے بعد 'بہ کس' بالکل غیر ضروری ہے -

اسی طرح اے تیے میں فت ت ، ی مج کے ساتھ 'بہ کس' غیر ضروری ہے -

اے تیے ، ابیچ ، ابیر اور ابیر کے اعراب میں ی مج یا ی مع کے بعد "بہ کس" نہیں لکھا ہے اور یہی صحیح ہے ، فقط -

فائدہ : دیوان غالب اردو مرتبہ عرشی کے صفحہ ۸ پر غالب کے کلیات فارسی کے خاتمے کا ایک اقتباس ہے جو رسم خط کا بے عیب نمونہ ہے :

"شیخ علی حزیں ، بخندۂ زیر لبی ، بے راہہ رویہای مرا در نظرم جلوہ گر ساخت ، و زہر نگاہ طالب آملی ، و برق چشم عرفی شیرازی ، مادۂ آن ہرزہ جنبشہای ناروا در پای رہ پیمای من سوخت ، ظہوری ، بسر گرمی گیرائی نفس ، حرزی ببازوی و توشہ بکمرم بست ، و نظیری لاآبالی خرام بہنجار خاصۂ خودم بجالش آورد ، اکنون بیمن فرۂ پرورش آموختگی این گروہ فرشتہ شکوہ ، کلک رقاص من بخرامش تدرواست و برامش موسیقار ، بجلوہ طاؤس است و بپرواز عنقا" -

ذیل میں رسم خط کی بعض غلطیاں جو اردو لغت قسط نمبر ۵ تا ۱۱ میں نظر پڑیں درج ہیں :

شمارہ سیزدہم ، قسط نمبر ۷ : کیا ہے — کیا ہونا چاہیے

صفحہ ۱۰۹ کالم ۱ نہ اپکار کوئی کس پہ کرتا ہے جان — ... کوی

صفحہ ۱۰۹ کالم ۱ اسی میں خیر ہوئی وو کہ (مفاعلین دوبار) — ... ہوی

صفحہ ۱۱۰ کالم ۲ ہائے کمبخت دل اپنا — ہاے...

صفحہ ۱۱۱ کالم ۲ تمہاری — تمھاری - ہاے مخلوط و ملفوظ میں فرق ہونا چاہیے اور یہ ٹائپ میں ممکن ہے -

صفحہ ۱۱۳ کالم ۱ دو ہتڑ — دوہتڑ

صفحہ ۱۱۵ کالم ۲ اپنا توشہ اپنا بھروسہ — اپنا توشا اپنا بھروسا

صفحہ ۱۱۶ کالم ۱ اپنی رائے متزلزل دوسرے کی رائے ناپسند خود عقل نہیں رکھتے دوسرے کی رائے پر عمل نہیں کرتے۔ — راے (سب جگہ)

صفحہ ۱۱۹ کالم ۱ غم دنیاے دوں — درست

صفحہ ۱۱۹ کالم ۲ کوئے بت لالہ فام — کوے بت

صفحہ ۱۲۲ کالم ۲ گھٹنا کھولیے اور آپ لاجوں مرئیے (مرئیے لاج)... کھولئے (کھ ، ول ء ے)
مرئے (م ر ء ے)

صفحہ ۱۲۲ کالم ۲ اپنا گھٹنا کھولیے اور آپ کھولیے - درست ، مرئے - ہی مرئیے لاج

"با ہمزہ و یاے مجہول ہم بعد از امر مفرد حاضر جمع و تشدید حاصل آید مانند ، اٹھئے و بیٹھئے ، (دریائے لطافت صفحہ ۱۱۴ مرتبہ بابائے اردو)"

"علامت مصدر کے حذف کرنے کے بعد اگر حرف صحیح ہے تو لفظ ے بیا ے مثناۃ تحتانی و یاے مجہول بڑھاتے ہیں جیسے دیکھیے ، لکھئے ، کہئے ، آزاد ع اور آگے دیکھئے ابھی کیا کیا ہیں دیکھتے ، غالب :

خامہ انگشت بدنداں کہ اسے کیا لکھئے
ناطقہ سر بہ گریباں کہ اسے کیا کہئے

(مصباح القواعد صفحہ ۶۴)

صفحہ ۱۲۳ کالم ۱ انشائے بادی النسأ — انشاے

صفحہ ۱۲۷ کالم ۱ زانوئے ادب — زانوے

چودھواں شمارہ ، قسط نمبر ۸ : کیا ہے — کیا ہونا چاہیے

صفحہ ۱۲۹ کالم ۱ وجد میں آکے راگ صوفی لائیں — ...لائی
شیخ و زہاد اپنی اپنی گائیں — ...گائی

صفحہ ۱۲۹ کالم ۱ جانے دیجیے ، معاف کیجیے — جانے دیجیے ، کیجیے

"(یا ہمزہ و یاے مجہول ہم بعد از امر مفرد حاضر جمع و تشدید حاصل آید مانند ، اٹھئے و بیٹھئے) لیکن دربعضے مواقع جیم مکسور ماقبل ہمزہ بیفزایند ، مثل کیجئے ، لیجئے ، دیجئے" ۔

(دریاے لطافت ، صفحہ ۱۱۴)

صفحہ ۱۲۹ کالم ۱ آسماں پر روح ، تن زیر زمیں کیوں کر نہ جائے ...جاے

صفحہ ۱۳۵ کالم ۱ اس سودائے خام کو چھوڑو — سوداے ، درست

صفحہ ۱۳۶ کالم ۲ گل سنتے ہیں کب صدائے بلبل — صداے

صفحہ ۱۳۶ کالم ۲ اپنی سی ہزار گائے بلبل — گائے ، درست

صفحہ / کالم	غلط	صحیح
صفحہ ۱۴۳ کالم ۱	اپنے ـ فت ا ، سکن ب ، ی مج بہ کس	بہ کس ، غیر ضروری ، لیکن اس قسم کی غلطیاں اکثر ترک کر دی گئی ہیں ـ
صفحہ ۱۴۳ کالم ۲	بلانا ہے اگر منظور دے گھر کا پتا . . .	پتہ اپنے . . .
صفحہ ۱۴۵ کالم ۱	مجالس النسا	مجالس النسأ

پندرھواں شمارہ ، قسط نمبر ۹ :

صفحہ / کالم	غلط	صحیح
صفحہ ۱۴۸ کالم ۲	ع وہ گرتا تھا آخر بہ روئے زمیں . . .	روے زمیں ، اس مصرع میں روے میں یاے بطنی کا اظہار ہوا ہے جو کتابت میں نہیں آتی ـ
صفحہ ۱۴۹ کالم ۱	رائے نہ دوں گا	راے نہ دوں گا
صفحہ ۱۵۰ کالم ۱	ع محروم باغ کوئے صنم مجھ کو کیا کیا	کوے صنم
صفحہ ۱۵۴ کالم ۲	اپنے کیے کوں پائیں گے (مستفعلن دوبار)	اپنے کئے کو پائیں گے
صفحہ ۱۵۵ کالم ۱	ع سب اہل حشر جب اپنے کیے کو پائیں گے . . .	کیے کو پائیں گے ، درست ، مفاعلن فعلاتن کیے کو پائیں گے مفاعلن فعلن
صفحہ ۱۵۱ کالم ۲	ڈب دکنی زبان میں کمر کو کہتے ہیں ، ملاحظہ فرمائیں مہارانی کالج میسور کا رسالہ "جواہر" صفحہ ۱۴ جس کا ایک نسخہ آپ کی خدمت میں بھیجا گیا تھا ـ	

شمارہ ۱۱ میں میرا مضمون "تعداد و حالت" تردیدی حاشیوں کے ساتھ شائع ہوا ہے ، دوسروں کی تحقیق کی تردید کا ہر شخص کو اختیار ہے لیکن

پہلے اس تحقیق کو پوری طرح سمجھ لینا شرط ہے ، جبھی وہ تردید وقیع ہوتی ہے ۔ تحقیق جتنی جدید ہوتی ہے اتنی ہی دیر اور مشکل سے سمجھ میں آتی ہے ، اس لیے کہ ذہن میں اس کے سمجھنے میں آسانی پیدا کرنے والا کوئی تصور پہلے سے موجود نہیں ہوتا ۔ مذکور تردیدی حاشیوں کی بنیاد عجلت اور دوسروں کی تحقیق پر چشم کم سے نظر کرنے پر ہے ۔ علاوہ اس تردید کو علاحدہ اور مستقل طور پر شائع ہونا چاہیے تھا ، اس کے برخلاف وہ میری تحقیق کے ساتھ ساتھ اس کو ٹوکتی ہوئی چلتی ہے ، اس پر مجھے علامہ شبلی کی سیرۃالنبی حصہ اول کے اس جملے کی طرف رجوع کرنا پڑا :

"آنحضرت صلعم کا ایک چچا ہر جگہ ساتھ ساتھ جاتا اور جب آپ کسی مجمع میں تقریر کرتے تو برابر سے کہتا کہ "دین سے پھر گیا ہے اور جھوٹ کہتا ہے"۔ (صفحہ ۲۵۳) کسی مسئلے پر جب تک تائیدی و تردیدی بحث نہیں ہوتی صحیح فیصلے پر پہنچنا آسان نہیں ہوتا ، لیکن مباحثے کے آداب میں یہ امر ملحوظ رہتا ہے کہ کوئی بیچ میں نہ بولے ورنہ وہ مجادلہ بن جائے گا ، علاوہ کسی شخص کی بزرگی اس امر میں نہیں ہے کہ اس کو رائے دینے کا اختیار ہے بلکہ اس کی بزرگی ان آرا سے ظاہر ہوتی ہے جو اس نے دی ہیں ۔

بحث صرف اتنی تھی کہ ہر زبان میں جمع بنانے کے قاعدے علیحدہ ہوتے ہیں ، اردو میں بھی جمع بنانے کے خاص قاعدے ہیں یعنی اردو میں لفظ خواہ ، کسی زبان سے آئے ہوں ان کی جمع اردو گرامر کے لحاظ سے بنتی ہے ۔ یہ صحیح ہے کہ زبان دانوں ، نے عربی لفظوں کی عربی اور اردو دونوں جمعیں استعمال کی ہیں لیکن آج جب کہ اردو میں ایک مستقل زبان کے لوازم تمام و کمال مہیا ہیں ہم اردو جمعوں کو کیوں نہ ترجیح دیں اور عربی جمعیں بے تحاشا استعمال کرنا کیوں ترک نہ کر دیں ، اس سے اردو کی انفرادیت اور خودداری بڑھتی ہے ۔ عربی جمعوں کا استعمال خاص خاص صورتوں ہی میں پابندی کے ساتھ ہونا چاہیے تا کہ شاعر اور ادیب کا تمام تر رجحان اردو لغت اور گرامر کی طرف رہے ۔ اس سے اردو زبان کو مکمل بننے میں مدد ملتی ہے اور اس کا وقار قائم رہتا ہے ، میرے دونوں مطبوعہ مضامین میں میرا واحد اور واضح اصول یہ ہے کہ اردو کی تحریریں اردو کے

قواعد سے زیادہ سے زیادہ قریب رہیں اور یہ اصول محض قیاسی طور پر نہیں بلکہ زبان دانوں کی تحریروں ہی سے مثالوں کے ساتھ اخذ کیا گیا ہے -

حاشیہ نویس پر یہ اصول جب تک واضح نہیں ہوتا میرے مضامین کے سمجھنے میں مزید غلطیوں کا امکان ہے - میں نے کوئی مثال ایسی نہیں لکھی جو زبان دانوں اور ادیبوں کے روزمرہ اور بول چال میں استعمال نہ ہوئی ہو - میں نے کہیں یہ نہیں لکھا کہ عربی کی جمعیں استعمال کرنا غلط ہے ، بلکہ ہر جگہ یہی لکھا ہے کہ قواعد اردو کے خلاف یا غیر ضروری یا بے سود یا مبتذل ہے - ایسی تجویزوں پر جو اردو کی "حیثیت" میں اضافے کی نیت سے پیش کی جاتی ہیں تعمیری طور پر غور ہونا چاہیے - حاشیہ نویس کا مضمون نگار کو اردو کے زبان دانوں ، ادیبوں اور فصیحوں کی تحریروں کی طرف توجہ دلانا تحصیل حاصل ہے -

صفحہ ۵ ، حاشیہ ۱ :

میں نے لکھا تھا کہ اردو میں "شخص" اور "مقام" واحد بھی ہیں اور جمع بھی ، اس لیے حرف ربط کی عدم موجودگی میں ان کی عربی جمعیں "اشخاص" اور "مقامات" استعمال کرنا بے سود ہے اور "بہت سے شخص" میں "بہت سے" لفظ "شخص" کے جمع ہونے کا قرینہ ہے تو اشخاص لکھنے کی ضرورت نہیں -

حاشیہ نویس فرماتے ہیں : "کلیہ قاعدہ نہیں بنایا جا سکتا کہ "بہت سے" کے بعد عربی جمع کے بدلے واحد ہی استعمال کیا جائے کیوں کہ اکثر صورتوں میں یہ غیر فصیح ہوگا مثلاً "بہت سے اصحاب موجود تھے" کی جگہ اگر یہ کہا جائے کہ "بہت سے صاحب موجود تھے" تو یہ جملہ روزمرہ کے خلاف ہے ، یہی صورت "بہت سے شخص" کی ہے کیوں کہ "بہت سے شخص کہتے تھے کوئی نہیں بولتا" یعنی حاشیہ نویس جس بول چال اور اسلوب بیان سے واقف نہیں وہ "روزمرہ کے خلاف ہے" اور ویسا "کوئی نہیں بولتا" علاوہ اس امر پر کہ عربی کے واحد لفظ اردو میں بطور جمع استعمال ہوتے ہیں یا نہیں "بہت سے" کی روشنی میں نظر کرنا غلط مبحث ہے -

ان مثالوں میں :

شمع تھا تخت حکومت پہ گرد صاحب تھے
دو رویہ کرسیوں پر سات سو مصاحب تھے (اوج)
(نور اللغات)

تری گلی سے نکلنا ہمیں قیامت ہے
قدم قدم پہ ہزاروں مقام کرتے ہیں (داغ)
(نور اللغات)

"اگلے سال بہتر شخص حج کے زمانے میں آئے" (شبلی)
(صفحہ ۲۶۴)

"زہری کے تلامذہ میں سے دو شخصوں نے اس فن میں نہایت شہرت حاصل کی اور یہی دو شخص ہیں جن پر اس فن کا سلسلہ ختم ہوتا ہے"
شبلی (صفحہ ۲۲ ، سیرت النبی حصہ اول)

صاحب ، مصاحب ، مقام اور شخص ، عربی کے لفظ ہیں اور واحد ہیں ، لیکن سب کے سب اردو گرامر کے لحاظ سے بطور جمع استعمال ہوئے ہیں ، علاوہ "سات سو مصاحب" ، "ہزاروں مقام" اور "بہتر شخص" روزمرہ کے مطابق ہیں تو "بہت سے مقام اور صاحب اور مصاحب اور شخص" بھی روزمرہ کے مطابق ہیں ۔

صفحہ ۶۷ ، حاشیہ ۱ :

میں نے لکھا تھا کہ "بعض وقت و ن کا تکرار مخل فصاحت ہوتا ہے۔ "اس میں "کا" اور "ہوتا" کو "کی" اور "ہوتی" بنایا ہے اور یہ حاشیہ لکھا ہے" تذکیر غریب اور تانیث عام طور سے فصحا میں متداول ہے :

نام شبیر کی ہوتی ہے جو تکرار جلیل
لذت قند مکرر مرے اشعار میں ہے

(سند کے شعر میں عیب یہ ہے کہ اس میں "کی ہوتی ہے" کی جگہ "کا ہوتا ہے" بھی پڑھ سکتے ہیں) ۔

بابائے اردو لکھتے ہیں :

"بعض الفاظ ایسے بھی ہیں جو بعض معنوں میں مذکر ہیں اور بعض معنوں میں مؤنث جیسے" ۔

تکرار - بحث اور جھگڑے کے معنوں میں مؤنث جیسے میری اس سے
تکرار ہو گئی -

تکرار - کسی لفظ کے مکرر لانے کے معنوں میں مذکر جیسے اس لفظ
کا تکرار فصیح نہیں - (قواعد اردو ۱۹۴۰ء صفحہ ۳۹)

بابائے اردو نے تکرار کی تانیث و تذکیر کو اس کے معنوں پر منحصر
رکھا ہے ، اب حاشیہ نویس اس بات کا فیصلہ فرمائیں کہ بابائے اردو کا
قول "غریب" اور آپ کا شمار "فصحا" میں ہے یا نہیں ، حاشیہ نویس کو
جلیل کے کلام پر جتنی نظر ہے اتنی بابائے اردو کی قواعد اردو پر نہیں ہے !

صفحہ ۷۶ ، حاشیہ ۲ :

میں نے لکھا تھا "لیکن قابل داد بات یہ ہے" اس پر حاشیہ ہے "اس
جگہ "داد" ترکیب فارسی میں درست نہیں کیوں کہ یہ اس معنی میں فارسی
نہیں بلکہ اردو ہے" -

"یادگار غالب" کے پہلے ایڈیشن" کی فہرست مضامین میں "داد سخن"
ایک عنوان ہے ، کتاب کی ابتدا ہی میں غلط نامہ بھی ہے اس میں "داد سخن"
کو غلط نہیں لکھا اور صفحہ ۳۷ پر "داد سخن" کے ذیل میں لکھا ہے
"ہماری سوسائیٹی میں جو ایک عام دستور ہے کہ جو شخص اپنا کلام سناتا
ہے اس کے ہر شعر پر خواہ اچھا ہو خواہ برا برابر تحسین و آفرین کی جاتی
ہے الخ" - حاشیہ نویس کی نظر میں مذکور متداول کتاب کا یہ عنوان اگر
ہے تو انھوں نے خواجہ حالی کو بھی زبان دانوں کی فہرست سے "سمجھ
کے دودھ کی مکھی دیا نکال کے پھینک" -

صفحہ ۷۶ حاشیہ ۵ :

میں نے لکھا تھا "بعض مقاموں میں جملہ ہی مہمل ہو جائے گا"
اس پر حاشیہ ہے "مقامات پر" زیادہ فصیح ہے -

صفحہ ۷۸ ، حاشیہ ۴ : "اے" کے بعد "ن" لکھنا درست نہیں -

مذکور دونوں اصلاحوں میں فصاحت کی بہ نسبت قواعد اردو سے
ناواقفیت زیادہ ہے -

صفحہ ۷۷ حاشیہ ۲ :

میں نے لکھا تھا :

حال دل کہنے کی ناسخ جو نہیں پاتا بار
پھینک جاتا ہے وہ اشعار ترے کوچے میں

میں یہ نہیں کہتی کہ "اشعار" کا لفظ غلط ہے بلکہ بے سود اور قواعد اردو کے خلاف ہے" ۔

اس پر یہ عجیب حاشیہ لکھا ہے "خلاف نہیں بلکہ ضروری ہے ۔ "اشعار" کی جگہ شعر کہہ کر دیکھیے اور مصرع یوں پڑھیے : پھینک جاتا ہے وہ شعر ترے کوچے میں ، تو اس سے جمع کے معنی کذا مفہوم نہیں ہو سکیں گے" ۔

اس میں ستم ظریفی یہ ہے کہ پہلے تو ناسخ کے مصرع کو بے سرا کر دیا ، (کہنا چاہیے تھا کہ "اس مصرع کو نثر میں یوں پڑھیے : وہ میرے کوچے میں شعر پھینک جاتا ہے ، پھر "سیاق و سباق کو جو قواعد اردو میں سب سے اہم چیز ہے نظر انداز کر دیا" یعنی لفظ شعر کے جمع ہونے کا کوئی قرینہ باقی نہیں رکھا ، قربانی ناسخ کے مفہوم کی ہوئی لیکن حاشیہ نویس خوش ہیں کہ دوسروں کی تحقیق کا ستیاناس ہو گیا ، ناسخ اگر چاہتے تو جیسے اس مصرع میں ع اس زمیں میں ناسخ اب مستانہ پڑھیے چند شعر لفظ شعر کے جمع ہونے کا قرینہ لفظ چند انھوں نے مہیا کر دیا ہے ، اسی طرح ع پھینک جاتا ہے وہ شعر اپنے ترے کوچے میں ، کہہ کر یا اس سے بہتر کوئی اور قرینہ پیدا کر سکتے تھے ۔

صفحہ ۷۷ حاشیہ ۴ :

سیاق و سباق پر حاشیہ لکھا ہے :

"لفظ کے واحد و جمع استعمال کرنے میں صرف "سباق" کو دخل ہے "سیاق" کو نہیں ، اس شعر میں کلمات سابق سے جمع ہونے کی جانب اشارہ نہیں ہوتا" ۔

اس حاشیے کی اساس الفاظ کے صحیح معنی نہ جاننے اور غلط معنوں پر اصرار کرنے پر ہے ۔

سباق کے معنی ہیں "دوڑنے میں سبقت لے جانا ، فارسی اردو میں سیاق کا مترادف ہے" ۔

سیاق کے لغوی معنی رواں کرنا چلانا ، مضمون کا ربط ، طرز ، ڈھنگ ، قرینہ (فقرہ) ۔ سیاق عبارت سے ظاہر ہے کہ آپ کو دوسری طرف رجحان ہے ، (نوراللغات) ۔

اس لیے یہ کہنا کہ "لفظ کے واحد و جمع استعمال کرنے میں صرف "سباق" کو دخل ہے "سیاق" کو نہیں" بے معنی ہے - حاشیہ نویس کے ذہن میں سباق کے معنی "کلمات سابق" کے ہیں اور "سیاق" کو وہ "سباق" کا ضد سمجھتے ہیں یعنی کلمات لاحق ، حالاں کہ لفظ کے واحد اور جمع ہونے کی جانب کلمات سابق و لاحق دونوں اشارہ کرتے ہیں جیسے ع سمجھ میں آئے نہ راز اس طلسم حیرت کے ۔ اور "میں نے میٹھے آم کھائے" اور "کئی لفظ" اور "لفظ یاد کیے" وغیرہ ۔

صفحہ ۷۷ ، حاشیہ ۵ : میں نے لکھا تھا "چوں کہ" حاشیے میں لکھا ہے "چونکہ" ۔

"چوں" اور "کہ" دو مستقل لفظ ہیں ، ان کو ملا کر دیوں لکھا جائے ۔

صفحہ ۷۸ ، حاشیہ ۱ :

ع انشا بدل کے قافیے اشعار تازہ لکھ
اور اس میں تو معانی عاشق پسند باندھ

اس پر حاشیہ ہے "انشا نے قافیہ (واحد) کہا ہے اور اسی کی یہاں ضرورت ہے "قافیے" (جمع) یہاں درست نہیں" ۔

لیکن ان اشعار کے بارے میں کیا فیصلہ ہے :

قافیے اور نئے سوجھے ہیں مجھ کو انشا
جن میں اشعار کئی رنگ کے ڈھل سکتے ہیں

"کئی رنگ کے شعر" قواعد اردو کے مطابق ہوتے :

انشا بدل کے قافیے رکھ چھیڑ چھاڑ کے
چڑھ بیٹھ ایک اور بچھیرے اکھنڈ پر

صفحہ ۸۰ حاشیہ ۱ :

"مطلب ہے ایک فرق فقط ہے لغات کا (لغت ناسخ کے نزدیک مذکر ہے) ۔

رحم کر عشاق پر گر چاہیے عمر دراز" ۔

میرے مضمون کا پہلا جملہ ہے :

"لفظ خواہ کسی زبان کا ہو جب اس کی جمع قواعد اردو کے مطابق بنتی ہے تو حرف ربط کی موجودگی میں لفظ کے آخر 'و ں' بڑھاتے ہیں اور اگر لفظ عربی ہو اس کی عربی جمع لاتے ہیں الخ" ۔

اس لیے لغات اور عشاق کا استعمال قواعد اردو کے عین مطابق ہے اور بقیہ مثالوں میں جمعوں کا استعمال قواعد اردو کے مطابق نہیں ۔

ناسخ کا پورا شعر ہے :

جو ہے کلام شیخ وہی قول برہمن   مطلب ہے ایک فرق فقط ہے لغات کا

ناسخ کے نزدیک لغات کے مذکر ہونے کا ثبوت حاشیہ نویس کو کسی اور ماخذ سے ملا ہے تو فبہا لیکن مذکور شعر میں "لغات" کی تذکیر یا تانیث کا کوئی قرینہ یا سیاق نہیں ہے ۔

آخر میں آپ سے گزارش ہے کہ اس خط کو ملاحظہ فرمانے کے بعد اردو نامے میں شائع فرما دیں تا کہ جن لوگوں نے میرے مضمون پر تردیدی حاشیے دیکھے ہیں ان کا جواب بھی دیکھ لیں ۔ اس سے دوسروں کو بھی بطور خود صحیح فیصلے پر پہنچنے کا موقع ملے گا ۔ امید ہے کہ یہ خط ضرور پہنچ جائے گا ۔ براہ کرم اس کی وصولی سے مطلع فرمائیں ۔

(اردو نامہ کراچی شمارہ ۲۷)

وارث سرہندی

قواعد و املا کی بحث

"اردو نامہ" شمارہ (۱۷) میں شامل ڈاکٹر آمنہ خاتون صاحبہ کا مضمون "قواعد و املا کی بحث" اس وقت میرے سامنے ہے ۔ ذیل میں اسی کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں ۔ ڈاکٹر صاحبہ نے یہ مضمون بڑی محنت و کاوش سے لکھا ہے اور اس کے پس منظر میں اردو دوستی کا جو جذبہ کار فرما ہے ، لایق ستایش و قابل قدر ہے ۔

اصولی طور پر یہ درست ہے کہ املا اور تلفظ میں یکسانی ہونی چاہیے لیکن عموماً ایسا ہوتا نہیں ۔ انگریزی اور عربی دنیا کی سب سے زیادہ ترقی یافتہ زبانوں میں شمار ہوتی ہیں ، لیکن ان میں بھی یہ توافق تمام و کمال موجود نہیں ۔ بلکہ مقابلۃً اردو میں کتابت و تلفظ میں زیادہ موافقت پائی جاتی ہے ۔

محترمہ نے طنزاً فرمایا ہے ۔ "گویا اردو کا رسم خط ایک تندرست آدمی ہے کہ غذا کی کمی بیشی سے اس کی صحت پر کوئی برا اثر نہیں پڑتا" ۔ محترمہ موصوفہ کے طنز سے قطع نظر ، میں سمجھتا ہوں کہ ان کی یہ مثال دنیا کی ہر ترقی یافتہ زبان پر صادق آتی ہے ۔ جس طرح ایک صحت مند آدمی پر غذا کی چھوٹی چھوٹی بے اعتدالیاں کوئی برا اثر نہیں ڈالتیں ، اسی طرح ایک صحت مند اور ترقی پذیر زبان پر بھی ایسی چھوٹی موٹی بے اعتدالیوں کا کوئی برا اثر نہیں پڑتا ۔ تجربہ شاہد ہے کہ اکثر و بیشتر ایسی بے اعتدالیاں صحت کے لیے مفید ثابت ہوتی ہیں ۔ جو لوگ ہمیشہ پرہیزی غذا کھاتے ہیں ان کی قوت مدافعت بالخصوص معدے کی قوت ان لوگوں کے مقابلے میں بدرجہا کم ہوتی ہے ، جو ایسی معمولی باتوں کو خاطر میں نہیں لاتے ۔ یہی حال ایک صحت مند زبان کا ہے ۔

جہاں تک کسی زبان کی ترقی کا تعلق ہے، تلفظ و کتابت کی یہ بے اعتدالیاں، اس کی ترقی میں حائل نہیں ہوتیں، جس طرح ایک تندرست اور تنومند انسان پر غذا کی معمولی کمی بیشی برا اثر نہیں ڈالتی - اگر یہ عدم توافق کسی زبان کی ترقی میں سدراہ ہوتا تو انگریزی کبھی دنیا کی ترقی یافتہ زبان نہ بن سکتی -

کسی زبان میں قواعد و قیاس کی اتنی اہمیت نہیں ہوتی جتنی رواج اور چلن کی - یہاں رائج الوقت سکہ ہی چلتا ہے - یوں بھی کوئی زبان قواعد کی تابع نہیں ہوتی، بلکہ قواعد، زبان کے تابع ہوتی ہے، کیونکہ زبان کی تعمیر و ترکیب میں قواعد کو کوئی دخل نہیں ہوتا، اسی لیے کوئی زبان قواعد کی مدد سے معرض وجود میں نہیں آتی - زبان کا نشر و ارتقأ ایک غیر شعوری عمل ہے، جبکہ قواعد کی تدوین ایک شعوری کوشش ہے - یہی وجہ ہے کہ زبان پہلے بنتی ہے اور بعد میں زبان کے عام رجحان اور چلن کے مطابق کچھ قاعدے وضع کر لیے جاتے ہیں - دنیا کی کسی بھی زبان سے یہ مثال نہیں پیش کی جا سکتی کہ پہلے قواعد وضع ہوے ہوں اور ان کے مطابق زبان بنائی گئی ہو اس کے برعکس دنیا کی ایسی صدھا زبانوں یا بولیوں کی مثال پیش کی جا سکتی ہے، جن کے قواعد مدون نہیں اور وہ برابر ترقی کرتی چلی جا رہی ہیں - چونکہ زبان کسی خود ساختہ قاعدے کی پوری طرح پابند نہیں ہوتی اس لیے ہر زبان میں قاعدے سے استثنأ کی مثالیں مل جاتی ہیں اور ماہرین زبان و قواعد رواج کو قیاس پر اور اہل زبان کے روزمرہ کو قواعد پر ترجیح دینے پر مجبور ہیں - آں محترمہ نے خود بھی تسلیم کیا ہے کہ اردو کا مروجہ املا غلط العام کا درجہ اختیار کرتا جا رہا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ غلط العام ہمیشہ لایق ترجیح ہوتا ہے - قاعدوں کے بند باندھ کر زبان کے دھارے کو روکا نہیں جا سکتا اور میں سمجھتا ہوں کہ ایسا کرنا فطرت کے بھی خلاف ہے، کیونکہ فطری ارتقأ میں کبھی منطقیانہ تسلسل و ہمواری اور قاعدوں کی سخت پابندی نہیں پائی جاتی - نشیب و فراز اور پیچ و خم عین فطرت ہے - قیاسی پابندیوں پر اصرار، زبان کو ایک خود ساختہ حصار میں محصور کر دینا اور اس کے فطری بہاؤ میں مزاحم ہونا ہے، جو میرے خیال میں کوئی قابل قدر بات نہیں -

اردو املا میں آں محترمہ نے جو اصلاحات و ترمیمات پیش کی ہیں ، ان میں سے بعض مغالطہ انگیز ہیں مثلاً موصوفہ کی رائے ہے کہ "کوئی" کے بجائے "کوی" لکھنا چاہیے ۔ حالانکہ "کوی" کا یہ املا سخت مغالطہ انگیز ہے ۔ اس کو ہر شخص (کوی) Kavi پڑھے گا ۔ کوی (Kavi) ہندی میں شاعر کو کہتے ہیں ۔ ایسا کوئی قرینہ نہیں کہ "کویؑ" کو "کوئی" پڑھا جا سکے ۔ "Kavi" اور ، "Ko-i" میں امتیاز قائم رکھنے کے لیے مروجہ املا کو برقرار رکھنا ضروری ہے ۔ دوسرے مقامات پر آں محترمہ نے مروجہ املا سے اعراض کرکے ایسا امتیاز پیدا کرنے کی کوشش کی ہے، لیکن جہاں یہ امتیاز پہلے ہی قائم ہے وہاں اس کو موصوفہ ختم کر کے مغالطہ پیدا کرنا چاہتی ہیں ۔

"ابناءِ جنس یا ابنائے جنس" کو غلط قرار دینا بھی مناسب نہیں ۔ ایک تو یہ املا رواج پاچکا ہے دوسرے "ابنأ" کا صحیح املا عربی میں ہمزہ کے ساتھ ہی ہے ۔ موصوفہ کا یہ خیال درست ہے کہ فارسی اور اردو میں "ابناء" کو "ابنا" بلا ہمزہ پڑھا اور بولا جاتا ہے ، لیکن اس سے یہ کب لازم آتا ہے کہ کتابت میں اور وہ بھی بصورت اضافی ہمزہ کا اظہار نہ کیا جائے ۔ بصورت اضافی ابناءِ جنس کا تلفظ ہم "Abna-ye-Jins" نہیں کرتے کہ "ابنائے جنس" لکھا جائے ، بلکہ اس کا تلفظ ہم "Abna-i-Jins" کرتے ہیں ۔ اس لیے "ابناءِ جنس" یا "ابنائے جنس" صحیح اور تلفظ کے مطابق املا ہے ۔ جہاں تک ہمزہ کے بعد یائے مجہول لانے کا سوال ہے تو یہ ہر شخص کی ذاتی پسند پر منحصر ہے ۔ بعض لوگ ہمزہ کے نیچے زیر لگا دینا ہی کافی سمجھتے ہیں اور بعض ہمزہ کی حرکت کسرہ کو واضح کرنے کے لیے یائے مجہول کا اضافہ کر دیتے ہیں ، جس طرح کسی حرف کی حرکت فتحہ کے اظہار کے لیے ہائے مختفی کا اضافہ کر دیا جاتا ہے ۔ اگر ایسا نہ بھی ہو تو بھی کتابت میں سقوط ہمزہ کو لازمی قرار دینا مناسب نہیں ۔ اگر قاعدہ یہی ہے کہ کسی لفظ کو اسی طرح لکھو جس طرح بولتے ہو ، تو ہمیں "عبدالرحمنٰ" کو بھی "عبدُ رّحمان" لکھنا چاہیے اور اسی طرح خواہش اور خواب کو خاہش اور خاب لکھنا چاہیے اس کے جواب میں آں محترمہ یہ

فرمائیں گی کہ اول الذکر عربی ترکیب ہے، موخر الذکر فارسی املا ہے، جس میں ہم ترمیم کے مجاز نہیں۔ اگر قاعدہ یہ ہے کہ ہم فارسی اور عربی کے املا میں ترمیم نہیں کر سکتے، تو "ابنأ" کے املا میں ہمزہ حذف کرنے کا بھی ہمیں کوئی حق نہیں۔ اس ضمن میں آں محترمہ کی دلیل یہ ہے کہ عام تلفظ "ابنا" بلا ہمزہ ہے، تو میں پہلے کی طرح پھر یہی کہوں گا کہ اگر عام تلفظ کی پابندی ضروری ہے تو عبدالرحمن اور خواب وغیرہ کے املا میں اس کا لحاظ کیوں نہ رکھا جائے۔ آں محترمہ نے اس ضمن میں ایک اور قاعدے کا بھی ذکر فرمایا ہے یعنی ایسے الفاظ اگر بہ ترکیب فارسی ہوں تو ہمزہ ساقط ہو جائے گا اور اگر بہ ترکیب عربی ہوں تو ہمزہ کا اظہار ضروری ہوگا۔ موصوفہ نے اپنے اس قاعدے کی وضاحت کے لیے جو مثالیں پیش کی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے "طبقات شعرائے میسور" اور "طبقات الشعراء میسور"۔ پہلی ترکیب کو عربی اور دوسری کو فارسی بتایا گیا ہے اور مذکورہ قاعدے کے مطابق پہلی ترکیب میں ہمزہ کا سقوط اور دوسری ترکیب میں ہمزہ کا اظہار ضروری سمجھا گیا ہے۔ حالانکہ بصورت موجودہ دونوں ترکیبیں فارسی ہیں۔ دوسری ترکیب کے پہلے ٹکڑے "طبقات الشعرأ" نے آں محترمہ کو غلط فہمی میں مبتلا کر دیا۔ حالانکہ طبقات الشعرأ کو بقاعدہ فارسی حرف آخر کے نیچے زیر دے کر میسور کی طرف مضاف کیا گیا ہے اس لیے یہ ترکیب عربی نہیں بلکہ فارسی ہے۔ کسرہ اضافت فارسی میں آتی ہے نہ کہ عربی میں۔ اگر قاعدہ یہی ہے کہ فارسی اضافت لانے سے عربی الفاظ کا ہمزہ ساقط ہو جاتا ہے تو "طبقات الشعرأ میسور" میں اضافت فارسی لانے کی صورت میں ہمزہ کے اظہار کا کوئی جواز نہیں ملتا۔ اس ترکیب کا املا بھی "طبقات الشعرائے میسور" ہونا چاہیے تھا۔ اگر باضافت عربی "طبقات الشعرأ المیسور" لکھا جاتا تو اظہار ہمزہ جائز ہو سکتا تھا۔ اگر "طبقات الشعرأ میسور" میں ہمزہ کو قائم رکھنا جائز ہے تو "ابنأ جنس" میں اظہار ہمزہ سے کون سی قباحت پیدا ہو گئی ہے۔

"جائیں" کی جگہ "جائں" کا املا اور بھی عجیب و غریب ہے۔ اس املا کا چلن ہماری زبان میں کبھی نہیں ہوا۔ "جائیں" میں یائے تحتانی اظہار کسرہ کے لیے ہے، جیسا کہ فارسی میں ہائے مختفی اظہار فتحہ کے لیے ہے۔ یہ

درست ہے کہ بعض اوقات یہ کسرہ بحالت اشباع یائے مجہول میں بدل جاتی ہے، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس خفیف سے اختلاف تلفظ کو دور کرنے کے لیے مروج املا کو ترک کر کے ایک غیر مانوس املا ایجاد کر لیا جائے، جس کی غرابت بد یہی ہے۔ تلفظ کے ایسے خفیف امتیازات کو قاری کے صواب دید پر چھوڑ دینا ہی مناسب ہے۔ نثر میں تو اس سے کوئی فرق پڑتا ہی نہیں، نظم میں شعر پڑھتے وقت خود ہی معلوم ہو جاتا ہے کہ یہاں کسرہ کو خفیف پڑھا جائے یا کھینچ کر۔ اگر اسی کو کلیہ بنا لیا جائے کہ عدم اشباع کے صورت میں یائے تحتانی لانا غلط ہے اور ہمزۂ مکسور بلا یائے تحتانی لکھنا ہی ضروری ہے، جیسا کہ آں محترمہ نے عدم اشباع کی حالت میں "جائں" لکھنے کی ہدایت فرمائی ہے، تو ہمیں عدم اشباع کی حالت میں "ہوئے" کو بھی "ہوِ" لکھنا چاہیے۔ مثلاً غالب کے اس مصرعہ: ہوئے مر کے ہم جو رسوا، ہوئے کیوں نہ غرق دریا"

میں "ہوئے" کے واؤ کی کسرہ خفیف ہے۔ یہاں اشباع نہیں، اس لیے مصرعہ میں "ہوئے" کی جگہ "ہوِ" لکھنا چاہیے۔ لیکن موصوفہ نے ہر جگہ "ہوئے" ہی لکھا ہے "ہُوِ" کی کہیں کوئی مثال نہیں دی۔ اس سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ موصوفہ اشباع و عدم اشباع دونوں صورتوں میں "ے" کا استعمال درست سمجھتی ہیں۔ اگر ایسا ہے تو "جائیں" میں "ے" نے کیا قصور کیا ہے کہ عدم اشباع کی صورت میں اسے بارہ پتھر باہر کر دیا جائے۔ اس تمام بحث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ موصوفہ اپنے پیش کردہ اصول و قواعد پر خود بھی ہر جگہ عمل نہیں کر سکیں اور بعض مقامات پر انھیں رواج عامہ کے سامنے سر تسلیم خم کرنا پڑا ہے۔ اگر صورت حال یہی ہے تو دوسرے مواقع پر بھی رواج عامہ سے انحراف کرکے غرابت کیوں پیدا کی جائے۔

عربی جمع اور اردو جمع کے استعمال کو بھی اساتذہ نے لکھنے والے کے اختیار تمیزی پر چھوڑ دیا ہے اور یہی مناسب ہے۔ بعض جگہ عربی جمع اچھی معلوم ہوتی ہے، بعض جگہ اردو جمع۔ اس لیے اس ضمن میں کوئی جامد قاعدہ بنانا درست نہیں۔

اسی مضمون کے صفحہ ۲۶ پر موصوفہ نے "یائے مقصور" اور "یائے ممدود" لکھا ہے۔ میں نے اس سے پہلے کسی قواعد کی کتاب میں "یائے مقصور اور یائے ممدود" نہیں پڑھا یہ بھی موصوفہ کی مبنی برقیاس اختراع ہے۔ مقصور اور ممدود کی اصطلاحات الف کے لیے مخصوص ہیں اس لیے بھی کہ الف دراصل حرکت فتحہ ہی کا دوسرا نام ہے۔ یہ حرکت چھوٹی بھی ہو سکتی ہے اور لمبی بھی۔ جب یہ حرکت چھوٹی یا خفیف ہو تو اس کو اصطلاح میں الف مقصور کہیں گے اور اگر لمبی ہو تو الف ممدود۔ یائے موحدہ کی اپنی کوئی حرکت نہیں ہے، اس لیے اس کے مقصور کے یا ممدود ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ "گربہ" میں "یائے مقصور" نہیں بلکہ "بائے مفتوحہ" ہے، اور اسی طرح "دیبا" میں "یائے ممدود" نہیں، بلکہ "یائے معروف" ہے۔ یائے معروف کی تعریف ہی یہی ہے کہ جس "ی" سے پہلے زیر (کسرہ) ہو اور خوب ظاہر کر کے پڑھی جائے۔ جب مروجہ اصطلاحات کے مطابق یائے موحدہ اور یائے معروف کہہ کر مطلب واضح ہو سکتا ہے تو ان اصطلاحات کو نئے معنی دے کر مغالطہ پیدا کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

"چونکہ" کا یہ املا قبولیت عام کی سند حاصل کر چکا ہے نگاہیں اس سے پوری طرح مانوس ہیں۔ اس لیے اس کو غلط قرار دینا مناسب نہیں۔ اسی طرح "انشأ اللہ" کا املا بھی ہے۔ اگر یہ املا صحیح نہیں تو بھی غلط العام کی تعریف میں ضرور آتا ہے اور غلط العام ہمیشہ لایق ترجیح ہوتا ہے۔ "چوں کہ" اور "ان شأ اللہ" کی صحت میں کلام نہیں، لیکن ان کی غیر مانوسیت اور غرابت میں بھی شبہ نہیں۔

جو ہے کلام شیخ، وہی قول برہمن
مطلب ہے ایک، فرق فقط ہے لغات کا

بقول موصوفہ ناسخ کے اس شعر سے کسی طرح بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ لغات مذکر ہے۔ شاید حاشیہ نگار کو "لغات کے ساتھ "کا" سے مغالطہ ہوا جو مذکر ہے۔ حالانکہ "کا" کا تعلق "فرق" سے ہے جو مذکر ہے۔ اردو میں حرف اضافت کی تذکیر و تانیث مضاف کی جنس کے مطابق ہوتی ہے۔ یہاں "فرق" مضاف ہے جو مذکر ہے، اس لیے "کا"

حرف اضافت بھی مذکر آیا ہے۔ حرف اضافت مضاف الیہ کی جنس سے متاثر نہیں ہوتا ۔ اس شعر میں "لغات" مضاف الیہ اور "فرق" مضاف ہے۔ اگرچہ ضرورت شعری کے باعث نشت الفاظ درست نہیں ۔ درست ترتیب "فقط لغات کا فرق" ہوگی ۔

لغات کی موجودہ قسط کو میں ابھی تک غور سے نہیں دیکھ سکا ۔ کہیں کہیں سے سرسری طور پر دیکھا ہے ۔

لغات کے صفحہ ۱۹۷ کالم ۲ "اترائی" کی تشریح (۵) میں ایک ترکیب یوں درج ہے : "حق سے ادا" یہاں حق سے سبکدوش یا حق سے بری ہونا چاہیے تھا ۔ ادا حق ہوتا ہے نہ کہ اس کا فاعل ۔ آپ یوں تو کہہ سکتے ہیں کہ حق ادا ہو گیا ہے جیسا کہ غالب نے کہا ہے : "حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا" ۔ لیکن یوں کہنا غلط ہوگا کہ میں حق سے ادا ہو گیا ہوں ۔ صحیح حق ادا ہونا ہے ، حق سے ادا ہونا نہیں ۔ اس لیے یہاں "حق سے سبکدوش" ہونا چاہیے ۔

لغات کے صفحہ ۲۰۷ کالم ۲ میں "اتری پھل" کے تحت "آنولہ" درج ہے اگرچہ یہ املا غلط نہیں ، لیکن آج کل زیادہ رواج "آملہ" کا ہے ۔ اس لیے اس املا کو ہی ترجیح دینی چاہیے ۔ یا پھر دونوں طرح لکھ دینا چاہیے ۔

(اردو نامہ کراچی شمارہ ۲۰)

سید قدرت نقوی

متحدالاصل لسانی سرمایہ

ہند یورپی خاندان السنہ کے مختلف گروہوں میں ایسے الفاظ ملتے ہیں جو متحدالاصل ہیں ایسے الفاظ کی نشاندہی اکثر محققین کرتے رہتے ہیں۔ آج کی صحبت میں چند الفاظ و علامات پر روشنی ڈالی جاتی ہے جو ہند یورپی خاندان کے مختلف گروہوں میں ایک ہی صورت میں ملتے ہیں یا بادنیٰ تغیر مروج ہیں۔

دنیا کی ترقی یافتہ زبانوں میں ہند یورپی زبان بہت وسیع زبان ہے۔ یہ زبان برابر ترقی کی طرف گامزن ہے اس کی بعض شاخیں ترقی کی انتہائی منزل میں ہیں۔ اب تک ارتقا کی آخری منزل تحلیل قرار دی گئی ہے جس میں مادہ اور لاحقہ یا سابقہ مل کر ایسا یک جان ہوتا ہے کہ دونوں میں تمیز کرنا آسان کام نہیں ہوتا۔ مثلاً 'سوار' کو دیکھ کر کون کہہ سکتا ہے کہ یہ مرکب ہے۔ قدیم زبان میں اس کا ایک روپ "اسوار" بھی تھا۔ پہلوی میں یہی سوار "اسوبوار" تھا پھر اسوار بعد ازاں سوار بنا۔ دراصل "اسپ وار" تھا۔ پہلے عام طور پر سواری کا جانور گھوڑا ہی تھا۔ اکھاڑا کی اصل "اکش واٹ" ہے۔ اکش بمعنی اکٹھا ہونا اور واٹ بمعنی جگہ احاطہ ہے۔ "اکش واٹ، اکش واڑ، اکھ واڑ، اکھاڑا" ارتقائی روپ ہیں "پنکھا" میں پنکھ بمعنی پرندوں کا بازو اور "ا" فاعلی یا تشبیہی ہے، لیکن یہ سب اب بحالت مفرد مستعمل ہیں اور ان کے اجزا آپس میں ایسے گھل مل گئے ہیں کہ بادی النظر میں پہچانے نہیں جاتے۔ بعض الفاظ ایسے ہیں کہ ان کی اصل میں تبدیلی واقع ہوئی اور موجودہ روپ اصل سے مختلف ہو گیا مثلاً فارسی "شیر" بمعنی دودھ کی اصل قدیم ہند آریائی "کشیر" ہے جو سنسکرت میں اصل حالت میں موجود ہے۔ فارسی میں "شیر" اور ملتانی میں

"کھیر" یعنی دودھ اسی کی بدلی ہوئی شکلیں ہیں ۔ ان مثالوں سے یہ نتیجہ نکلا کہ الفاظ میں کاٹ چھانٹ کا عمل ہوتا رہتا ہے اور آخرکار ایک ایسی منزل پر لفظ پہنچ جاتا ہے کہ اس کے بعد اس میں کمی کا تصور باقی نہیں رہتا اور یہی اس کی انتہائی ترقی ہوتی ہے ۔

ترقی کی ایک اور صورت یہ ہے کہ کسی لفظ کی نمائندگی اس کا حرف اول کرنے لگے ۔ ایسے حروف کو مقطعات کہا جاتا ہے اس کی مثالیں سب سے پہلے ہمیں کلام پاک میں ملتی ہیں مثلاً الٓمٓ ، الرا ، کٓھٰیٰعٓصٓ ، یٰسٓ وغیرہ مگر کلام پاک کے ان حروف مقطعات کا واضح مفہوم متعین نہیں ہو سکا ۔ مفسرین ان کی تفسیر میں الجھ گئے اور مفہوم متعین کرنے سے قاصر رہے ۔ اس لیے لفظ کی یہ ارتقائی شکل محدود ، بلکہ مسدود ہو کر رہ گئی ۔ مگر اب اسی طرز کا رواج ہند یورپی زبانوں میں بکثرت نظر آتا ہے اور وہاں مقطع حروف کے مرکبات یا جملوں کا مفہوم متعین ہے مثلاً ایم ۔ اے ، سے ماسٹر آف آرٹ مراد ہے ۔ بہت ممکن ہے کہ اس طرز کا تصور کلام پاک ہی سے مستعار ہو ۔ کیونکہ وہاں صرف تنہا حرف مفرد بھی نمائندگی کرتا ہے مثلاً ن ، ق ، ص وغیرہ ہند یورپی زبانوں میں یہ صورت ابھی تک نہیں پائی جاتی ۔ یہ طرز انگریزی کے توسل سے اردو میں اور دوسری زبانوں میں بھی مروج ہوتی جا رہی ہے ، مگر اردو میں یہ حروف مقطعات صرف اعلام تک عام ہیں ۔ دیگر الفاظ کے لیے یہ طریقہ ابھی تک رائج نہیں ہوا ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اردو کو وہ منزل ابھی تک حاصل نہیں ہوئی جس کی یہ حق دار ہے ۔

ترقی کی ایک اور اعلیٰ مثال یہ ہے کہ حروف مقطعات جن لفظوں کے نمائندہ ہیں اور جن سے پورا جملہ یا مفہوم مرتب ہوتا ہے وہ مل کر ایک لفظ بن جائیں مثلاً "واپڈا" یعنی حروف مقطعات "W.A.P.D.A." کا مجموعہ ہے اب WAPDA ایک لفظ بن گیا ہے ۔ اس کا ہر حرف ایک لفظ کا نمائندہ ہے یعنی Water And Power Development Authority کا مفہوم ادا کرتا ہے ۔ اسی طرح ، اپوا ، سیٹو ، نیٹو وغیرہ ہیں ، مگر انگریزی میں بھی ایسا لفظ اتفاقیہ ہی بنتا ہے ورنہ وہی حروف مقطعات کا چلن ہے ۔ اردو میں بھی انگریزی کے ذریعے اس قسم کے الفاظ مروج ہیں ۔

لفظ اور مقطع شکل کے علاوہ الفاظ کی ایک اور صورت بھی ہوتی ہے اس کو ہم مخفف بھی کہہ سکتے ہیں ۔ یعنی لفظ میں سے کچھ حروف کم ہو جاتے ہیں ۔ یہ دو قسم کے ہوتے ہیں ایک تو الفاظ مستقل و با معنی حیثیت سے مروج رہتے ہیں جیسے رپٹ = رپورٹ سپرڈنٹ = سپرنٹنڈنٹ ، گھی = گھرتم ، بات = وارتا ، بہن = بھگنی وغیرہ ۔ دوسرے ایسے الفاظ جن کی مستقل حیثیت و معنی برقرار نہیں رہتے بلکہ وہ تخفیف کی زد میں آ کر علامتی شکل اختیار کر لیتے ہیں اور حسب موقع ان کے معنی بدلتے رہتے ہیں جیسے "کمہار" اصل میں "کنبھ کار" تھا "کنبھ" نے "کم" کی شکل اختیار کر لی (یہ عمل فارسی میں بھی ہوا ہے وہاں خنب کا خم بن گیا ہے) اور کار کا صرف "ار" باقی رہ گیا ہے ۔ اسی ضمن میں سنارا ، چمار ، بنجار ، گھسیارا وغیرہ آتے ہیں ۔ اب "ار" جو "کارن" سے بنا ہے بظاہر نہ معنی اور صرف علامت کی حیثیت رکھتا ہے ۔ اس کی مستقل حیثیت و معنی بالکل نہیں رہے ۔ آریائی زبانوں میں اس قسم کے لواحق و سوابق بکثرت ہیں جن میں سے بعض اکثر زبانوں میں مشترک نظر آتے ہیں ۔ چند پر تحقیقی نظر ڈالی جاتی ہے ۔

ہمارے ہاں ایک مشہور سابقہ "آ" نفی کے لیے استعمال ہوتا ہے مثلاً اچھوتا ، امر ، اتاہ ، امٹ ، اٹل ، اکارت اوپر وغیرہ ۔ یہ نفی کا الف سنسکرت کے علاوہ اوستا اور پہلوی میں بھی تھا جیسے اپتا کیہ = ناپیدائی ، ادان = نادان ، اراست = ناراست وغیرہ ۔ لاطینی اور فرانسیسی میں "اے ، A" ہے جو انگریزی میں مروج ہوا جیسے اورٹ Avert = ہٹانا اور اوائڈ Avoid = بچنا ، پرہیز کرنا ۔ محققین اس کو Ab یا Abs کی تخفیف شدہ شکل بتاتے ہیں ۔ یونانی میں بھی "اے ، A" نفی کے لیے ہے جو انگریزی میں منتقل ہوا جیسے ایپتھی Apathy = خواہش اتھیزم Atheism = خدا پر یقین نہ کرنا ۔

اس سابقے کی ایک شکل "ان" بھی ہے سنسکرت "آ" نفی اسی کی مخفف شکل بتائی جاتی ہے جیسے ان گنت ، انوکھا (ان دیکھا) ان ملی وغیرہ ۔ اسی شکل میں ٹیوٹانی اور یونانی میں بھی ہے ۔ ٹیوٹانی "Un" جیسے ان ریئل Unreal = غیر حقیقی ۔ ان وائز Unwise غیر دانشمند ، نادان ۔ ان ٹچڈ Untouched = اچھوتا وغیرہ ۔ یونانی An جیسے انومیلس Anomalous

= بے قاعدہ ، انگلش میں بھی Un ہی استعمال ہوتا ہے - یہ "اَن" اوستا میں بھی تھا جیسے اَن مثات = ناشاد -

جس طرح ان کا الف باقی رہ کر نفی کے معنی دیتا ہے اسی طرح صرف "ن" بھی نفی کے معنی دیتا ہے - یہ خود بھی سنسکرت میں مستقل سابقہ ہے اور نفی کے طور پر استعمال ہوتا ہے جیسے نڈر ، نچنت ، نچیت ، نڈھال وغیرہ - فارسی میں یہ سابقہ افعال میں مستقل منفی کے معنی دیتا ہے جیسے نکرد ، نگفت - لاطینی اور اینگلو سیکسین میں بھی ہے جیسے None ، Nor, Never, Neither, وغیرہ - اسی طرح سنسکرت اور فارسی میں "نا" علامت نفی ہے - انگریزی کا "No" اینگلو سیکسین "Na" ماخوذ ہے - ان میں بھی تطبیق موجود ہے -

اس جائزے کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ "ا" نفی کا سنسکرت ، اوستا ، پہلوی ، لاطینی ، فرانسیسی اور یونانی میں مشترک ہے - "ان" سنسکرت ، اوستا ، فارسی ، ٹیوٹانی ، یونانی میں یکساں طور پر مروج ہے - "ن" سنسکرت ، فارسی ، لاطینی ، ٹیوٹانی ، اینگلو سیکسین میں مستعمل ہے - "نا" سنسکرت ، فارسی ، اینگلو سیکسین میں استعمال ہوتا ہے - ان سابقوں میں مطابقت ، اشتراک کی دلیل ہے - اگرچہ ان سابقوں کے متعلق مختلف الماخذ عقائد ہیں ، لیکن یہ ماننے میں کوئی قباحت نہیں کہ ان کا قدیم ماخذ ایک ہی ہے اور میرے خیال میں وہ "ان" ہے جو سنسکرت ، اوستا ، ٹیوٹانی ، یونانی وغیرہ میں پایا جاتا ہے - اَ ، ن اسی سے ماخوذ اور نا اسی کی مقلوب شکل ہے اور یہ سب کے سب ان گروہوں کی مختلف شاخوں میں رائج ہیں - مختلف الماخذ عقیدے کو تسلیم کر لینے کے باوجود بھی موجودہ منزل ، اشتراک کی بین دلیل ہے اور طبعی رجحان میں یکسانیت کا ثبوت قاطع -

اب دو لاحقوں پر غور فرمائیے - پہلے لاحقہ میں بنیادی صوت "ل" ہے ان علامات کے سلسلے میں میرا خیال ہے کہ ابتدا میں یہ مستقل و بامعنی لفظ تھے ، مگر تراش خراش کے عمل سے ان کی صرف ایک بنیادی صوت یا حرف نمائندگی کرنے کے لیے باقی رہ گیا - اس بنیادی صوت یا حروف کے معاون کے طور پر حسب موقع پس و پیش اعرابی علامتیں لگی رہتی ہیں - زیر بحث لاحقہ "ل" اب تحلیلی حالت میں ہے - اس کی بنیادی اور تالیفی حالتیں ختم ہو چکی ہیں -

ہند آریائی گروہ کے محققین کا خیال ہے کہ یہ لاحقہ سنسکرت تت سم فاعلی لاحقہ "آلو" سے بنا ہے - سنسکرت سے پالی ، پراکرت اور مختلف بھاشاؤں میں آیا - اس لاحقے کی یادگار ہماری موجودہ زبانوں میں بھی کئی لفظ موجود ہیں - مثلاً : کرپالو ، دیالو ، ندرالو وغیرہ - اسی کی ایک شکل "ایلُو" بھی ہے - جیسے گھریلو ، جھگڑیلو ، (جھگڑالو) ، گھڑیلو وغیرہ - " ال ، ل ، یل ، یلا" بھی وصفی لاحقے ہیں جن میں فاعلیت کا پہلو نمایاں ہے - جیسے گھنتال ، نڈھال ، ہڑکل ، کھٹّل ، کھٹ مٹھل ، کھٹ موتل ، دڑھیل ، پایل ، دبیل ، دہنیل ، دودھیل ، سجیلا ، گھٹیلا ، زہریلا وغیرہ - "ال" بطور لاحقہ ظرف بھی مستعمل ہے اور سنسکرت "الیہ" سے ماخوذ مانا جاتا ہے جیسے ددھیال ، ننھیال ، سسرال وغیرہ - "وال ، والا" بھی فاعلی لاحقے ہیں - محققین ان کی اصل "پال ، پالک" بتاتے ہیں - یہ ممکن ہے کیونکہ سنسکرت میں "پال ، پالک" بطور لاحقہ استعمال ہوتے ہیں جیسے گوپال ، رجپال ، گوپالک وغیرہ - یہ دونوں لاحقے بطور مفعول بھی استعمال ہوتے ہیں جیسے لے پالک ، لے پال وغیرہ "پال" کی پ پہلے ب سے بدلی ، ب کا واؤ سے تبادل ہوا ، "وال ، والا" بن گئے جیسے : کوتوال ، گھیوال ، بھا گیوال ، رکھوالا ، متوالا وغیرہ - علاوہ ازیں "وال" سنسکرت میں خود بھی استعمال ہوتا ہے - "گوپال" کو "گیووال" بھی کہتے ہیں - یہ تمام لاحقے ، سنسکرت سے ، پالی ، پراکرت اور بھاشاؤں کے توسل سے ہند آریائی زبانوں میں مروج ہیں -

یہ لاحقہ ہند ایرانی میں بھی پایا جاتا ہے ، مگر مثالیں بہت کم ہیں - اسی لیے کسی فارسی قواعد نویس محقق نے اس کی طرف دھیان نہیں کیا - ممکن ہے کہ وہاں یہ "ل" کی صوت "ر" میں بدل گئی ہو ، مزدور ، گنجور ، دانشور وغیرہ میں "ور" کی اصل "ول" ہو جو "وال" کی تخفیف ہے اور "اسوبوار" میں وار وال کی نمائندگی کرتا نظر آتا ہے - ل کا 'ر' سے تبادل عام ہے - فارسی کے چند لفظوں میں قدیم روپ بھی ملتا ہے مثلاً چنگل (چنگ + ل) ، چنگال (چنگ + ال) کنجل (کنج + ل) دنبال (دنب + دم + ال) چنار کا ایک روپ "چنال" بھی ہے اور یہ مخفف ہے چنگ + ال = چنگل کا - کیونکہ اس درخت کے پتے ہاتھ کے مانند ہوتے ہیں - جویلہ ، جو کا راتب یا

چارہ میں بھی یہی لاحقہ کارفرما نظر آتا ہے۔ وال بھی استعمال ہوتا تھا اس کی مثال میں "نخچیروال" بمعنی شکاری پیش کیا جا سکتا ہے۔

ہند یورپی خاندان السنہ کے یورپی گروہوں میں بھی اس لاحقے کے نشانات ملتے ہیں۔ جس طرح سنسکرت میں مختلف اعرابی علتیں پس و پیش پائی جاتی ہیں بعینہ یورپی زبانوں میں بھی بنیادی صوت "L" ایل ہے۔ مختلف اعرابی علتیں (Vowels) واولز پس و پیش لگ کر مختلف معنی میں مستعمل ہے۔ انگریزی میں یہ لاحقہ ٹیوٹانی، لاطینی اور فرانسیسی سے آ کر مروج ہوا:

ٹیوٹانی علامات: EL جیسے نیول Nav-el مرکزی حصہ۔ LE جیسے اسپارکل Spark-le چمک۔ LY جیسے God-ly، خدائی، لوَلی Love-ly پیارا۔ L جیسے ڈرول Draw-l تصنع سے بات کرنا۔ نیل Knee-l دوزانو ہونا۔

لاطینی و فرانسیسی علامات: AL جیسے پروپوزل Propos-al تجویز، رائل Roy-al شاہی۔ ILE جیسے سرول Serv-ile خوشامدی۔ EEL جیسے جینٹل Gent-edl مہذب، شریف۔ IL جیسے Civ-il شہری۔ EL جیسے ماڈل Mod-el نمونہ وغیرہ۔ ایسے الفاظ اردو اور دیگر زبانوں میں انگریزی کے توسل سے داخل ہو چکے ہیں مثلاً: نیشنل، الیکٹریکل، انڈسٹریل، ہینڈل، بنڈل، ڈینٹل وغیرہ۔

اس جائزے سے معلوم ہوا کہ یہ لاحقہ جس میں بنیادی صوت "ل" ہے خالص آریائی ہے۔ سنسکرت اور اس کی مختلف شاخوں، فارسی، ٹیوٹانی، لاطینی اور ان کی مختلف شاخوں میں مختلف اعرابی علتوں کے ساتھ استعمال اشتراک کی نشاندہی کر رہا ہے۔ ابتدائی روپ بہت ممکن ہے کہ سنسکرت والا ہی ہو یعنی الو یا پال۔ اسی میں تبدیلی واقع ہو کر حسب موقع یہ شکلیں بن گئی ہوں۔ "پال" زیادہ قرین قیاس ہے کیونکہ اس کے معنی محافظ، نگراں، بادشاہ کے ہیں۔

اردو میں ایک لاحقہ "نا" اضافی صرف آپ کے ساتھ محدود ہے یعنی "اپنا" میں استعمال ہوتا ہے۔ جس طرح علامت اضافت اردو میں "کا" پنجابی میں "دا" اور مرہٹی میں "چا" استعمال کرتے ہیں۔ اسی طرح

گجراتی ، پوٹھوہاری ، چھاچھی میں ''نا'' کا استعمال بطور علامت اضافت عام ہے ۔

مثلاً گجراتی اور پوٹھوہاری کی امثلہ درج ذیل ہیں :

گجراتی : ''ہر مسلمانو نا دل ماں ایک اے ارمان چھے'' ۔

پوٹھوہاری : ''تینڈی انکھیاں نی لو + میڈے دل نا قرار'' ۔

قدیم زمانے میں قواعد کے اصول و ضوابط ایسے منضبط نہ تھے جیسے آج ہیں ۔ آج کے نظام قواعد میں اور قدیم نظام میں بہت بڑا فرق ہے ، آج ہم نے ذرا ذرا سی بات میں فرق و امتیاز قائم کر رکھا ہے جس کا قدیم میں چنداں لحاظ نہ تھا اور بعض امور میں اب بھی قدیم روش جاری ہے ۔ مثلاً ''کو'' علامت مفعول ہے مگر یہ متعدد حیثیت سے استعمال ہوتی رہی ہے اور اب بھی ہوتی ہے (بطور اضافت) ''تعریف اس خدا کو جس نے جہاں بنایا'' (بطور ظرف) شہر کو گیا ، صبح کو اٹھا ۔ (بطور علامت ابتدا) حمید کو بخار ہے ۔ یہی حال علامت اضافت کا ہے ۔ اردو میں اضافت کی علامت ''کا'' اور بھی معنی میں استعمال ہوتی ہے ۔ مثلاً دن کے دن لوٹا (حصر و اشارہ) شہر کا شہر سجا ہوا تھا (حصر کلی) حمید کے ساتھ اسلم گیا (ربط و تزئین) ۔ مال کا مال گیا بدنامی کی بدنامی ہوئی (تاکید) کم از کم عہد بابر تک ''کا'' بجائے ''کو'' یعنی علامت مفعول استعمال ہوتا تھا ۔ بابر ہی کا مصرع ہے : ''مج کا نہ ہوا کچ ہوس مانک و موتی'' یعنی مجھ کو نہ ہوئی کچھ ہوس مانک و موتی ۔ ضمائر کے ساتھ ''را ، ارا ، ہارا'' استعمال کرتے ہیں مثلاً میرا ، ہارا ، تمھارا وغیرہ ۔ قدیم دور میں یہ ضمائر اضافی بطور ضمیر مطلق استعمال ہوتی تھیں اور اب بھی اُن علاقوں میں جہاں زبان کا قدیم روپ عوام میں مروج ہے یہی حال ہے ۔ بمبئی ، کاٹھیاواڑ وغیرہ کے علاقے میں عام بول چال ہے ۔ میرے کو دو ، تمھارے کو کس نے مارا وغیرہ ۔ دام کھوٹا یعنی اپنا پیسہ کھوٹا ۔ قدیم اردو ، یعنی دکنی اردو اور کھڑی بولی ، اودھی (پوربی) میں ضمائر کے ساتھ اور قدیم بلوچی میں بھی عام استعمال پایا جاتا ہے ۔

دکنی اردو کھڑی بولی میں ضمیر اضافی بطور ضمیر مطلق استعمال ہوتی تھی اور اب بھی ان علاقوں میں جہاں اردو کا قدیم روپ پایا جاتا ہے

بھی استعمال ملتا ہے - اپنے کو بڑا دکھ ہوا - ہمارے کو بتاؤ - تمھارے سے کون بولتا ہے - دکنی اردو اور کھڑی بولی میں بھی یہی طریقہ رائج تھا بلکہ "نا" کے علاوہ صرف "ن" بھی علامت اضافت کے طور پر استعمال کرتے تھے - "شرح مرغوب القلوب" کے اس جملے "ہمنا کو" بجائے ہمارے کو یعنی ہم کو استعمال ہوا ہے :

جس نے پیدا کیا سب عالم کو ،
ہمنا کو ، عقل ہور دین دیا - "

ملا وجہی اور شاہی کے ان شعروں میں "تمن بن" = تمھارے بغیر اور "ہمنا" = ہم کو - "تمنا" = تمھارا ، تمھیں ہے -

تمھارے وجہی کوں یا اساماں
نہیں تمن بن یو اس کوں سایا

بولے جہاں کے پار کھی ، ہمنانہ اوے بولنا
تمنا سہاتا بولنا ، اے شاہ بحر و بر کہو

مولانا محمد افضل جھنجھانوی شمالی ہند قسمت میرٹھ کے باشندے تھے ان کے بارہ ماسے میں ہے :

کرے دل لے ہمن سیں بے وفائی
تمن بن برہ تے جلتی رہے گی

ہمن سیں = ہمارے سے ، ہم سے - تمن بن = تمھارے بغیر ہے - اودھی یعنی پوربی میں عام استعمال ہے جیسے ہمنا سکلا بھات کھایت گیو- تمنی بات ما کو بھاوت ناہی وغیرہ - بلوچی میں "نا" کا استعمال ملتا ہے مثلاً "غلام محمد بالا چانی بجھاوت" (غلام محمد بالاچا کی پہیلی) "لَھ مَہ زالاں نی سرُدار" (آ اے عورتوں کی ملکہ) "زواری ترندین بوران نی" (سواری مست گھوڑیوں کی) وغیرہ -

ان عام و محدود استعمالات کے بعد جب اس لاحقے کی تحقیق کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ "نا" اضافی سنسکرت علامت اضافت "آنام ، انام" نام کی تحقیقی شکل ہے - رامانام = راموں کا ، دوسری زبانوں میں سنسکرت ہی سے مروج ہوا ہے -

"انہ" ایک اور لاحقہ ہے جس کو عام طور پر فارسی لاحقہ کہا جاتا ہے - اوستائی زبان میں یہ "ینہ" کی شکل میں "آئیرینہ" میں پایا جاتا ہے - بعدہ "یان" کی شکل میں "ایریان پہلوی ملتا ہے - دری اور فارسی میں "ان کی صورت میں "ایران میں پایا جاتا ہے - سوگدیانہ سعدیانہ وغیرہ بھی ایسی مثالیں ہیں - "ان" نسبتی فارسی میں عام ہے - ممکن ہے کہ قدیم آریائی لفظ "انام" ہی ہو جو ہند آریائی اور ہند ایرانی میں تخفیفی شکل میں رائج ہوا - اردو ۔ فارسی مثالیں بکثرت ہیں مثلاً ، مولویانہ ، مستانہ ، رندانہ راجپوتانہ ، سمدھیانہ ، رومیانہ ، آریانہ وغیرہ میں نسبتی ، ظرفی ، اضافی ، تشبیہی حیثیت سے مستعمل ہے - مزید جستجو کی جائے تو یہ لاحقہ جس میں بنیادی صوت "ن ہی ہے ہند یورپی خاندان کی اور زبانوں یعنی یونانی، لاطینی اور فرانسیسی میں بھی مختلف معنی میں مختلف اعرابی علتوں کے ساتھ مستعمل ہے - ان زبانوں سے انگریزی میں آیا - اس کے مختلف روپ یہ ہیں:

یونانی : EN جیسے Chick-en (چکن) چوزہ ، ووڈین Wood-en لکڑی کا ، کٹین Kitt-en بلونٹا ، سلکن Silk-en ریشمی - ON جیسے بیکن Beac-on روشنی کا مینار -

لاطینی و فرانسیسی : AIN جیسے کیپٹن Capt-ain محافظ ، رہنما - AN جیسے لائبریرین Librari-an ناظم کتب خانہ ، گارڈین Gardi-an ولی ، سرپرست - رومن Rom-an رومی - ANE جیسے Hum-ane انسانی مردانہ - EN جیسے سٹیزن Citiz-en شہری - INE جیسے ڈیوائن Div-ine خدائی دیوتانہ ، لیونن Leon-ine شیرانہ IAN جیسے انڈین Ind-ian ہندوستانی ، کرسچین Christ-ian عیسائی -

حقائق بالا کی روشنی میں یہ لاحقہ بہت ہی وسیع المعنی اور کثیر الاستعمال نظر آتا ہے اور یہ بات اس امر کی دلیل ہے کہ ابتدائی روپ ایک ہی ہے- ذریعہ امتیاز صرف "ن" کی صورت رہ گئی ہے - میرے نزدیک یہ قدیم آریائی لاحقہ ہے گو محققین اس کو صرف فارسی سے مخصوص قرار دیتے ہیں - البتہ "نا" اضافی اور "انہ" نسبتی وغیرہ کو بعض حضرات ایک ماننے میں تامل کریں گے ، مگر ہند یورپی خاندان کے یورپی گروہوں میں بھی اس کا وجود ان کے ایک ہی ہونے کی دلیل ہے اور اشتراک کی نشاندہی کرتا ہے -

سوابق و لواحق کی طرح الفاظ بھی مشترک پائے جاتے ہیں، چند رشتے کے ناموں اور گنتی کے لفظوں میں مماثلت عام ہے اور ان کی نشاندہی اکثر محققین نے کی ہے - چار لفظوں کے متعلق تحقیق پیش کرتا ہوں - پہلا لفظ گھوڑے کے متعلق ہے جو مختلف زبانوں میں ملتا ہے :

سنسکرت : اشو ، یونانی : ہپو Hippos لاطینی فرانسیسی : اکوس Equus - ژند : اسپا - فارسی : اسب ، اسپ - یہ مختلف زبانوں کے الفاظ متحدالماخذ ہیں اور سب کے معنی گھوڑا ہیں -

دوسرا لفظ "دیو" ہے جو بمعنی خدا ہے - فارسی میں اس کے معنی بدل گئے اور اب بمعنی شیطان ، قوت بد استعمال ہوتا ہے کیونکہ زردشتی آسمانی قوت کی تقسیم میں "اہرمن" کے معاونین کو "دیو" کہا گیا - ابتدائی دور میں بمعنی خدایا خدائی طاقت استعمال ہوتا تھا - تقسیم میں اہرمن کے ساتھیوں کو "دیو" کہا گیا تو شیطان ، قوت بد معنی مقرر ہو گئے - دوسری زبانوں میں بمعنی خدا استعمال ہوتا ہے :

سنسکرت : دیو - یونانی : دیو ، تھیو Deos, Theos - لاطینی : دیوس Deus - ژند ، فارسی : دیو -

تیسرا لفظ "نیا ہے" انگریزی میں "نیو New" ہے - مختلف زبانوں میں حسب ذیل الفاظ ہیں جو متحدالماخذ ہیں :

سنسکرت : نو - اینگلو سیکسن نیئو Neowe - جرمنی : نیو Neu - لاطینی : نووس Novus - یونانی : نیؤ Neos ژند ، فارسی : نو پنجابی : نوا - اردو وغیرہ نیا -

چوتھا لفظ "اَچھنا" ہے جو دکنی اردو میں بمعنی ہونا رہنا مستعمل تھا - ابتدائی دور سے لے کر تیرھویں صدی ہجری کے ربع اول تک پایا جاتا ہے - عہد ولی سے اس کا استعمال کم ہوتا نظر آتا ہے حیدرآباد ، گجرات وغیرہ میں تحریک ولی سے زبان میں اصلاح ہوتی رہی اور دہلی کی زبان کا رواج بڑھتا گیا ، لیکن جن علاقوں میں یہ تحریک اصلاح نہیں پہنچی تھی وہاں قدیم الفاظ تیرھویں صدی ہجری کے آغاز تک رائج رہے -

چنانچہ "اچھنا" کا استعمال بھی نظم میں محمد قلی قطب شاہ، ولی اور محمد باقر آگاہ کے کلام سے بلحاظ ادوار پیش کیا جاتا ہے -

اب مست آچھے دایم ہمیں مست آچھنے کا ہنگام ہے

ساقی، صراحی نقل اور پیالے سوہنا نام ہے

جگت کی آنکھ کا گویا ہے یہ نور

آچھو اس نور سوں ہر چشم بد دور

حق سو ہر دم سو درود و سو سلام

نت آچھو تربت پو اس کی صبح و شام

نثر میں صرف ملا وجہی کی سب رس سے مثالیں کافی ہیں جن میں ہونا رہنا دونوں معنی میں "آچھنا" استعمال ہوا ہے - مثلاً "جو کوئی صاحب سخن آچھیگا، جو کوئی صاحب فن آچھیگا، اسے یوسخن اثر کرے گا، مست بے خبر کرے گا" -

"ہمیشہ بعیش و عشرت آچھو، دام بدولت آچھو، عاقبت بخیر آچھو، ایمان سلامت آچھو -"

"آچھنا" بمعنی ہونا رہنا کی اصل کے متعلق کافی اختلاف پایا جاتا ہے - ڈاکٹر شوکت سبزواری نے اردو نامہ شمارہ نمبر ۱۸ (ص ۸۷) میں اس کی اصل پر بحث کی تھی - انھوں نے دکنی اردو کے علاوہ اس لفظ کو گجراتی، بنگلی، بھوجپوری اور کوشلی میں بھی بتایا تھا اور مرہٹی میں اس کی شکل "استے" بتائی ہے - ڈاکٹر ٹرنر کے نزدیک "آکشت سے مشتق بتایا ہے جو پراکرت میں "اچھت" ہوا پھر "اچھئی" اور آچھے ہوا - ڈاکٹر چٹرجی ہند یورپی مادہ "اس سکی Es-ske" اس کی اصل بتاتے ہیں - مختلف مدارج طے کرتا ہوا "اچھے" بننا ظاہر کیا ہے - ڈاکٹر سبزواری کے نزدیک سنسکرت "آستے" بمعنی "وہ بیٹھتا ہے" سے ماخوذ ہے جو پالی میں "اچھت" ہوا -

مجھے ان سب حضرات سے اختلاف ہے کیونکہ معنوی حیثیت سے یہ سب الفاظ مطابقت نہیں رکھتے - میرے نزدیک یہ سنسکرت کے لفظ "اس بمعنی ہونا سے بنا ہے - یہ لفظ لاطینی : Est ایسٹ - یونانی : Esti ایسٹی - انگریزی : Is از - ژند : Asti استی - فارسی : Hast ہست اور Ast است کا ہم اصل ہے - گویا ان سب کا مادہ کوئی قدیم آریائی لفظ ہے - بہت ممکن ہے کہ "استی" ہی ہو کیونکہ یونانی اور ژند میں یہی روپ ہے ، اور "ت" کا وجود لاطینی ، یونانی ، ژند میں ہونا اس کی تائید کرتا ہے - سنسکرت میں یہ "ت" تخفیف میں آگئی اور "اس" رہ گیا - لسانیات میں یہ متفق علیہ ہے کہ س ، ش کا تبادل چ ، چھ سے ہو جاتا ہے - اس لیے "اس" کا اچھ بن جانا عین ممکن ہے ، اور جب ہم کھڑی بولی کے قریب ہریانوی میں "سے" بمعنی "ہے" مستعمل دیکھتے ہیں تو اس نظریہ پر وثوق حاصل ہو جاتا ہے - "کے کرے ہے؟" یعنی کیا کرتا ہے ؟ ہریانوی میں عام ہے - مرہٹی میں "اس" بمعنی ہونا سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے ڈاکٹر شوکت سبزواری "استے" بتاتے ہیں مگر مرہٹی میں "اس" ہی ہے جس میں علامت مصدر "نے" لگ کر "اسنے بنتا ہے مثلاً "ثابت اسنے ثابت ہونا" وغیرہ -

گجراتی میں "چھے" بمعنی "ہے" استعمال ہوتا ہے - "جو اماری قوم کیدو فخر چھے ابھی مان چھے" بنگالی میں "چے ، چھے" ہے قاضی نذرالاسلام کے یہ مصرعے ظاہر کرتے ہیں : آج کے تارا بلاش بھوگیر کھولے چے دکان اٹھے چھ تکبیر آکاش

ڈاکٹر سہیل بخاری نے ایک مضمون میں "آچھے" بنگالی بمعنی "ہے" کو ویدک "آشیے" کا دوسرا روپ بتایا ہے - ممکن کہ ویدک "آشیے" ہی "اس" ہو گیا ہو ، لیکن زیادہ صحیح یہی ہے کہ "اس" ہی نے "آشیے اور آچھے" کا روپ اختیار کیا ہے - کیونکہ لاطینی ، یونانی ، ژند فارسی سے اسی کی تائید ہوتی ہے - "اس" کی گردان میں صرف واحد متکلم کا صیغہ مختلف زبانوں کا پیش کیا جاتا ہے :

سنسکرت : اسمی - یونانی : امی سی - لاطینی : سم - گاتھک ، ام - انگریزی : ایم ژند : اسمَ - فارسی : ہستم ، استم ، ام - اردو اور دوسری

جدید ہند آریائی زبانیں : ہوں بمعنی میں ہوں - "ہوں" اصل میں "ہوام" تھا پھر "ہوآں" بنا پھر "ہوں" ہوا - ہوں میں ضمیر متکلم "میں" داخل ہے مثلاً تم کیسے ہو ؟ اچھا ہوں - یہاں "میں" کہنے کی ضرورت ہی نہیں بلکہ مخل فصاحت ہے -

سندھی میں "ہے ، ہیں" کے لیے "آہی ، آہن" استعمال ہوتے ہیں جو "اس" ہی سے ماخوذ ہیں مثلاً :

"سنڈی زندگیء جی عکاسی خاص طور قابل تعریف آہی -"

"اسان اہو فخر سان چئی سگھوں ٹا تہ اساوٹ ظفر کاظمی ، علی اکبرء گل محمد موجود آہن -"

پنجابی میں "اے" استعمال کرتے ہیں مثلاً میں نوں لاہور جانا اے -

ازروے اشتقاقیات "اس" کے یہ مختلف روپ اصول و قواعد کے مطابق ہیں - "س" چ چھ سے بدلا تو اچھے ہوا - اسی کی اشباعی شکل آچھے ہے - الف ساقط ہو کر چے ، چھے رہ گیا - "اس" کا الف ساقط ہو کر "سے" بن گیا - "س" ہ سے بدل کر "ہے" بنا - 'ہ' الف سے بدل گئی ، اے ہو گیا - "اس" کا 'س' ہ سے بدلا اور الف کا اشباع ہوا تو آہی ، آہن بنے -

یہ سابقے لاحقے اور الفاظ ہند یورپی خاندان کے مختلف گروہوں میں یکساں طور پر مستعمل ہیں اور متحدالماخذ ہیں یہی ان میں اشتراک کی زبردست دلیل ہیں - اس قسم کے بہت سے الفاظ و لواحق و سوابق تلاش کرنے سے مل سکتے ہیں - مشترک لسانی سرمایے کی نشاندہی کرنے کے لیے ہمیں یہ تلاش جاری رکھنی چاہیے -

(اردو نامہ کراچی شمارہ ۲۲)

پروفیسر حبیب اللہ غضنفر امروہوی

قواعد و اسلا کی بحث

اردو نامہ شمارہ اردو ۱۷ پیش نظر ہے - اس میں ڈاکٹر آمنہ خاتون کا ایک نہایت فاضلانہ مقالہ عنوان بالا کے تحت شامل ہے - مجھے بعض جگہ اختلاف ہے - اپنے خیالات کو ارباب علم کے سامنے پیش کرتا ہوں تا کہ کسی نتیجے پر پہنچنے سے پہلے مخالف رائے بھی معلوم ہو جائے -

سب سے پہلا مسئلہ ہمزہ کا ہے - عربی میں صرف انھائیس حرف ہوتے ہیں - الف کو حروف ابجد میں شمار نہیں کیا گیا کیونکہ عربی لغات کی ابنیہ میں شامل نہیں ہے - بعض لفظ مثلاً ما و لا کے آخر میں الف ہے - میرے خیال میں یہ صرف اشباعی حرکت ہے - اسی وجہ سے حالت ترکیب مثلاً فیمَ ، بِمَ عمَّ وغیرہ میں حذف ہو جاتا ہے - لا کی کوئی مثال میرے ذہن میں نہیں ہے -

ہمزہ کی مختلف صورتیں ہیں - جن میں سے بعض میں مستوی لکھتے ہیں اور بعض میں منحنی - آغاز کلمے میں ہمزہ یا قطعی ہوتی ہے یا وصلی اور ہر صورت میں الف مستوی کی طرح لکھی جاتی ہے - مثلاً اَلقول ، اَمیر ، اَصل ، اِستقبال ، اِذن آنس وغیرہ - بعض حالتوں میں ہمزہ وصل کو حذف کر دیا جاتا ہے - مثلاً ابن جب کسی اسم کی طرف مضاف ہو کر صفت ہو تو بغیر ہمزہ کے لکھا جائے گا مثلاً عمر بن الخطاب ، خالد بن الولید (اردو والے اس "ابن" کو بن پڑھتے ہیں - چنانچہ سوسائٹی میں ایک سڑک کا غلط نام پتھر پر کندہ ہے) اگر خبر ہو تو ابن لکھیں گے - اسی وجہ سے قرآن شریف میں عزیز ابن اللہ المسیح ابن اللہ لکھا جاتا ہے - اگر ضمائر کی طرف مضاف ہو تو ہمزہ کو لکھیں گے -

لام تعریف سے پہلے بالعموم ہمزہ کو بہ شکل الف لکھتے ہیں البتہ لام جارہ کے بعد حذف کر دیتے ہیں مثلاً علی العموم ، بالطبع ، فِللرحمٰن الطاف خفیہ ۔

اگر ہمزہ ساکن ماقبل مفتوح ہو تو الف کی طرح لکھتے ہیں مثلاً شأن ، رأس ۔ اگر ماقبل مکسور ہو تو بہ شکل یا لکھتے ہیں مثلاً ذِئب ، بِئس اور اگر ماقبل مضموم ہو تو واو لکھتے ہیں مثلاً وضؤ لؤم وغیرہ ۔

آخر کلمات میں منحنی لکھتے ہیں مثلاً ہولاءِ الفقہاءِ وغیرہ ۔ وسط کلمے میں بھی جب اجتماع واوین ہو تو منحنی لکھیں گے مثلاً داؤد وغیرہ ۔ بہرحال اس ہمزہ کو جب ہم اردو میں لکھیں گے تو عربی کی پیروی کریں گے البتہ جہاں تلفظ میں تبدیلی ہو چکی ہے وہاں اردو کی پیروی کریں گے مثلاً وضو اور زنا میں ہمزہ محذوف ہو چکی ہے ۔

ظاہر ہے کہ یہ ہمزہ عربی کے ساتھ مخصوص ہے ، فارسی یا اردو میں نہیں ہو سکتی ۔

ہندی مصادر میں 'نا' سے پہلے بالعموم 'واو' ہوتا تھا جس کو ماضی میں 'یا' سے بدل دیا کرتے تھے ۔ ان میں سے بعض میں وہ 'یا' موجود ہے بعض میں حذف کر دی گئی ہے ۔ مصدر سے 'واو' ہر جگہ حذف ہو چکی ہے ۔ پاونا سے پایا بنایا گیا ۔ کھونا سے کھیا بنا ۔ پایا میں 'یا' موجود ہے کھیا سے یا کو ساقط کر کے کہا بولا گیا ۔ اسی طرح جاونا سے جایا بنا ۔ جیم کو گاف سے بدلا چونکہ گیا سے التباس ہوتا تھا الف بھی گرا دیا گیا اور 'گیا' رہا ۔ کرونا سے کریا بنا تھا را ساقط ہوئی 'کیا' رہ گیا ۔

مضارع بنانے کے لیے واو کے بعد یائے مجہول کا اضافہ کیا گیا ۔ پاوے ، جاوے ، کھاوے ، لاوے وغیرہ بنے ۔ امتداد زمانہ سے یہ واو مصدر اور مضارع سے ساقط کر دیا گیا ۔ ماضی سے یا کو حذف کیا ۔ اب پائے ، جائے ، کھائے ، لائے وغیرہ رہے ۔

الف کے بعد یائے ساکن کی آواز ہم لوگ ہندی سے مختلف ادا کرتے ہیں گویا ہمزہ بول رہے ہیں ، خواہ ہمزہ مکتوبی ہو یا غیر مکتوبی یہ یا

ہمزہ بولی جاتی ہے - اصل میں یہ دو حرف نہیں ہیں صرف 'یا' ہے اور ہمزہ اس بات کی علامت ہے کہ اس کو ہمزہ بولا جائے - جمع میں ین کا اضافہ کیا تو پایں، جایں، کھایں، لایں وغیرہ وجود میں آئے - اجتماع یائیں کے باعث ثقالت ہوئی مسلمان خو گرفتہ تھے کہ پہلی یا کو ہمزہ سے بدل دیں انھوں نے ہمزہ بدل دیا تو پائیں، جائیں، کھائیں، لائیں وغیرہ بنے - جن میں ہمزہ بصورت یا لکھی جاتی ہے - ظاہر ہے کہ نون غنہ تقطیع میں محسوب نہیں ہوتا اور ضرورت شعری سے یا کو حذف کیا جا سکتا ہے مگر یہ ضروری نہیں ہے کہ کتابت سے بھی اس کو خارج کیا جائے - اگر یہ اصول تسلیم کیا جائے تو اشعار ذیل میں 'میں' کا صرف میم لکھا جائے -

جس کو کیا نشانہ ہوا دم میں بے نشاں
ہر پر ہے شہپر ملک الموت تیر کا
جب تک نہ آب پاک دہان نبی پیا
اس شیر کے نہ دل میں خیال آیا شیر کا

شجاعت میں کرم میں عدل میں صورت میں سیرت میں
امام آخری ہے مثل اپنے جد امجد کا
ازل سے دشمنی طاؤس و مار آپس میں رکھتے ہیں
دل پر داغ کو کیونکر ہے عشق اس زلف پیچاں کا

'یں' اور 'وں' کے حذف کی مثالیں :

لاکھوں نے کاٹ کے سر رکھ دیے قاتل کے حضور
انگلیاں ہو گئیں یوسف پہ جو دو چار جدا
کل چلے جاتے ہیں تو کہتے ہیں برگ گلبن
ہم تہی دستوں سے کیوں کر نہ ہوں زردار جدا
پاؤں میں اس پاک دامن کے تصدق سے نجات
جس کی پابوسی کو پیدا پنجۂ مریم ہوا

آخری شعر میں ہمزہ کے بعد واو متکلم کا ہے کیا اس کو بھی حذف کیا جائے -

پیری میں شعلہ رویوں سے خالی کنار ہے
کیوں کر گزر کماں میں ہو تیر شہاب کا

اے وعدہ خلاف ایسی ہے منتظری تیری
دروازوں کو میں ہر شب زنجیر نہیں کرتا

یہ تمام اشعار ناسخ کے ہیں ۔ 'اں' کے حذف کی مثالیں انیس اور یاس کے اشعار سے پیش کی جاتی ہیں :

ہے ہے علی کی بیٹیاں کس جاہوں گوشہ گیر
اصغر کے گاہوارے تک آ کر گرے ہیں تیر

چلے چلو جہاں لے جائے ولولہ دل کا
دلیل راہ محبت ہے فیصلہ دل کا

ظاہر ہے کہ اشعار میں حروف کا دب کر نکلنا اس امر کی اجازت نہیں دیتا کہ ہم املا بدل دیں ۔ جو شعر پیش کیے گئے ہیں ان کے متعلق محاکمہ کیا جاتا ہے :

کیا منہ ہے جو اخبار لکھیں تو اجل جائیں
یا طعن کے الفاظ زبانوں سے نکل جائیں

ظاہر ہے کہ عروض و ضرب میں 'ئیں' کا تلفظ خفیف کیا جاتا ہے ورنہ مصرعے ناموزوں ہو جائیں گے ۔ اس تلفظ کا مدار ہمزہ مکتوبی پر نہیں ہے بلکہ پڑھنے والے پر ہے ۔ اگر اس کا خیال مد نظر ہے تو احتیاط اسی میں ہے کہ اس قسم کے کلمات نظم نہ کیے جائیں کیونکہ عروضی مصاریع کے آخر نون غنہ کو تقطیع میں محسوب کرتے ہیں :

ہے دل میں تیرے مکھڑے کی لیں ہم بلائیں آج
گو اس میں اپنے جی سے گزر کیوں نہ جائیں آج

اس قسم کے اشعار سے ہمزہ کا سقوط غلط ہے ۔ جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے ۔ 'یں' علامت جمع ہے صرف نون علامت جمع نہیں ہے اور جائے صیغہ مضارع ہے ۔ اس کی یا کس قاعدے کے ماتحت محذوف ہوگی ۔ بلائیں جمع ہے بلاء مع ہمزہ ۔ اس کا سقوط کس قاعدے کے ماتحت کیا جائے گا ۔

اگر تنہا تجھے ہم دیکھ پائیں   تمنا ہے کہ لیں تیری بلائیں

اس شعر میں اسقاط ہمزہ غلط ہے - یہ شعر ہزج مسدس مقصود محذوف کا ہے - وزن مفاعیلن مفاعیلن فعولن فعولان دو بار ہے - جو لوگ نون غنہ کو محسوب کرتے ہیں ان کے نزدیک فعولان ہے ورنہ فعولن تو ضرور ہے - اگر بقول محترمہ مضمون نگار ہمزہ کو ساقط کیا جائے تو وزن فعول ہو جائے گا جو بحر ہزج مسدس کا رکن نہیں ہے -

مرزا غالب کے جس قطعہ سے استناد کیا گیا ہے - غالباً مرزا صاحب نے قصداً یہ قوافی نظم کیے ہیں تا کہ یہ دلیل مل سکے کہ عروض و ضرب میں بھی یائے جمع کا دینا جائز ہے - مگر کتابت سے ہمزہ یا یا کا سقوط ضروری نہیں ہے -

پختہ تر اس سے ہوئے خوئے غلامی میں عوام

اس مصرع کے متعلق یہ عرض ہے کہ ہوئے میں واو کو متحرک پڑھا جائے جو خلاف فصحا ہے یا یا کا اشباع کیا جائے جو مقبول فصحا ہے ، اس کا فیصلہ اہل علم پر چھوڑتا ہوں - خوئے کے متعلق گزارش ہے کہ واو ساکن کے بعد یائے کا تلفظ کیوں کر کیا جائے اس کی ادائیگی ہم لوگ ہمزہ کی طرح کرتے ہیں - یہ ہمزہ مستقل حرف نہیں ہے بلکہ اس امر کی علامت ہے کہ اس یا کو ہمزہ کی طرح بولا جائے - اسی طرح واو بھی ہمزہ کی طرح بولا جاتا ہے مرزا غالب کا شعر ہے :

لاکھوں لگاؤ ایک چرانا نگاہ کا
لاکھوں بناؤ ایک بگڑنا عتاب میں

مرزا غالب کا یہ کہنا کہ جہاں یائے تحتانی جزو کلمہ ہے اس پر ہمزہ لکھنا گویا عقل کو گالی دینا ہے - اس کو وسعت دے کر یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اس کو ہمزہ کی طرح بولنا بھی عقل کو گالی دینا ہے جس کے مرتکب مرزا صاحب عمر بھر ہوتے رہے - جو لوگ مرزا صاحب کی ہم نوائی کے مدعی ہوں وہ اس کا مظاہرہ کریں کہ الف اور واو ساکن کے بعد یائے ساکن کو ادا کریں اور اس میں ہمزہ کا تلفظ نہ آنے پائے - ہم لوگ سہاینا کو سہاینا اس طرح بولتے ہیں کہ ہمزہ کی آواز پیدا ہوتی

ہے - جس طرح عائشہ اور بائع میں یائے تحتانی کے بجائے ہمزہ بولتے ہیں حالانکہ دونوں کلمات میں یائے تحتانی مکسور تھی - عربی کے قواعد چونکہ کلی ہوتے ہیں اس لیے انھوں نے قرار دے دیا کہ اجوف میں اسم فاعل میں واو اور یائے تحتانی کو ہمزہ سے بدل دیں گے - اردو میں بھی بالعموم اسی پر عمل ہوتا ہے - مثلاً سائبان - رائگاں - چاؤش - بچاؤ - بکاؤ (واو معروف) کھاؤ (واو معروف) کوئی وغیرہ -

جس کلمے کے آخر میں ہمزہ اصلی ہوتی ہے اس کے ساتھ یا نہیں لکھتے مثلاً :

کل کے لیے کر آج نہ خست شراب میں
یہ سوء ظن ہے ساقی کوثر کے باب میں

اب دوسرا مسئلہ ہائے مختفی کا ہے ظاہر ہے کہ ہائے مختفی صرف فارسی کلمات میں ہو سکتی ہے عربی میں اس کا وجود نہیں - ہائے مختفی اس امر کی علامت ہے کہ آخری حرف ساکن نہیں متحرک ہے - اس امر کو سمجھنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ آریائی اور سامی زبانوں کا بنیادی فرق پیش نظر رہے - وہ یہ ہے کہ آریائی زبانوں میں ہر حرف متحرک بالقوہ ہے اور سامی زبانوں میں ساکن بالقوہ ہے - آریائی زبانوں میں سکون عارضی ہے اور سامی زبانوں میں حرکت عارضی ہے - جب فارسی کو عربی رسم الخط میں لکھا گیا تو آخری حرکت کے اظہار کے لیے ہائے مختفی بڑھائی گئی - یہاں پر یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ بہت سے حروف ساکن بولے جاتے ہیں - یہ سکون عہد اسلامی کی فارسی میں ہے قدیم فارسی میں نہیں ہے - جس طرح سنسکرت بولی جاتی ہے اسی طرح فارسی حروف میں بھی حرکت کا اظہار ہوتا تھا - فارسی میں بہت کم الفاظ ہیں جن کے آخر میں ہا ماقبل مفتوح ہو اور اکثر اس فتحہ کا اشباع کیا جاتا ہے -

میرا خیال ہے کہ اصل کلمات میں 'الف' نہ تھا ہائے مظہر کے امتیاز کے لیے الف بڑھایا گیا مثلاً چاہ - راہ - نگاہ - شاہ - ماہ - کلاہ - گناہ - تباہ - پناہ - روباہ وغیرہ مگر فربہ میں الف نہیں بڑھاتے - ماقبل مکسور مثلاً بِہ - دہ - مِہ - (بڑا) کہ (خوردہ) وغیرہ ماقبل مضموم مثلاً نُہ - کُہ

وغیرہ - ہائے مختفی تصریف کاف سے بدل جاتی ہے - اس لسانی مسئلے کو میں یہاں نہیں چھیڑتا مگر حالت اضافت میں اس پر ہمزہ کا اضافہ کیا جاتا ہے - یہ امر مابہ النزاع نہیں ہے، سوال عربی کلمات کا ہے - عربی میں تائے ابدال، تائے تنکیر اور تائے تانیث حالت وقف میں 'ہ' ہو جاتی ہے ظاہر ہے کہ یہ مختفی نہیں ہے - فارسی اور اردو میں اس 'ۃ' کو کبھی 'ہ' سے لکھتے ہیں کبھی تائے کشیدہ سے مثلاً اضافت - تہمت - شہرت - کرامت - مطابقت - مسابقت - رحمت - زحمت - شامت - حجت - رخصت - امت - فرصت - اضافہ - ارادہ - اعادہ - افادہ - امالہ - کلمہ - عائشہ - توبہ - زہرہ - شہرہ - کینہ - خزانہ - ائمہ - اسوہ - تکملہ - تتمہ - طرفہ - تکیہ - شعلہ - کرہ - وغیرہ - فارسی ترکیب میں ان کلمات کی 'ہ' کو ہائے مختفی سمجھا جاتا ہے اور ہمزہ کا اضافہ کیا جاتا ہے اور جو حروف تا سے لکھے جاتے ہیں ان پر صرف کسرہ بڑھایا جاتا ہے -

عربی کے ایسے کلمات جن میں لام ہ ہو اردو میں کم مستعمل ہیں مثلاً ابلہ - تیہ - مکروہ - جبہہ - جاہ - وغیرہ ان میں عام طور سے 'ہ' کا اظہار کیا جاتا ہے -

مرزا غالب کے کلام سے چند مثالیں ملاحظہ ہوں :

جذبۂ بے اختیار شوق دیکھا چاہیے
سینۂ شمشیر سے باہر ہے دم شمشیر کا

بہ فیض بے دلی نومیدیٔ جاوید آساں ہے
کشائش کو ہمارا عقدۂ مشکل پسند آیا

دل حسرت زدہ تھا مائدہ لذت درد
کام یاروں کا بہ قدر لب و دندان نکلا

عشق سے طبیعت نے زیست کا مزا پایا
درد کی دوا پائی درد بے دوا پایا

نہیں ذریعۂ راحت جراحت پیکاں
وہ زخم تیغ ہے جس کو کہ دل کشا کہیے

شب کہ برق سوز دل سے زہرہ ابر آب تھا
شعلۂ جوالہ ہر اک حلقۂ گرداب تھا

فائدہ کیا سوچ آخر تو بھی دانا ہے اسد
دوستی ناداں کی ہے جی کا زیاں ہو جائے گا
یک ذرۂ زمیں نہیں بیکار باغ کا
یاں جادہ بھی فتیلہ ہے لالہ کے داغ کا

ضرورت شعری کے ماتحت شعرا ہائے مختفی اور ہائے تنکیر وغیرہ کو ہائے مظہر بھی کر دیتے ہیں مثلاً:

تازہ نہیں ہے نشۂ فکر سخن مجھے
تریاکیٔ قدیم ہوں دود چراغ کا
بسکہ ہوں غالب اسیری میں بھی آتش زیر پا
موئے آتش دیدہ ہے حلقہ مری زنجیر کا
صرفہ ہے ضبط آہ میں میرا وگرنہ میں
طعمہ ہوں ایک ہی نفس جاں گداز کا

ابلہ جنت میں یائے بطنی نہیں ہے بلکہ اشباع حرکت ہے۔ یائے بطنی اس یا کو کہتے ہیں جو لکھی جائے اور بولی نہ جائے جس طرح واو معدولہ ملفوظی نہیں ہوتی۔ کیا ، کیوں وغیرہ میں یائے بطنی ہے:
پختہ تر اس سے ہوئے خوئے غلامی میں عوام

اس مصرع میں ہوئے کا واو ساکن ہے اور خفیف بولا جاتا ہے اس کو بے ضرورت متحرک کرنا غلط ہے اسی طرح 'خو' کا واو معروف اور اس کے آخیر میں یا سے ہمزہ کی آواز پیدا ہوتی ہے۔

جن الفاظ کو غلط قرار دیا گیا ہے اوپر کی معروضات کی روشنی میں اس کی جانچ کی جا سکتی ہے۔

محترمہ کو معلوم ہوتا ہے عربی سے چڑ ہے جبھی تو یہ تجویز پیش کی ہے کہ عربی جموع نہ استعمال کی جائیں۔ شخص یا مقام جمع نہیں ہیں مفرد ہیں۔ فارسی میں عدد کے ساتھ معدود ہمیشہ واحد لاتے ہیں اس کا اثر قدما کی زبان میں ملتا ہے۔ عصر حاضر میں خواجہ دل محمد نے جگہ جگہ معدود واحد استعمال کیا ہے۔ خواجہ آتش کا مشہور شعر ہے:

سفر ہے شرط مسافر نواز بہتیرے
ہزار ہا شجر سایہ دار راہ میں ہے

اس کے مقابلے میں مولوی اسمعیل میرٹھی نے لکھا ہے :

کیڑوں نے ہزار ہا کتابیں کھا لیں
پائی نہ کبھی فضیلت کی سند

مرزا غالب فرماتے ہیں :

وہ کہ جس کی صورت تکوین میں
مقصد نہ چرخ و ہفت اختر کھلا
لاکھ عقدے دل میں تھے لیکن ہر ایک
میری حد وسع سے باہر کھلا

پہلے شعر میں معدود واحد اور دوسرے شعر میں جمع ہے :

سو پشت سے ہے پیشۂ آبا سپہ گری
کچھ شاعری ذریعۂ عزت نہیں مجھے

لفظ تکرار کے متعلق گزارش ہے کہ نوراللغات میں ہر معنی میں مؤنث لکھا ہے - جلیل القدر نواب فصاحت جنگ بہادر جلیل مانک پوری جانشین ملک الشعراء امیر مینائی کے شعر پر اعتراض بھی کر دیا ہے - میرا خیال ہے کہ مرزا غالب نے بھی اسی معنی میں لکھا ہے :

بسکہ لیتا ہوں ہر مہینے قرض
اور رہتی ہے سود کی تکرار

یعنی ماہ بماہ سود بڑھتا جاتا ہے - ورنہ جھگڑالو قرض دار کو قرض کوئی کیوں دے گا -

مولانا حسرت موہانی نکات سخن رقم طراز ہیں :

الفاظ اور حروف کی تکرار عام اس سے کہ وہ شعر کے ایک ہی مصرع میں ہو یا دونوں میں عموماً قبیح سمجھی جاتی ہے اور واقعی ہوتی بھی ہے - اس میں شبہ نہیں کہ بعض موقعوں پر تکرار الفاظ حسین بھی ہوتی ہے - (صفحہ ٦٩) مرحوم بابائے اردو سے اس موقعے پر تسامح ہوا ہے - حکیم ضامن علی جلال نے بھی مؤنث لکھا ہے - (مفیدالشعرا مطبوعہ چاند پریس جموں صفحہ ۴۲) -

اگر رسم الخط میں سے کسی وجہ کچھ ترمیم کی جا چکی ہے اگر اس میں اصلاح کی گئی تو شاید نئی الجھنیں پیدا ہوں مثلاً ناسخ کا شعر ہے :

یاد آتا ہے ترا کیا کے عوض کا کہنا
ہائے پھر کب میں سنوں گا وہ گنواری بولی

اگر پہلے مصرع میں ترمیم کر دی جائے

"یاد آتا ہے ترا ناز سے وہ کا کہنا"

تو مصرع بعید از فہم ہو جائے گا ۔ خلاصہ یہ ہے کہ فارسی و ہندی کلمات میں ہمزہ نہیں ہے مگر الف واو اور یا کے عوض ہمزہ بولی جاتی ہے ۔ ایسے مواقع پر الف کو بصورت یا لکھتے ہیں خواہ نقطے لگائیں یا نہ لگائیں ۔ ہمزہ اس مقصد کے تحت لکھتے ہیں کہ قاری ہمزہ کا تلفظ کرے ۔ اسی طرح ہائے مختفی عربی کلمات میں نہیں ہے مگر ہائے تنکیر و تانیث کو ہائے مختفی کی طرح بولتے ہیں ۔ بہت کم لفظ ایسے ہیں جن کے آخر میں ہائے مظہر موجود ہے ۔ فارسی کی ہائے مختفی عربی میں ج سے بدل جاتی ہے مثلاً شاہترج ۔ ابلیج ۔ ابنج ۔ آملج وغیرہ ۔ ہائے مختفی کے آخر میں کسرۂ اضافت میں اشباع بھی کیا جاتا ہے ۔ مرزا غالب کے دو شعر لکھ کر مضمون ختم کرتا ہوں :

بہ فیض بے دلی نومیدیٔ جاوید آساں ہے
کشائش کو ہمارا عقدۂ مشکل پسند آیا
ہوائے سیر گل آئینۂ بے مہری قاتل
کہ انداز بخوں غلطیدن بسمل پسند آیا

مولانا حامد حسن قادری

تحقیق الفاظ

"خضر"

یہ لفظ ہندوستان میں دو طرح بولا جاتا ہے (۱) خِضْر، بکسر اول و سکون دوم (۲) خِضَر، باعراب دگر۔ شعرائے ایران نے بھی دونوں طرح نظم کیا ہے۔ لیکن دوسرا تلفظ اصل میں صحیح نہیں ہے یعنی دگر کے وزن پر خِضَر عربی کا کوئی لفظ نہیں ہے البتہ خَضَر (بفتحین بر وزن نظر و اثر) ایک لفظ ہے جس کے معنی سبزی و تازگی کے ہیں لیکن وہ نام نہیں ہے۔

غیاث اللغات میں درج ہے: "لقب پیغمبر کہ آرمیا نام اصلی ایشان ست بدو وجہ است یکے خضر کہ بکسر اول و سکون ثانی باشد، دوم خضر کہ بفتح اول و کسر ثانی باشد۔ ازلطائف و منتخب و کنز۔"

مختلف تلفظوں کی فارسی و اردو مثالیں یہ ہیں:

۱ - خِضْر (بوزن فکر)

بوا دلیے کہ درا نخضر را عصا خفت است
بہ سینہ می سپرم رہ اگرچہ پا خفت است
(مرزا غالب دہلوی)

وہ زندہ ہم ہیں کہ ہیں روشناس خلق اے خضر
نہ تم، کہ چور بنے عمر جاوداں کے لیے
(مرزا غالب دہلوی)

۲ : خِضَر (بروزن دِگر)

او بے وفا و بخت بد و آہ نارسا
در آرزوے دید و گر زیستن چہ سود
گر آرزو نداری دلت بایدت چرا
در عشق نیست مثل خضر زیستن چہ سود
(عزیزالدین کاشی)

مزا تو یہ ہے کہ آزاد ہو کے سیر کرے
خضر کو رشتۂ عمر ابد کمند ہوا
(مرزا داغ دہلوی)

۳ : خَضِر (بفتح اول و کسر ثانی)

بادہ در جوش است و رنداں منتظر
ساقیا خضرا صفا دع ما گدر
در خرابات مغاں بگذر کہ ہست
ہر صراحی چشمہ ، ہر ساقی خضر
عشق نتوانست پوشیدن ز غیر
شد ازاں مجنوں بعالم مشتہر
(فیضی)

اس تلفظ کی کوئی مثال اردو شعر کی نہیں ملی ۔ نوراللغات میں لکھا ہے کہ "خضر لکھنؤ میں بفتح اول و کسر و دوم اور بالکسر زبانوں پر ہے ۔" لیکن پہلے تلفظ کی مثال نہیں لکھی ۔

فیضی کی غزل میں ایک اور لفظ بحث طلب ہے یعنی "مشتہر" بکسر ہائے ہوز ۔

"مشتہر و منتظر وغیرہ"

فیضی نے اوپر کی غزل میں 'مشتہر' کو بکسر ہائے ہوز 'مشہور' کے معنی میں نظم کیا ہے حالانکہ عام طور پر مشہور کرنے والے اور اشتہار

دینے والے کے لیے بولا جاتا ہے اور مشہور کے لیے مشتہر (بفتح ہا) مستعمل ہے۔

تحقیق یہ ہے کہ یہ لفظ باب افتعال سے ہے جو لازم و متعدی دونوں آ سکتا ہے اس لیے از روئے قاعدہ اس کے اسم فاعل اور اسم مفعول دونوں با معنی ہیں، اور ہندوستان کے رواج یافتہ الفاظ مشتہِر (بمعنی شہرت دہندہ) اور مشتہَر (بمعنی شہرت دادہ شدہ) دونوں درست ہیں۔

چنانچہ غیاث اللغات وغیرہ نوراللغات میں زبر و زیر دونوں حرکتیں درج ہیں۔ "افتعال" سے جو اور مصادر صدہا نکلے ہیں ان میں سے بہت سے مصدروں کے اسم فاعل اور اسم مفعول دونوں رائج ہیں۔ مثلاً منتظِر و منتظَر، منتخِب و منتخَب، منتہی و منتہا مخترِع و مخترَع، لیکن بعض کے صرف اسم فاعل مستعمل ہیں اسم مفعول نہیں مثلاً مختفی، مختلف، مشتری، مشتغل اور بعض کے صرف اسم مفعول استعمال میں ہیں، اسم فاعل نہیں۔ مثلاً مختصر مصطفیٰ، مجتبیٰ، مرتضیٰ، معتبر، محترم، محتشم، مختفر۔

فارسی کی مثال اوپر فیضی کے شعر میں ہے اردو کی مثال میں میر انیس کا یہ شعر ہے:

> تیزی تھی کہ منکر بھی براٹ تھا مقر اس کا
> تھا کاٹ میان دو جہاں مشتہر اس کا

ایران کی جدید فرہنگوں میں مشتہِر (بکسر ہا) بمعنی مشہور لکھا ہے فتح کے ساتھ کوئی لفظ نہیں بتایا۔ اس کے ساتھ یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ باب افتعال کے بعض مصادر صرف لازم آتے ہیں متعدی نہیں آتے اس لیے ان سے صرف اسم فاعل بنتے ہیں اسم مفعول نہیں بنتے۔ ان میں ایک بہت ضروری و کار آمد لفظ منتشر ہے۔ یہ شین کے زیر سے درست نہیں ہے۔ ایسا ہی کثیر الاستعمال لفظ منتظم ہے یہ بھی ظ کے زیر ہی سے صحیح ہے، اور اس کے معنی وہی ہیں جو عام طور پر منتظم (بفتح ظا) کے لیے جاتے ہیں یعنی درست کیا ہوا یا درستی پانے والا۔ انتظام کرنے والے کے معنی نہیں ہیں۔ اگرچہ عام طور پر اسی معنی میں بولتے ہیں۔ اصل میں منتظم (زبر کے ساتھ) کوئی لفظ نہیں ہے، لیکن ہندوستان

میں بولتے ہیں اور بعض شعرائے ایران نے بھی لکھا ہے۔ قاآنی نے 'منتظم'
(بفتح ظا) درست و نظام یافتہ کے لیے لکھا ہے :

آمدچہ؟ خلعت ؟ از کجا ؟ از در گہ شاہِ عجم
کے ؟ صبحدم از بہر کہ ؟ از بہر میرِ ملک جم
نظمِ بسائیں رانگر ، آسائشِ دیں رانگر
حسن قوانیں رانگر در حکمرانی منتظم

"مضطر و مضطرب"

مضطر عربی میں "اضطرار" سے اسم مفعول ہے یعنی وہ شخص جس
کو نقصان پہنچا ہو۔ عربی میں مضطر بمعنی مجبور استعمال ہوتا ہے۔ قرآن
مجید میں بھی اسی معنی میں متعدد جگہ آیا ہے۔ فارسی والوں نے بھی
اسی مفہوم میں استعمال کیا ہے۔ اردو میں اس کے معنی بدل گئے ہیں یا
یوں کہیے کہ ایک اور معنی میں بھی استعمال ہونے لگا یعنی مضطرب کے
مفہوم میں۔

مضطرب عربی میں "اضطراب" سے اسم فاعل ہے بمعنی بیقرار ایک
جگہ یا ایک حال پر قائم نہ رہنے والا۔ فارسی و اردو میں بھی انہی معنوں
میں آتا ہے۔

اب اس زمانے کے جدید نقادوں کو اعتراض ہے کہ مضطر کو
مضطرب کی جگہ نہ لکھنا چاہیے۔

میری رائے یہ ہے کہ مضطر کو قدیم اساتذہ نے مضطرب و بیقرار
کے معنوں میں درست سمجھ کر استعمال کیا ہے تو اس سے رجعت کی کوئی
وجہ نہیں۔ سند میں یہ اشعار موجود ہیں۔

ابرِ تر آنسو بہانا کوئی ہم سے سیکھے
برق مضطر تلملانا کوئی ہم سے سیکھے
(ذوق)

جب کھنچے ان سے ہوئے اور زیادہ مضطر
مرضِ عشق کے پرہیز نے مارا ہم کو
(داغ)

(اردو نامہ کراچی شمارہ ۲۴)

عین الحق فرید کوٹی

اردو الفاظ کی اصل

صاحب مقالہ اصول الفاظ کی تحقیق کے سلسلے میں برصغیر کی غیر آریائی زبانوں کو خاص طور پر لائق توجہ خیال فرماتے ہیں، جو اپنی جگہ بڑی معقول بات ہے۔ ہم توقع کرتے ہیں کہ وہ اس سلسلے میں صرف اتفاقی مماثلت پر حکم نہ لگائیں گے بلکہ تغیر و تبدل کے اصول منضبط کرنے کی سعی فرمائیں گے۔ اس صورت میں اُن کی تحقیقات بہت مفید ثابت ہو سکتی ہیں۔

موجودہ مقالے کے مندرجات سے ہمارے مدیر لغت جناب ڈاکٹر شوکت صاحب سبزواری کو عموماً اختلاف ہے بعض مقامات پر اُن کی رائے ادارے کی طرف سے حاشیے میں درج کر دی گئی ہے۔ (ش - ح - خ)

عافیت تو اسی میں ہے کہ انسان ایک گھِسے پٹے راستے پر گامزن رہے۔ اس میں نہ بھٹکنے کا امکان اور نہ کانٹوں کا ڈر۔ یہ راستے مسلسل پامال ہو ہو کر اتنے سیدھے اور ہموار ہو جاتے ہیں کہ ان پر گامزن ہوتے ہی منزل سامنے نظر آ جاتی ہے، لیکن اس کا کیا علاج کہ بعض انسانی طبائع مشکل پسند واقع ہوتی ہیں۔ اس قسم کے خبطی انسان خواہ مخواہ گوشۂ عافیت کو خیر باد کہہ کر انجانی وادیوں کی طرف رخ کر لیتے ہیں۔ کبھی وہ قطب شمالی کی تلاش میں چل کھڑے ہوتے ہیں تو کبھی ہمالہ کی چوٹی سر کرنے کے خبط میں، بلکہ چاند اور ستاروں کی دنیا پر بھی کمندیں پھینکنا شروع کر دیتے ہیں۔ ان راہوں میں حائل ہونے والے حوادث اُن میں ایک نیا عزم پیدا کر دیتے ہیں اور طوفانوں سے ٹکرا جانے کو ہی اپنی زندگی کا ماحصل تصور کرتے ہیں۔ ان میں سے اکثر اپنی

منزل پر پہنچنے سے پہلے ہی انجانی وادیوں کی وسعتوں میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے کھو جاتے ہیں ، لیکن اپنے انجام سے بے پروا من چلے مہم جو ، ان کے نقوش کف پا کا سہارا لے کر ان پرخطر خار زاروں میں نئی منزلوں کے سراغ میں اور آگے بڑھتے ہیں - آخر ایک دن کامرانی ان کے قدم چوم لیتی ہے ، اور انسانی تگ و دو کی تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ کر جاتے ہیں -

نہیں معلوم کہ جن ان دیکھے راستوں پر میں چل رہا ہوں وہ کبھی کسی منزل پر پہنچاتے ہیں یا نہیں - میری مثال اس یکہ و تنہا راہرو کی سی ہے جس کے آبلہ زدہ پاؤں کانٹوں سے چھلنی ہو چکے ہوں ، اور آگے راستہ بھی سجھائی نہ دیتا ہو -

آج سے کوئی چودہ پندرہ سال قبل میں اردو زبان کے سرچشموں کی تلاش میں نکلا لیکن بجائے میکس مولر[1] اور جارج گریرسن کے بتلائے ہوئے راستے پر گامزن ہونے کے جو پراکرتوں کی وادی سے گزرتا ہوا سنسکرت کے چشمے پر جا کر ختم ہو جاتا ہے ، موہن جوڈارو اور ہڑپہ کی وادیوں کی طرف جا نکلا - میں ان ہزاروں سال پرانے کھنڈرات کے مکینوں کی زبان کا سراغ لگانے کا متلاشی تھا جن کی ہڈیوں کو سرمہ بنے ہوئے بھی ہزاروں سال بیت چکے ہیں - اس راستے میں پگڈنڈی تو کجا پاؤں کے نشان بھی نظر نہیں آتے تھے - ایک موہوم سی امید کے سہارے میں آگے بڑھتا گیا - گھپ اندھیرے میں کہیں کہیں امید کی ہلکی سی کرن بھی پڑ جاتی جو رہوار تجسس کے لیے مہمیز کا کام کرتی - میں سمجھتا تھا کہ کچھ بھی ہو ہڑپائی تہذیب کی اس زبان کا جسے آریاؤں نے "مردھرا واک" یعنی اجنبی زبان کا نام دیا اور متقدمین نے اسے سنسکرت کے مقابلے میں "دیسا جا" کے نام سے منسوب کیا ، کچھ نہ کچھ عنصر وادی سندھ کی موجودہ زبانوں

---

۱ - میکس مولر اور گریرسن وغیرہ علماء لسانیات نے زبان کے اصول و اصوات اور قواعد کے مطالعے کی بابت فیصلہ کیا ہے کہ وہ زبان کس خاندان کی ہے - ادھر ادھر سے چند الفاظ لے کر زبانوں کے رشتے متعین نہیں کیے جا سکتے - (ادارہ)

میں کسی نہ کسی صورت میں موجود ہو گا ۔ خاص کر دراوڑی گروہ کی پاکستانی شاخ براہوی زبان کی موجودگی میرے لیے مشعل راہ کا کام دے رہی تھی ۔

میرا خیال ہے کہ بہت سے ایسے الفاظ جن کے ڈانڈے خواہ مخواہ کھینچ تان کر سنسکرت[1] سے ملانے کی کوشش کی جاتی ہے ، ان کا رشتہ اکثر برصغیر کی قدیم غیر آریائی یعنی دراوڑی اور منڈا گروہ کی زبانوں سے ملتا ہے ۔ اس بارے میں 'اردو نامے' میں شائع ہونے والے اپنے بعض مضامین خاص کر "وادی' سندھ میں دراوڑی زبان کی باقیات" (اردو نامہ ، شمارہ ششم ، میں مختصراً بحث کر چکا ہوں ، اور اپنی زیر ترتیب کتاب "اردو زبان کے پانچ ہزار سال" میں اس پہلو پر مزید بحث کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں ، لیکن یہاں فی الحال 'اردو نامہ' شمارہ تیئیس میں 'اشتقاقیات' کے عنوان سے کی گئی بحث میں سے چند ایک مثالوں کو سامنے رکھ کر اپنے نقطہ نظر کی وضاحت کی کوشش کروں گا ۔

کال بمعنی قحط : فاضل مقالہ نگار نے اس کی اصل "اکال" (الف نافیہ ۔ کال بمعنی زمانہ) بیان کی ہے جس کے معنی انھوں نے "برا وقت" کے[2] اخذ کیے ہیں ۔ 'الف' کے بارے میں صراحت کی ہے کہ یہ کفایت لسانی کی نذر ہو گیا ۔

'کال' کے معنی 'زمانہ' کے علاوہ 'موت' بھی لیے گئے ہیں اور بعض اوقات یہ 'مقدر' (ہونی) کے معنوں میں بھی مستعمل ہوا ہے جس سے مراد زیادہ تر بد قسمتی لی جاتی ہے ۔ اس لحاظ سے اگر اس کے سابق 'الف' نافیہ زائد کر دیا جائے تو یہ بجائے "برے وقت" کے "اچھے وقت" کے

---

۱ - سنسکرت سے نہیں قدیم ہند آریائی (O.I.A) سے ، سنسکرت جس کی ایک ادبی شکل ہے ، ڈانڈے اصول و قواعد کے مطابق ملائے جاتے ہیں ۔ انھیں خواہ مخواہ کہنا مناسب نہیں ۔ "اردو زبان کا ارتقا" ملاحظہ فرمائیں (ادارہ)

۲ - یہ معنی سنسکرت کے تمام مستند لغات میں موجود ہیں ۔ یہ کہنا کہ "اکال" کے یہ معنی اخذ کیے گئے ہیں درست نہیں (ادارہ)

معنی دے گا - قدیم میں 'اکال' کا لفظ خدا کے معنوں میں مستعمل ہوا ہے جیسے "اکال پُرکھ" بمعنی ایسی ہستی جو زماں کی قیود سے بے نیاز ہو[1] -

اس سلسلے میں دراوڑی گورہ کی زبانوں میں قحط ، بھوک اور غلے کی کمی کے لیے مندرجہ ذیل الفاظ مروج ہیں[2] :

تامل : کارُپو بمعنی قحط

کنڑوی : کارُوو بمعنی قحط

تلگو : کارُوو بمعنی قحط ، غلے کی کمی یا نایابی

کولامی اور نائیکی : کار بمعنی بھوک

گونڈی : کار بمعنی بھوک

نیزتامل : کارُ نیلم اور ملیالم : کاری بمعنی بنجر زمین ، ایسی زمین بھی جس میں سوائے گھاس پھوس کے کچھ اور پیدا نہ ہو ، اسی مادے سے منسلک ہیں -

ظاہر ہے 'کال' بمعنی قحط یا کمی ، معنوی اور صوتی لحاظ سے سنسکرت 'اکال' کی نسبت دراوڑی 'کار' سے زیادہ قریب ہے - ('ر' اور 'ل' کا متبادل عام ہے جیسے کارا=کالا بادر=بادل وغیرہ)[3]

---

۱ - "اکال" خدا کے معنوں میں قدیم نہیں - یہ بعد میں وجود میں آیا - (ست سری 'اکال') کا "اکال" سکھوں کی ایجاد ہے - سنسکرت ، پراکرت یا قدیم ہندی ادب میں اس کا وجود نہ تھا - (ادارہ)

۲ - یہ تمام الفاظ صحیح طور سے ضبط نہیں ہوئے - "کارپو" کی جگہ 'کرپ' ہونا چاہیے اسی طرح "کرو" کر یا کر یا کڑو وغیرہ (ادارہ)

۳- اردو (نیز ہندی) کا اصل لفظ اکال ہے - تلسی کہتا ہے : "جمی اکال کے کسم بھوانی"

ترجمہ گلستان (حسن علی خاں) میں جو ۱۸۰۳ء کی تصنیف ہے "اکال" ہی استعمال ہوا ہے :

مستی کے حال میں نہ ہو پاجی کو کچھ خیال
اُس دن کا جب کہ آس پر پڑے آن کر "اکال" (ادارہ)

نیارا بمعنی الگ ، جدا وغیرہ : اس کی اصل انیا اکار (انیا بمعنی دوسرا ، اکار بمعنی صورت بیان کی گئی ہے جس نے کفایت لسانی کی بنا پر مخفف ہو ہو کر موجودہ صورت اختیار کرلی -

اس پہلو میں بھی دراوڑی مادہ 'نی'[1] بمعنی جدا کرنا ، نکالنا وغیرہ قابل غور ہے - دراوڑی گروہ کی زبانوں میں اس کی مندرجہ ذیل مثالیں ملتی ہیں :

تامل : نیپ اور نیت بمعنی کسی چیز سے الگ کرنا ، چھوڑ دینا نکالنا وغیرہ -

نیکو : بمعنی نکالنا ، الگ کرنا ، ایک طرف کرنا ، چھوڑ دینا -

ملیالم : نیکم بمعنی علیحدگی ، جدائی ، نکالنا ، فرق ڈالنا وغیرہ -

تلگو اور کناری : نیگو بمعنی نکالنا ، الگ کرنا ، چھوڑ دینا وغیرہ -

اس دراوڑی مادے 'نی' بمعنی جدا کرنا یا چھوڑ دینا وغیرہ کے استعمال کی مثالیں برصغیر کے شمالی حصے کی زبانوں میں بھی موجود ہیں جیسے :

اردو پنجابی : نیاریا بمعنی دریا کی ریت سے سونا الگ کرنے والا -

پنجابی : نکھوڑنا بمعنی جدا ہونا -

نکھیڑنا بمعنی جدا کرنا ، علیحدہ علیحدہ کرنا -

نکھیڑا بمعنی جدائی ، فرق وغیرہ -

---

۱ - اس میں شک نہیں کہ "نی" دراوڑ زبانوں میں ایک مستقل مادہ ہے جس کے معنی ہیں الگ کرنا یا جدا کرنا ، لیکن اس میں بھی شبہ نہیں کہ 'ن' (بکسر) ایک عام اور کثیر الاستعمال آریائی سابقہ ہے جو سنسکرت کے علاوہ قدیم فارسی ، یونانی ، سلاف ، جرمانی ، اینگلوسیکسن ، انگریزی اور جدید فارسی وغیرہ تمام قدیم و جدید آریائی زبانوں میں پایا گیا ہے - اس کے حسب ذیل چند معانی لغت نویسوں اور قواعد دانوں نے لکھے ہیں : نیچے ، پیچھے ، اندر ، الگ ، نفی ، خلاصی ، سہارا وغیرہ - اتنے عام ، ہمہ گیر اور مقام کے لحاظ سے وسیع حرف کو دراوڑ زبانوں سے ماخوذ قرار نہیں دیا جا سکتا - (ادارہ)

نتارنا بمعنی پانی کو گرد سے علیحدہ کرنا ، سچ کو
جھوٹ سے علیحدہ کرنا (اردو نتھارنا) -

قدیم اردو و ہندی : نبارن — جدائی -

نبڑنا — الگ ہونا ، جدا ہونا -

نبکنا — الگ کرنا ، نکالنا ، چھوڑ دینا -

نپٹا — کٹا ہوا ، علیحدہ شدہ -

نکائی ، ندائی ، نرانی نلاؤ - فصل سے گھاس
پھوس کھود کر الگ کرنا -

ظاہر ہے کہ نیارا اور اس کا ہم مخرج لفظ نیاریا سنسکرت کے 'انیا اکار' کی بجائے دراوڑی مادہ 'نی' سے قریب ہیں[1] -

نرسوں بمعنی گزشتہ یا آیندہ چوتھا روز -

فاضل مقالہ نگار نے اسے ترسوں اور پرسوں[2] کے مترادف بیان کیا ہے حالانکہ ان کے معنوں میں واضح فرق موجود ہے - ترسوں[3] اور پرسوں کے

---

۱ - یہ تمام الفاظ سابقہ 'ن' اور کسی نہ کسی آریائی مادے سے لیے گئے ہیں - مثلاً "نیاریا" کو لیجیے جسے مقالہ نگار "نیارا" کا ہم مخرج بتاتے ہیں (حالانکہ دونوں جدا جدا ہیں - "نیاریا" تین لفظوں سے مل کر بنا ہے - ن (سابقہ بمعنی خلاصی) + — ار (= کھار قدیم پراکرت کشار بمعنی صاف کرنا یا بھار سنسکرت بھال بمعنی دیکھنا قب : دیکھ بھال (+ — یا سنسکرت اکا) لفظ کے معنی ہیں چھان پھٹک کرنے والا ، صاف کرنے والا - مقالہ نگار کو یہ بتانا چاہیے تھا کہ "نیارا" اور نیاریا بالفرض دراوڑی مادہ "نی" سے لیے گئے ہیں تو 'آرا' اور 'آریا' کیا لفظ ہیں اور کہاں سے آئے - (ادارہ)

۲ - صریحاً غلط بیانی ہے - "ترسوں کو اترسوں" (= نرسوں) کا مترادف بنایا گیا ہے - (ادارہ)

۳ - یہ بھی درست نہیں - "ترسوں" بقول پلیٹس اترسوں کا مخفف ہے اور اس کے وہی معنی ہیں جو اترسوں کے ہیں یعنی پرسوں کے بعد کا یا پہلا یعنی آج سے چوتھا دن - (ادارہ)

معنی "گزشتہ یا آیندہ تیسرا روز" کے ہیں۔ ترسوں کو ترسوں سے ملانے کے لیے اس کی اصل "ات پرشوس" بمعنی "پرسوں سے گزشتہ" بیان کی ہے جو صحیح نہیں۔ یہ دونوں الفاظ گو ہم مخرج نہیں، لیکن ہم معنی ضرور ہیں ترسوں میں 'تر' کا سابقہ، درحقیقت ترے بمعنی تین کی ترجمانی کرتا ہے[1] یعنی تیسرا دن۔ اسی طرح نرسوں میں 'نر' کا سابقہ دراوڑی ہندسہ 'نل'، بمعنی چار کی ترجمانی کرتا ہے[2] 'ل' اور 'ر' کے حروف آپس میں متبادل ہیں جیسے:

تامل، ملیالم، کناری، تلگو وغیرہ: نل یا نال بمعنی چار۔ تامل:

نری = چار گنا۔

نرپتو = چار دسے زلت: دس) یعنی چالیس۔

نرکالی = چار پاؤں والی یعنی کرسی۔

برصغیر کے شمالی حصے کی زبانوں میں دراوڑی اور منڈا ہندسوں کی موجودگی کوئی نئی بات نہیں۔ کوڑی بمعنی بیس منڈا گروہ کی زبانوں سے تعلق رکھتا ہے اور برصغیر کی قریب قریب تمام زبانوں میں مستعمل ہے۔ اسی طرح منڈاری: گنڈا بمعنی چار۔ اردو اور پنجابی زبان میں انھی معنوں میں مستعمل ہے۔ منڈاری 'با' بمعنی دو کی بھی یہی حالت ہے۔ یہ نہ صرف سندھی زبان میں اپنے اصلی روپ میں موجود ہے بلکہ دوسری زبانوں میں بھی بارہ، بیس اور بائیس وغیرہ میں 'ب' کا سابقہ اسی 'با' کی ترجمانی کرتا ہے[3]۔

---

۱ - "ترے" سنسکرت اور قدیم پراکرت "تر" کی جدید پنجابی شکل ہے۔ "تر" اردو اور بعض دوسری زبانوں میں "ت" (بکسرہ) ہوا۔ جیسے تراسا، تکونیا، تبارا، تگنا وغیرہ۔ "ترسوں" کی 'ت' پر زبر ہے۔ مفتوح 'ت' تین کی ترجمانی نہیں کر سکتی۔ (ادارہ)

۲ - "نر"، اگر دراوڑ زبان سے لیا گیا ہے تو "سوں" کہاں سے آیا اور اگر "سوں" آریائی ہے تو اس پر "نر" کس نے داخل کیا اور کب؟ کیا "نرسوں" دراوڑ زبان میں کوئی لفظ ہے؟ (ادارہ)

۳ - بارہ، بیس وغیرہ اعداد کی "ب" قدیم آریائی "دو" کے 'و' کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ "دو" قدیم فارسی، یونانی، لاطینی اور انگریزی تمام زبانوں میں ہے۔ (ادارہ)

اردو اور برصغیر کے شمالی حصے کی دیگر زبانوں میں روز مرہ کی بول چال میں دراوڑی اور منڈا زبانوں کے عنصر کا تناسب اتنا زیادہ ہے کہ میں حیران ہوتا ہوں کہ ہم اسے کس طرح نظر انداز کیے جا رہے ہیں۔ اپنے مطمح نظر کی تفصیلی وضاحت کے لیے ایک پیرا گراف یا ایک مضمون کافی نہیں ہے بلکہ اس کے لیے ایک ضخیم کتاب کی ضرورت ہے ۔ مندرجۂ بالا مثالوں کے علاوہ چند ایک مزید مثالیں پیش کرتا ہوں جس سے دراوڑی زبانوں کے ہمہ گیر اثر کا کچھ اندازہ ہو سکے گا ۔ ان مثالوں میں بعض ایسے الفاظ بھی ہیں جو سنسکرت میں بھی مستعمل ہیں ، لیکن اس نے بھی یہ الفاظ دراوڑی گروہ سے مستعار لیے ہیں کیونکہ ہند آریائی کنبے کی دیگر زبانوں میں ان کے ہم اصل الفاظ موجود نہیں[1] طوالت سے بچنے کے لیے آریائی گروہ کی زبانوں کو تقابلی جائزے میں شامل نہیں کیا گیا ۔ ورن بمعنی رنگ ، نسل وغیرہ ، اس کی ایک اچھی مثال ہے جو گو کہ سنسکرت میں عام مستعمل ہے لیکن آریائی گروہ کی دیگر زبانوں میں اس کا کوئی نشان نہیں ملتا ۔

اصل میں خود سنسکرت کے بارے میں بھی ہم کئی غلط فہمیوں میں مبتلا ہیں - عام طور پر یہ تصور کیا جاتا ہے کہ سنسکرت کا سرمایۂ الفاظ خالصۃً آریائی الاصل ہے ۔ اسی تاثر کا نتیجہ ہے کہ جب کبھی بھی برصغیر کی مقامی زبانوں اور سنسکرت کے سرمایۂ الفاظ میں اشتراک نظر آتا ہے تو ہم بلا سوچے سمجھے فتویٰ دے دیتے ہیں کہ یہ لفظ سنسکرت سے مشتق ہے حالانکہ صورت حال اس کے برعکس بھی ہو سکتی ہے ۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ لسانی تقسیم کے لحاظ سے سنسکرت آریائی گروہ سے تعلق رکھتی ہے ۔ یہ بھی صحیح ہے کہ اس کا قواعدی ڈھانچہ بڑی حد تک آریائی گروہ کی مشترک خصوصیات کا حامل ہے ، اور اس کا بیشتر سرمایۂ الفاظ بھی آریائی الاصل ہے ، لیکن ہمیں یہ نہ بھولنا چاہیے کہ جو بات لاطینی ، یونانی ، فارسی اور سنسکرت کو ایک دوسرے سے ممیز کرتی ہے

---

۱ ۔ ہند آریائی خاندان کی زبانوں میں جو الفاظ موجود ہیں انہیں دراوڑ خاندان کے ساتھ کیوں ملایا جائے ؟ (ادارہ)

دراوڑی زبانیں	پاکستانی زبانیں	بھارتی زبانیں
۱- تامل : ورنمو- تلگو و نمو- کناری ورن	۱- پنجابی و بنگالی : ون	۱- آڑیا : ورن
ملیالم : ورن بمعنی رنگ		ہندی ، گجراتی ، مرہٹی : ون
۲- تلگو : رنگ ، رنگمو - رنجمو	۲- اردو، پنجابی ، سندھی : رنگ	۲- گجراتی، مرہٹی : رنگ
ملیالم : رنگ ، رنجن	بنگالی : رنجک ، رنجن	ہندی : رنگ ، رنجک
کناری : رنگ ، رنجک ، رنجن		
۳- تامل : نیلو ، نیلمو	۳- اردو : نیلا - سندھی : نیرو	۳- ہندی : نیل
تلگو ، ملیالم ، کناری : نیلی	پنجابی ، بنگالی : فیل	
۴- ملیالم ، کناری : ہری	۴- اردو ، پنجابی : ہرا	۴- ہندی : ہرت، ہرا
تامل اریتمو - تامل : اری	بنگالی : ہری - سندھی : ہریون	
۵- ملیالم : تامرنک ، تامر	۵- اردو، پنجابی : تانبا	۵- ہندی : تامر
کناری : تامر ، تانبہ	سندھی : دامو	مرہٹی : تانبو
تامل : تامرمو ، تانبرمو		
۶- ملیالم : پارتمو ، کناری : پارد	۶- اردو، پنجابی، بنگالی : پارہ	۶- ہندی، مرہٹی : پارہ -
تامل ، تلگو : پاردمو	سندھی : پارو	نیپالی : پارو اڑیا : پارد
۷- ملیالم : سورنا ، کناری : سونا	۷- اردو، پنجابی، بنگالی : سونا	۷- ہندی، آڑیا : سونا
تامل : شوناسو - تلگو : سوناسو	سندھی، کشمیری : سونو	

دراوڑی زبانیں	پاکستانی زبانیں	بھارتی زبانیں
۸- ملیالم : روپیئہ - کناری : روپیو کناری : اروپیشم (چاندی)	۸- پنجابی ، رپا - بنگالی : روپا سندھی، شینا : روپو	۸- ہندی : روپ آسامی، جپسی : روپو
۹- ملیالم : چونا - کناری : چون تامل : شوناسو - تلگو : سونمو	۹- اردو، پنجابی : چونا	۹- ہندی، مرہٹی : چونا
۱۰- ملیالم : لون ، کنا لون تامل ، تلگو : لوناسو (نمک)	۱۰- پنجابی، کشمیری : لون، نون سندھی، تیراھی، پوشائی : لونو	۱۰- ہندی، جپسی : لوتو
۱۱- ملیالم ، کناری : ورل تلگو : ورلامو (کوئی کوئی)	۱۱- پنجابی : ورلا بنگالی : ورل	۱۱- ہندی، آڑیا : ورل
۱۲- ملیالم، تامل : مہان - تلگو : مہا کناری : مہا ، ما (بڑا)	۱۲- پنجابی : مہاں بنگالی : مہا	۱۲- ہندی، گجراتی، مرہٹی، نیپالی، آڑیا : مہا
۱۳- ملیالم : کنم، کنو تامل : کنمو تلگو : گنمو - کناری : کن	۱۳- اردو، پنجابی : گھنا سندھی : گھنو- بنگالی : گھن تیراھی، پاشاھی : کن - کشمیری : کنو	۱۳- ہندی : گھن، گھنا آسامی، آڑیا : گھن
۱۴- ملیالم، کناری : لگو - تامل : الگو تلگو : لگ دو (چھوٹا ، ہلکا)	۱۴- اردو : ہلکا پنجابی : لوکا (چھوٹا)، ھولا (ہلکا) بنگالی: لگو(چھوٹا)شنا : نگ چھوٹا)	۱۴- ہندی : لگھو (ہلکا) جپسی : لوکو (چھوٹا) گجراتی، آڑیا : لوگو (چھوٹا)

دراوڑی زبانیں	پاکستانی زبانیں	بھارتی زبانیں
	کشمیری: لوگو (چھوٹا) نوھو (ہلکا)	
۱۵- ملیالم : ماجن - کناری : ماجن تلگو : ماجنمو - تامل : مانجنمو (رگڑ رگڑ کر صاف کرنا)	۱۵- پنجابی : مانجنا - بنگالی : ماجن سندھی : ماجنو	۱۵- ہندی : مانجن آڑیا : ماجن
۱۶- ملیالم : سہہ - تلگو : سہنمو تامل : شگمو - کناری: سہہ، سہن	۱۶- اردو، پنجابی : سہنا (برداشت کرنا) بنگالی: سہن، سندھی، کشمیری: سہنو	۱۶- ہندی : سہن، سہنا آڑیا : سہن، سہوا
۱۷- ملیالم : بیدن - تلگو : بیدنمو کناری : بیدو ، بیدن (ٹوٹنا)	۱۷- پنجابی : بھجنا بنگالی : بھیدن	۱۷- ہندی : بھدنا، بھید- آڑیا : بھیدن مرہٹی، گجراتی : بھید[1]

۱ - ان الفاظ کی اصلیت بھی درست نہیں - (ادارہ)

وہ ان مقامی اور دیگر غیر آریائی عناصر کی موجودگی ہے ، ورنہ ان چاروں زبانوں میں فرق نہ ہونا چاہیے تھا[1] -

یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ جب آریائی قبائل 'وادی' سندھ میں وارد ہوئے تو وہ ایک خانہ بدوشانہ طرز زندگی کے حامل تھے اور گلہ بانی ان کا سب سے اہم پیشہ تھا - اس کے برعکس سپت سند ہوا میں نہایت ہی ترقی یافتہ شہری تہذیب و تمدن کا دور دورہ تھا - اس خانہ بدوشانہ اور شہری تہذیب کے باہمی ٹکراؤ کے اثرات سے نہ تو یہاں کی مقامی زبانیں ہی محفوظ رہیں اور نہ آنے والے قبائل کی - آریائی قبائل نے اس نئی سرزمین میں آباد ہونے کے بعد مقامی مذہبی عقائد اور رسوم کو اپنایا جن میں گاؤ ، لنگ اور پیپل کی پوجا کے ساتھ نہانے کو بھی ایک مذہبی فریضہ قرار دے لیا - آریاؤں کے مشہور دیوتا اندر ، مترا ، ورن اور شوا وغیرہ بھی یہیں کی قدیم دیو مالا کا حصہ ہیں - شہری تہذیب ، مقامی مصنوعات اور پیداوار سے متعلقہ تمام تر ذخیرۂ الفاظ مقامی عناصر کا مرہون منت ہے - یہ مشترکہ لیکن غیر آریائی الاصل الفاظ بھی اسی طرح سنسکرت کا ایک جزو ہیں جیسا کہ اس کا آریائی الاصل حصہ -

ہمیں یہاں اس امر کو بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیے کہ گو آریائی قبائل قریباً ڈیڑھ ہزار سال قبل از مسیح وادی' سندھ میں وارد ہوئے ، لیکن یہاں تحریر کا آغاز قریباً تیسری صدی ق م کے لگ بھگ ہوا جب کہ غالباً تجارت پیشہ حضرات نے فنیقی رسم الخط سے متاثر ہو کر برہمی حروف ایجاد کیے - یہاں انہیں درآمد کیا - جتنا بھی دستاویزی مواد ملتا ہے وہ اس کے بعد کے زمانے ہی کا ہے - دوسرے معنوں میں ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ آریاؤں کی مراجعت کے وقت کی زبان کا کوئی صحیح نمونہ ہمارے سامنے موجود نہیں - تقریباً بارہ سو سال کے طویل عرصے میں آریاؤں کی زبان کا مقامی اثرات سے متاثر ہونا ایک فطرتی امر ہے جس سے انکار ممکن نہیں -

---

۱ - سنسکرت مقامی غیر آریائی بولیوں سے متاثر ہوئی ہے ، لیکن غیر آریائی زبانوں نے بھی سنسکرت سے بہت کچھ لیا ہے - اس سلسلے میں اشتقاقیات ملاحظہ ہو - (ادارہ)

ہمیں چاہیے کہ مغربی محققین کی اندھی تقلید کی بجائے لسانیات کے بارے میں اپنے نظریات کا نئے سرے سے جائزہ لیں اور حقائق کو ان کے صحیح پس منظر میں دیکھنے کی کوشش کریں ۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ سنسکرت کے پہلو بہ پہلو ہم برصغیر کی قدیم زبانوں یعنی منڈا اور دراوڑی گروہ کی طرف بھی توجہ مبذول کریں ۔

اس مضمون کی تیاری میں زیادہ تر مندرجہ ذیل کتابوں سے استفادہ کیا گیا ہے ۔

1. T. BURROW, M.B. EMENEAU :— A Dravadian Etymological Dictionary.

2. R. CALDWELL :— A Comparative Grammar of the Dravadian Languages.

3. RAGHU VIRA :— Maha Hind Kosh.

(اردو نامہ کراچی شمارہ ۲۵)

محمد اکرام چغتائی

'اردو' یعنی زبان کے متعلق نئی تحقیق

تنہا 'اردو' لفظ زبان کے معنوں میں سب سے پہلے کس نے استعمال کیا اور کس سنہ سے استعمال ہوا ؟ اس کے متعلق اردو ادب کے محققین میں اختلاف ہے ۔ اس متنازعہ فیہ مسئلے کے متعلق متعدد نظریات پیش کیے گئے ہیں ۔ پہلے ہم ان مروجہ نظریات کو پیش کرتے ہیں اور آخر میں اپنا نظریہ بیان کر کے تمام پچھلے نظریات کی تردید کریں گے ۔ مذکورہ مسئلے کے متعلق مندرجہ ذیل نظریات ہیں :

۱ ۔ بعض حضرات کا یہ خیال ہے کہ لفظ 'اردو' زبان کے معنوں میں ۱۸۵۷ء کے بعد استعمال ہوا ۔ ڈاکٹر اے ۔ حلیم لکھتے ہیں :

"Some think that Urdu took its birth in the city of Shahjahanabad during Shahjahan's reign, through the intercourse of men speaking different languages at the 'Urdubazar' of Delhi, blown up, as it appears from a letter of Ghalib, by the English, during the heavy fighting in 1857 ; so that after the decline of the Mughal Empire the word 'Mualla' (the sublime) was dropped and 'Urdu' began to denote the new language[1]"

---

1. Journal of the Asiatic Society of Pakistan, Vol. III, 1958, p. 43. See also 'A History of Urdu Literature,' Grahame Bailey, London, 1932, p. 10.

نیز بعض تذکروں خصوصاً انیسویں صدی کے تذکروں میں بھی یہی خیال پیش کیا گیا ہے ۔ دیکھیے گلستان سخن ص ٦٥ ۔

اسی سلسلے میں بعض لوگوں کا یہ بھی خیال ہے کہ لفظ 'اردو' صرف دہلی میں ۱۸۵۷ء کے بعد استعمال ہوا۔ اس کے برعکس لکھنؤ میں اس لفظ کا استعمال ۱۸۳۶ء کے بعد شروع ہو گیا تھا، لیکن لکھنؤ کی اس فوقیت کی کوئی وجہ بیان نہیں کی گئی۔

۲ - دوسرا نظریہ یہ ہے کہ یہ لفظ سب سے پہلے میر عطا حسین تحسین نے اپنی کتاب 'نو طرز مرصع' میں استعمال کیا ہے۔ ڈاکٹر اے۔ حلیم لکھتے ہیں :

"The word 'Urdu', is Turkish in origin, and stands for 'an army', 'camp' or 'military cantonment', but 'Urdu', meaning a distinct language, is comparatively modern, and was used for the first time by Muhammad Ata Husain Tahsin in his "Nawtarz-i-Murassa", written in[1] 1213 A.H./1798 A.D. After this, the term received wider acceptability so that Mir Insha Allah,[2] Qudrat (Qasim)[3] and[4] others used the new nomenclature[5]."

---

۱ - 'نو طرز مرصع' ۱۷۶۸ء سے شروع ہو کر ۱۷۷۵ء میں تمام ہوئی اور دو ایک سال بعد کچھ عبارتیں اور مدحیہ قصیدے میں شجاع الدولہ کے بجائے آصف الدولہ کا نام لکھ کر آن کے حضور میں پیش کی گئی۔ تفصیل کے لیے دیکھیے Islamic Culture, Hyderabad Deccan, Jan., 1939, "An Early Prose-Writer of Modern Urdu, Tahsin" By Dr. Sayyid Sajjad, pp. 60-75.

۲ - دریائے لطافت، ۱۸۰۷ء۔

۳ - مجموعہ نغز ۱۲۲۱ھ مطبوعہ لاہور ۱۹۳۳ء۔

۴ - مقدمہ دستور الفصاحت - احد علی خاں یکتا - ۱۲۱۳ھ تا ۱۲۳۹ھ مطبوعہ رام پور - ۱۹۲۳ء و تذکرۂ ہندی ص ۸۳ و ۲۵۵ -

5. Journal of the Asiatic Society of Pakistan, Dacca, Vol. III, 1958, "Growth of Urdu Language and Literature during Sayyid-Lodi Period", p. 43.

ایک اور جگہ لکھتے ہیں :

"......'Urdu' means merely a 'camping ground' and the same expression denoting a distinct language was not known before Tahsin as has been shown earlier[1]."

لیکن تحسین نے لفظ اردو استعمال نہیں کیا بلکہ 'زبان اردوئے معلی' لکھا ہے ، متعلقہ عبارت حسب ذیل ہے :

" —اور یہ کہ جو کوئی حوصلہ سیکھنے زبان اردوئے معلی کا رکھتا ہو ، مطالعہ اس گلدستہ بہاریں کے سے ہوش و شعور فحوائے کلام کا حاصل کرے[۲] -

۳ - بعض محققین کا نظریہ یہ ہے کہ سب سے پہلے مصحفی نے 'اردو' لفظ کو زبان کے معنوں میں استعمال کیا - دلیل کے طور پر وہ مندرجہ ذیل شعر پیش کرتے ہیں :

خدا رکھے زباں ہم نے سنی ہے میر و مرزا کی
کہیں کس منہ سے ہم اے مصحفی اردو ہماری ہے

لیکن ابھی تک اس شعر کے سنہ کا تعین نہیں ہو سکا - بعض حضرات نے مذکورہ شعر کے مصرعہ اولیٰ کے دعائیہ کلمے 'خدا رکھے' سے ثابت کیا ہے کہ جب یہ شعر کہا گیا اس وقت میر (م-۱۲۲۵ھ) اور سودا (م-۱۱۹۵ھ) زندہ تھے - اس لیے یہ شعر ۱۱۹۵ھ سے قبل کہا گیا ، لیکن ہمارے خیال کے مطابق یہ استناد غیر یقینی ہے - ڈاکٹر گراہم بیلی فرماتے ہیں :

"Perhaps the earliest example of the word standing alone and bearing the sense of Urdu language in his Mushafi, 1750—1824 :—

---

1. Ibid. p. 44.

۲ - نو طرز مرصع - مرتبہ ڈاکٹر نور الحسن ہاشمی - مطبوعہ ہندوستانی اکیڈمی الہ آباد - ۱۹۵۸ء ص ۵۴ -

(مذکورہ شعر)

We are unable to say in what year these words were written. Mushafi may have composed the verse any time after he was grown up. He was a recognised poet in 1776."[1]

ڈاکٹر محمد باقر لکھتے ہیں :

"(مصحفی کے) اس شعر میں بھی لفظ 'اردو' زبان کے معنوں میں استعمال ہوا ہے ۔ ہو سکتا ہے کہ یہ شعر ۱۱۶۳ھ و ۱۲۳۰ھ کے بین بین مراد شاہ کے پہلے ہی لکھا گیا ہو ۔ ہمیں صرف اتنا معلوم ہے کہ مصحفی نے یہ شعر لکھا ہے لیکن معین طور پر یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ یہ شعر مصحفی نے عمر کے کس حصے میں نظم کیا ہے[۲] "۔

مذکورہ اقتباسات سے واضح ہو جاتا ہے کہ مصحفی کے شعر کا کوئی سنہ متعین نہیں کیا جا سکتا ۔ اس لیے یہ کہنا بہت مشکل ہے کہ مصحفی نے یہ شعر کب کہا ؟

۳ - ڈاکٹر گراہم بیلی کا نظریہ ہے کہ گلکرسٹ نے سب سے پہلے 'اردو' لفظ زبان کے معنوں میں استعمال کیا ہے ۔ وہ لکھتے ہیں :

"J. B. Gilchrist, writing in 1796, mentions the name as well known. His words are : "In the mixed dialect also called Oordoo اردو , or the polished language of the Court, and which even at this day pervades the vast

1. The Journal of the Royal Asiatic Society, April, 1930, p. 393.

ڈاکٹر سبزواری کہتے ہیں : "ڈاکٹر بیلی کا قیاس ہے کہ یہ شعر ۱۷۷۶ء کے قریب کہا گیا ، (داستان زبان اردو ص ۱) ۔ گراہم بیلی کی مذکورہ عبارت ڈاکٹر موصوف کے بیان کی تردید کرتی ہے ۔

۲ - اورینٹل کالج میگزین ۔ فروری ۱۹۳۱ء ص ۴۴ ۔

provinces of a once powerful Empire" (A Grammar of the Hindoostanee Language, p. 261). As we do not know the date of Mushafi's lines we must admit that Gilchrist may have been the first person who in literature, used Urdu as the name of the language[1]".

د - جناب غلام دستگیر نامی مرحوم ، پروفیسر محمود شیرانی مرحوم اور ڈاکٹر محمد باقر کا یہ خیال ہے کہ 'اردو' لفظ زبان کے معنوں میں سب سے پہلے مراد شاہ لاہوری[۲] نے استعمال کیا ۔ نامی صاحب لکھتے ہیں کہ مراد شاہ نے انتیس سال کی عمر میں ۱۲۱۵ھ میں وفات پائی[۳] ۔ اس طرح ان کی تاریخ ولادت ۱۱۸۶ھ ثابت ہوتی ہے ۔ ڈاکٹر باقر صاحب فرماتے ہیں کہ جب مراد شاہ نے نامہ' مراد لکھا ، اس وقت ان کی عمر سترہ سال تھی[۴] چونکہ نامہ' مراد کا سنہ تصنیف ۱۲۰۳ھ ہے ، اس طرح بھی مراد شاہ کی تاریخ پیدائش ۱۱۸۶ھ ہی نکلتی ہے ، لیکن ڈاکٹر موصوف نے خود ایک جگہ ان کی تاریخ ولادت ۱۱۸۳ھ لکھ دی ہے[۵] ۔

---

1. The Journal of the Royal Asiatic Society, April, 1930. p. 393. "Urdu : The name and the Language," pp. 391—400. See also Ibid, under the heading "The Problem of the name."

یہی خیال ڈاکٹر بیلی نے اپنی 'تاریخ' میں بھی لکھا ہے ۔
See A History of Urdu Literature. London, 1932, p. 11.

۲ - مراد شاہ کے تفصیلی حالات اور کلام کے لیے دیکھیے : دیباچہ نامہ' مراد ۱۹۲۵ء طبع دوم ۱۹۵۱ء ۔ رسالہ 'حقیقت اسلام' لاہور ، بابت جون و جولائی ۱۹۴۶ء ۔ رسالہ 'اردو' اکتوبر ۱۹۴۲ء و جولائی ۱۹۴۶ء تاریخ جلیلہ بار دوم ۱۹۶۰ء ۔ نقوش ۔ غزل نمبر فروری ۱۹۶۰ء ص ۴۴۷ ۔

۳ - تاریخ جلیلہ ۔ لاہور ۔ بار دوم ۱۹۶۰ء ص ۲۴۱ ۔

۴ - اورینٹل کالج میگزین فروری ۱۹۴۱ء ص ۴۳ ۔

۵ - رسالہ 'اردو' اکتوبر ۱۹۴۲ء ص ۴۳۹ ۔

مراد شاہ نے ۱۲۰۳ھ میں اپنے عزیزان وطن کو ایک منظوم خط لکھا جو نامۂ مراد کے نام سے موسوم ہے ۔ غلام دستگیر نامی اور پروفیسر محمود شیرانی صاحبان نے نامۂ مراد کا سنہ تصنیف ۱۱۹۶ھ لکھا[1] لیکن بعد میں ڈاکٹر محمد باقر نے اس منظوم خط کا صحیح سنہ تصنیف (۱۲۰۳ھ) بتایا[2] ۔ ڈاکٹر موصوف کی تحقیق کے بعد اول الذکر دونوں صاحبان نے اپنے لکھے ہوئے سنہ کی تردید کر دی[3] ۔ دراصل ۱۱۹۶ھ مراد شاہ کے والد پیر کرم شاہ کا لکھنؤ کی طرف ہجرت کرنے کا سنہ ہے ، جیسا کہ مراد شاہ کے بھائی پیر قلندر شاہ کی تصنیف 'اذکار قلندری' سے ثابت ہوتا ہے[4] ۔

مراد شاہ نے نامۂ مراد (۱۲۰۳ھ) میں 'ذکر قبولیت اردو' کے عنوان کے تحت مندرجۂ ذیل شعر لکھا ہے :

وہ اردو کیا ہے یہ ہندی زباں ہے
کہ جس کا قائل اب سارا جہاں ہے[5]

---

۱ ۔ دیباچہ نامۂ مراد ۔ بار اول ۱۹۲۵ء پنجاب میں اردو ۔ طبع اول ص ۲۹۷ ۔ تاریخ جلیلہ ۔ بار اول ۱۹۳۷ء ص ۲۰۱ و مکتوب نامی بنام گراہم بیلی (جرنیل آف رائل ایشیاٹک سوسائٹی ۔ اپریل ۔ ۱۹۳۹ء ص ۲۶۵) ۔

۲ ۔ اورینٹل کالج میگزین ۔ فروری ۱۹۴۸ء ۔ ص ۴۰ تا ص ۴۳ ۔

۳ ۔ تاریخ جلیلہ ۔ طبع دوم ۔ ۱۹۶۰ء ۔ ص ۱۴۱ ۔ ۲ ۔ مقالات حافظ محمود شیرانی ۔ لاہور ۔ ۱۹۶۶ء ص ۴۵ تا ۵۳ ۔

۴ ۔ عبارت یہ ہے : "در وقت ویرانیٔ پنجاب و لاہور در خروج سنگھاں بظہور پیوست وطن مالوف گزاشتہ اقامت بلدۂ لکھنؤ اختیار داشتہ در سنہ ۱۱۹۶ یک ہزار و یک صد و نود و شش سن ہجرت نبی علیہ السلام مع اہل و عیال عام بلدۂ مسطور گردید ۔" (بحوالہ 'اردو' اکتوبر ۱۹۴۲ء ص ۴۴۰) ۔

۵ ۔ نامۂ مراد ۔ بار دوم ۔ ۱۹۵۱ء ۔ ص ۱۴ ۔

'اردو' کے علاوہ 'اردو زبان' بھی استعمال کیا ہے، مثلاً مذکورہ عنوان کے تحت حسب ذیل آخری شعر درج ہے :

غرض جو کچھ ہے اب اردو زبان ہے　　پسند طبع و زرا و شہاں ہے

مراد شاہ نے اپنی مثنوی 'مراد المحبین' (قصہ چہار درویش ۱۲۱۲ھ) میں بھی 'اردو زبان' استعمال کیا ہے :

اگر نظم ہو تو بہت ہے بجا　　یہ قصہ جو ہے چار درویش کا
کہ بھاتی ہے ہر ایک کو یہ زبان　　و لیکن ہو اردو زبان میں بیان

ڈاکٹر گراہم بیلی کو جب نامہ' مراد، کی اطلاع ملی، تو انھوں نے فوراً اپنا نظریہ تبدیل کر لیا اور مراد شاہ کی اولیت کے قائل ہو گئے اور آخر میں لکھا :

"We have now got the date for the word Urdu, used alone for the language, as for back as 26th May, 1782 (13th Jamadi-us-Sani, 1196 A. H.). To any who may wish to help in tracing the use of the word still further back, may I point out that the date sought for is that of the earliest use of the word standing by itself and meaning the Urdu language[2] ?"

آخر میں ہم اپنا نظریہ بیان کرتے ہیں - ہمارے خیال کے مطابق 'اردو' لفظ زبان کے معنوں میں سب سے پہلے میر مہدی مائل دہلوی (م- قبل ۱۲۲۱ھ) نے استعمال کیا - مائل دہلوی، قائم چاند پوری کے شاگرد تھے اور اپنے وقت کے استاد شعرا میں شمار کیے جاتے تھے - انھوں نے اپنا دیوان ۱۱۷۶ھ میں مرتب کیا - تاریخ ترتیب دیوان مندرجہ' ذیل ہے :

---

۱ - بحوالہ 'اردو' - اکتوبر ۱۹۳۲ء ص ۹۳۳، ۵۰ -

2. The Journal of the Royal Asiatic Society. April, 1939. "The Date of the word Urdu, further information." p: 265.

ہوا دیوان مرا جب صاف اللہ کی عنایت سوں
شگفتہ دل ہوا پڑھ ریختہ ارباب محفل کا
میں سر نیوڑائے بیٹھا تھا ـــــ زانو پر
کہا تاریخ ہاتف نے کھلا ہے باغ مائل کا ۱۱۷۶ھ

اس دیوان میں مائل نے ایک طویل قطعہ بھی لکھا ہے، جس میں اردو شاعری کی منظوم تاریخ مکالمے کی صورت میں بیان کی گئی ہے[1] - اس قطعے میں جس استاد شاعر کا ذکر کیا گیا ہے، اس کی ایک غزل بطور نمونۂ کلام بھی درج کی گئی ہے - اس قطعے میں چار دفعہ لفظ 'اردو' زبان کے معنوں میں استعمال کیا گیا ہے - قطعے کا پہلا شعر یہ ہے :

مائل سے ایک شخص نے پوچھا یہ آن کر
بتلا کہ شعر ہندوی کس عہد سے چلا

اس کے جواب میں مائل موجد ریختہ کا ذکر کرتا ہے اور حسب روایت سعدی اور ان کے بعد خسرو کے ناموں کا حوالہ دیتا ہے اور آخر میں کہتا ہے :

گیارہ صدی شروع ہوئی جب کہ جگ منے
باہم ہوئے یہ ہندو مسلماں خلا ملا
دربار اکبری میں وہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ تھے رات دن
ہر ہر گلی میں تھا اسی خدمت کا پرتلا

لیکن مائل کے اس جواب سے پوچھنے والے کی تسلی نہیں ہوتی - وہ پھر سوال کرتا ہے :

بولا وہ شخص یہ تو کہانی میں سب سنی
اردو کا ... بتا دے مسلسل کھلا کھلا ـــــــ

---

۱ - مائل کے تفصیلی حالات اور قطعے کے لیے دیکھیے راقم کا مقالہ "مائل دہلوی کا ایک اہم تاریخی قطعہ" رسالۂ فنون، لاہور - بابت اکتوبر - ۱۹۶۶ء -

اس سوال کے جواب میں سائل شہر دہلی کی تاریخ بیان کرتا ہے۔ چونکہ سائل کا یہ جواب موضوع سے ہٹ جاتا ہے، اس لیے وہ پھر سوال کرتا ہے:

بولے وہ سن کے اردو کا میں پوچھتا تھا حال
تم کھول بیٹھے پترہ اس شہر کا بھلا

اور اب سائل پوچھنے والے کو صحیح جواب دیتا ہے اور کہتا ہے:

مشہور خلق اردو کا تھا ہندوی لقب
اگلے سفینوں بیچ یہ لکھ گئے ہیں سب للا
شاہ جہاں کے عہد سے خلقت کے بیچ میں
ہندوی تو نام مٹ گیا اردو لقب چلا

چونکہ مذکورہ قطعہ اس دیوان میں درج ہے جس کا سنہ تکمیل ۱۱۷۶ھ ہے اس لیے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ 'اردو' لفظ زبان کے معنوں میں سب سے پہلے سائل دہلوی نے استعمال کیا اور مراد شاہ لاہوری سے کم از کم ستائیس برس قبل یہ لفظ استعمال کیا گیا۔

(اردو نامہ کراچی شمارہ ۲۶)

نیر اقبال

قواعد زبان

زبانوں کی ساخت، ان کے بننے اور بگڑنے کے اسباب کا مطالعہ یوں تو قدیم زمانوں سے ہوتا چلا آیا ہے، لیکن اس مطالعے کو جتنی اہمیت موجودہ سائنسی دور میں دی گئی ہے، اتنی کبھی نہیں دی گئی۔ آج لسانیات سائنسی علم ہے۔ اس کی درس و تدریس کا طریقۂ کار صرف نظریاتی مطالعے پر ہی مبنی نہیں ہے بلکہ اس میں لیبارٹری ورک بھی شامل ہو گیا ہے۔ مجموعی طور پر ہم لسانیات کو کئی شعبوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ ان میں سے ایک شعبہ "زبان کی قواعد" بھی ہے۔

"قواعد" زبان کی اساس یا بنیادی خاکہ یا زبان کا بنیادی نظریہ ہے۔ کوئی بھی زبان کسی بھی حالت میں اپنے مقررہ قواعد کے حدود سے تجاوز نہیں کر سکتی۔ حتیٰ کہ زبان کی بے ربطیاں، بے ضابطگیاں اور بے قاعدگیاں بھی قواعد کے حدود کے اندر آتی ہیں۔ اس طرح کسی بھی زبان کے مزاج کو پورے طور سے سمجھنے کے لیے خود آوازوں کے ربط و امتزاج کے قواعد سے لے کر جملے کی ترتیب تک کے قواعد کو جاننا ضروری ہے، لیکن ان مسائل کو سمجھنے سے پہلے کہ "قواعد کیا ہے اور یہ زبان کے اندر کس طرح عمل پیرا ہوتی ہے" یہ جاننا بھی اشد ضروری ہے کہ "زبان کیا ہے؟"

جدید علم لسانیات کی رو سے "زبان اختیاری صوتی علامات کا ایک نظام ہے جس کے وسیلے سے کوئی سماجی گروہ اشتراک کرتا ہے"۔

زبان کی اس تعریف سے دو باتوں کا پتہ چلتا ہے، ایک زبان کی ماہیت کیا ہے؟ دوسرے سوسائٹی میں اس کا عمل کیا ہے؟ دوسرا جزو اس وقت ہماری بحث کے موضوع سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔

زبان کی ماہیت کیا ہے ؟ اس تعریف کے مطابق "زبان اختیاری صوتی علامات کا ایک نظام ہے"۔

اس تعریف میں تین باتیں اہم ہیں ۔ اختیاری ، صوتی علامات اور نظام ۔

صوتی علامات :

زبان کی بنیاد آوازوں پر ہے ۔ خیالات کے اظہار کے لیے دوسرے طریقے اشارات ، تصاویر وغیرہ بھی استعمال کیے جا سکتے ہیں ، لیکن زبان صرف آوازوں سے ہی تشکیل پاتی ہے ۔ آواز سے مراد صرف انسان کے آلات صوتی سے پیدا ہونے والی آواز ہی ہے ۔ ڈھول ، نفیری یا جانوروں کی آوازیں اس تعریف میں شامل نہیں ہیں ۔ دوسری طرف انسان کے آلات صوتی سے پیدا ہونے والی تمام آوازیں بھی لسانیاتی اہمیت کی حامل نہیں ہوتیں ۔ چھینکیں ، کھانسی چیخیں کوئی علامتی قدر نہیں رکھتیں کیوں کہ یہ آوازیں کسی خیال کا اظہار کرنے پر قادر نہیں ہوتیں ۔ آوازیں وہی صوتی علامات کہی جاتی ہیں جن کی مدد سے کسی تجربے یا کسی خیال کا اظہار کیا جا سکے ۔

نظام :

دنیا میں صوتی علامتی آوازیں لاتعداد ہیں ۔ ہر زبان ان آوازوں کو اپنے طور سے استعمال کرتی ہے ۔ کسی زبان کی تشکیل کا پہلا قدم آوازوں کے بسیط انبوہ میں سے اپنی مخصوص آوازوں کا انتخاب ہے ۔ کسی زبان کی یہ ممیز آوازیں اس زبان کے تجصوتیے کہلاتے ہیں ۔

ان تجصوتیوں سے لسانی شکلیں تشکیل پاتی ہیں ۔ ہر لسانی شکل اشاراتی اکائیوں یعنی تجصوتیوں کا ایک معینہ مجموعہ ہوا کرتی ہے ۔ ہر زبان میں تجصوتیوں کے اساسی مجموعوں کی تعداد محدود اور مقرر ہوا کرتی ہے ۔ ہر لسانی شکل کے مقررہ اور معینہ معنی ہوتے ہیں جو اسی زبان کی دوسری لسانی شکلوں سے مختلف ہوتے ہیں ۔ ان لسانی شکلوں کے معنی سے مراد ان میں سے ہر ایک شکل کا زبان کے اندر الگ الگ موقعوں پر وہ مخصوص و مشترک استعمال ہے جو اسی مخصوص شکل کی ایک مقررہ حیثیت کا تعین کرتا ہے ۔

اختیاری :

لسانی علامتیں ان تجربوں یا مادی چیزوں سے کوئی منطقی یا فلسفیانہ یا طبیعیاتی تعلق نہیں رکھتیں جن کے اظہار کے لیے ان کا استعمال کیا گیا ہے - یہ استعمال قطعی اختیاری ہوتا ہے -

قواعد :

کسی زبان کے اندر ان لسانی شکلوں کی با معنی ترتیبوں ہی سے اس زبان کی قواعد تشکیل پاتی ہے -

زبان میں قواعد کی ابتدا :

زبان کے ترکیبی عناصر جن اصولوں اور قاعدوں کے تحت میل ملاپ اختیار کرتے ہیں ہم انھیں گرامر کہتے ہیں - قواعد زبان کے ساتھ وجود میں آتی ہے اور زبان اپنے صرفی و نحوی قاعدوں پر ہی زندہ رہتی ہے - ہر زبان کا نمو اور ارتقا گرامر کے اصول و قواعد کے تحت ہوتا ہے -

زبان کی عمارت سہ منزلہ ہوتی ہے - پہلی سطح صوتی ہے - اس منزل میں کوئی زبان بسیط آوازوں میں سے اپنی مخصوص آوازوں کا انتخاب کرتی ہے - اس منزل کی پہلی اینٹ یا اساسی شکل تجصوتیہ ہوتی ہے -

دوسری منزل زبان کی حرفی سطح ہے - تجصوتیوں کے میل ملاپ سے سب سے چھوٹی معنوی اکائی جنم لیتی ہے یہ معنوی اکائی حرفیہ کہلاتی ہے -

تیسری منزل نحوی ہوتی ہے - یہ جملوں کی ساخت سے تعلق رکھتی ہے - اس کی پہلی اکائی تشکیلہ کہلاتی ہے - انھیں تشکیلیوں سے جملوں کی ترتیب ظہور میں آتی ہے -

قواعد کی تعریف :

قواعد کے قدیم ترین نظریے کے مطابق "قواعد کسی زبان کے مسلمہ انشا پردازوں کی زبان سے عملی خبر و آگہی کا نام ہے"- اس تعریف میں "مسلم انشا پردازوں کی زبان" یہ الفاظ زبان کی کسی منزل پر ٹھہراؤ کا پتہ دیتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ اس منزل پر پہنچنے سے پہلے زبان کے بندھے ٹکے اصول نہ تھے -

جدید علم لسانیات میں قواعد اور زبان کے تعلق کو بالکل جدید نقطہٴ نظر سے دیکھا جاتا ہے - جدید ترین نظریے کے مطابق کسی زبان کی قواعد لازمی طور پر اس زبان کی تھیوری ہے -

بلوم فیلڈ نے قواعد کو کسی زبان کی لسانی شکلوں کی ترتیب کی اساس کہا ہے - اس تعریف کی روشنی میں کسی زبان کی لسانی شکلوں کی ترتیب کے چار طریقے ہیں -

۱ - تسلسل :

وہ تواتر ہے جس کے مطابق کسی مرکب شکل کے تشکیلیے یکے بعد دیگرے اس مرکب میں جگہ پاتے ہیں - اس طرح کے جملوں میں "تسلسل" کے اصول کی اہمیت بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے مثلاً "ہاتھی شیر مار دیتا ہے، شیر ہاتھی مار دیتا ہے" - کتابیں علم پیدا کرتی ہیں - علم کتابیں پیدا کرتا ہے - ہاتھی کے ساتھ شیر، شیر کے ساتھ ہاتھی - "ہاتھی کو" اردو زبان کا نحوی تسلسل ہے - "کو ہاتھی" غیر قواعدی ہے - کبھی کبھی تسلسل کے اختلاف تضمینی قدروں کے حامل ہوتے ہیں - جیسے کنارے دریا کے، پاس تمہارے، لیکن جن جملوں میں صرفی سطح پر الفاظ شکلیں بدل لیتے ہیں، ان میں نحوی سطح پر تسلسل اتنی اہمیت نہیں رکھتا -

لڑکوں نے شیر کو مارا، شیر نے لڑکوں کو مارا، شیر کو لڑکوں نے مارا -

۲ - ثانوی تجصوتیوں کا استعمال :

ثانوی تجصوتیوں سے مراد لہجہٴ الفاظ میں ایک مخصوص حصے پر زور یا آواز کے آثار چڑھاؤ وغیرہ ہیں - یہ تجصوتیے تمام تجصوتیوں کی طرح صرفیوں کی تشکیل نہیں کرتے، لیکن صرفیوں کی قواعدی ترتیب میں بڑی زبردست افادیت کے حامل ہوتے ہیں -

۳ - صوتی تبدیلی :

مثلاً بھائی سے بھیا، چور سے چوٹا - یہ طریقہ ہر زبان میں گری افادیت کا حامل ہے اور صرفی اور نحوی دونوں سطحوں پر اثر انداز ہوتا ہے -

۳ - شکلوں کا انتخاب :

کسی خاص شکل کا کسی خاص موقعے کے لیے کیوں انتخاب کیا جانا چاہیے ، وہ اس طریقہ سے متعین ہوتا ہے - یہ طریقہ قواعد کو معنی کے بہت قریب لے جاتا ہے ، لیکن پھر بھی یہ اختیاری ہوتا ہے -

یہ قواعد کا عمل کسی زبان کے ممیز تجصرتیوں کی ترتیب سے شروع ہو کر اس زبان کے جملے کی ساخت اور تجزیے پر ختم ہو جاتا ہے - اس کے بعد معنی کی سرحدیں شروع ہو جاتی ہیں جو علم لسانیات کے ایک دوسرے شعبے سیمنٹکس کا موضوع ہے -

لسانی شکلوں اور ان کے معنی کا رشتہ :

لسانی شکلوں اور ان کے معنی میں کیا رشتہ ہے ؟ یہ بحث بہت پرانی ہے - تاریخ اس کی نشان دہی تقریباً چھٹی صدی ق - م تک کرتی ہے -

افلاطون کا ایک مکالمہ "کریٹیلس" افلاطون سے ایک صدی قبل چلنے والی ایک نزاع کی نشان دہی کرتا ہے - یہ نزاع ماہرین لسان کے دو گروہ کے درمیان تھی ایک گروہ Analogists کا کہلاتا تھا - دوسرا Anamalists کا -

پہلا گروہ زبان کو فطری مانتا تھا - اس کے خیال کے مطابق زبان فطری ہونے کی وجہ سے بنیادی طور پر باضابطہ اور منطقی ہے - الفاظ کی بنیاد اور ان کے حقیقی معنی ان کی ہیئت میں پوشیدہ ہیں - وہ الفاظ کی ساخت اور ان کے معنی کا تعلق فلسفیانہ طور پر تلاش کرتے تھے یا اندازے لگاتے تھے - مثلاً پتھر کے لیے یونانی لفظ "لتاس" کے بارے میں ان کا خیال تھا کہ یونانی ترکیب "لین ٹی این" سے نکلا گیا ہے - اس ترکیب کے معنی ہیں "بہت زیادہ دوڑنا" یہ کام وہ ہے جو پتھر کبھی نہیں کرتا -

لیکن دوسرا گروہ ان دلائل کو باطل قرار دیتا تھا اور ثبوت کے طور پر زبان کی بے ضابطگیوں کی طرف اشارہ کرتا تھا - افلاطون خود بھی سقراط کے الفاظ میں ایک معیاری زبان کا تصور پیش کرتا ہے - یہی خیال جدید زمانے کے بشپ ولکنس اور دوسرے ماہرین لسان کے یہاں فلسفیانہ زبان کے فلسفہ کی اساس بنا -

ہیئت اور معنی کے تعلق کے فلسفے نے ایک اور فلسفہ "صوتی علامتیت" کو جنم دیا ۔ اس کی پہلی جھلکیاں تو افلاطون کے مکالمے "کرے ٹی لس" میں ہی مل جاتی ہیں ۔ اس کے علاوہ "ہلم بوٹ" اور "نی رپ" وغیرہ اس فلسفے کے بڑے داعی ہیں ۔

یہ لوگ بنیادی طور پر یہ خیال کرتے تھے کہ صورت اور درک کے درمیان کوئی فطری تعلق ہے ۔ الفاظ اپنا مفہوم اور قدر ایک مخصوص "صوتی علامتیت" کے ذریعے حاصل کرتے ہیں ۔

ارسطو تمام قدیم یونانی فلسفیوں سے مع افلاطون کے الگ ہو کر بے حد سائنسی بات کہتا ہے ۔ الفاظ کے معنی ان کے استعمال سے اخذ کیے جاتے ہیں ۔

عمومی طور سے جدید ماہرین لسان زبان کا مطالعہ لسانی شکلوں کی ظاہری ہیئت کو معنی سے بالکل علیحدہ رکھ کر کرتے ہیں ۔ ان کے نظریے کی اچھی طرح وضاحت کرنے کے لیے ایک بار پھر ہم کو جدید نقطۂ نگاہ کے تحت کی جانے والی زبان کی بنیادی تعریف کی طرف رجوع کرنا پڑے گا ۔

"زبان اختیاری صوتی علامات کا ایک نظام ہے"

اس تعریف کا ایک جزو علامات کے اختیاری ہونے کی طرف اشارہ کرتا ہے ۔ اس کے مطابق کسی صوتی اظہار کی ہیئت اور اس کے معنی کے درمیان کوئی لازمی فلسفیانہ تعلق نہیں ہے ۔ یہ بات اس طرح اور اچھی طرح ثابت ہو جاتی ہے کہ ایک مادی چیز کے لیے مختلف زبانوں میں مختلف الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں ، جو صورت میں ایک دوسرے سے کوئی تعلق نہیں رکھتے مثلاً گھوڑے کے لیے انگریزی میں لفظ "ہارس" ہے ، فرانسیسی میں "شول" اور جرمنی میں "فرڈ" ۔ یہ سب اختیاری ہیں اور گھوڑے کے مادی جسم سے فلسفیانہ یا منطقی ان کا کوئی تعلق نہیں ۔

یہ جدید ماہرین لسان اپنے دلائل کی پختگی پر اتنا اعتماد کرتے ہیں کہ علم الصرف اور علم النحو تک کے بنیادی اصولوں کی وضاحت کے لیے اجنبی زبانوں کو بنیاد بنا کر تجزیاتی عمل کرتے ہیں ، مثلاً ناٹڈا کی مارفولوجی اور گلیسن کی سنٹیکس مشقیں ۔

پھر بھی یہ بحث بہت اہم ہے کہ لسانی شکلوں اور ان کے معنی کے درمیان گرامر کیا رول ادا کرتی ہے؟

قواعد کے جدید ترین نظریوں سے پہلے قواعد کو لسانی شکلوں کی ظاہری ہیئت اور ان کے معنی کے درمیان تعلق قائم کرنے والا آلہ قرار دیا جاتا تھا۔

اوٹو یسپرسن، منطق اور نحو پر بحث کرتے ہوئے کہتا ہے "یہ قواعد داں کا کام ہوگا کہ ہر ایک حالت میں معنوی اور نحوی درجوں کے درمیان تعلق کی کھوج کرے"۔

وہ صرف اور نحو کے نئے قاعدوں پر بحث کرتے ہوئے کہتا ہے:

"قواعد میں بھی ہم باہر سے یا اندر سے ابتدا کر سکتے ہیں۔ پہلے حصے میں باہر سے اندر ہم دی ہوئی شکل لیتے ہیں اور پھر اس کے معنی یا کام کی جانچ کرتے ہیں۔ دوسرے حصے میں اندر سے باہر ہم سلسلے کو بدل دیتے ہیں اور پھر معنی یا کام لیتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ وہ شکل میں کیسے ظاہر کیے گئے ہیں۔ دونوں حصوں میں قواعد کے واقعات ایک ہیں صرف نقطۂ نظر کا فرق ہے"

پہلے حصے کو یسپرسن 'مارفولوجی' کہتا ہے اور دوسرے کو "سنٹیکس" اور ایک تیسرا درجہ "نوشنل" قائم کرتا ہے۔

"ہماری جنس اور صنف کی بحث یہ صاف کر دے گی کہ نحوی اور معنوی درجوں کے درمیان اکثر اسی طرح کا جال بنا ہوا ہوتا ہے جیسا کہ شکلی درجوں اور نحوی درجوں کے درمیان۔ اس طرح سے ہم در حقیقت ایک تین تہی تقسیم تک پہنچ جاتے ہیں جو ایک ہی "فنومنا" کے قواعدی عمل کی تین منزلیں ہیں یا تین نقطۂ نظر ہیں جن کے مطابق قواعدی واقعات پر غور کیا جا سکتا ہے۔ ان کی مختصراً (الف) شکل (ب) عمل (ج) مفہوم ((a) form (b) function (c) notion) اصطلاحوں میں تشریح کی جا سکتی ہے۔ ہم ایک عملی (نحوی) درجے کو لیں اور اس کا تعلق ایک طرف شکل سے دیکھیں اور دوسری طرف مفہوم سے، مثلاً انگریزی ماضی مطلق کی متعدد شکلیں ہیں، لیکن یہ تمام شکلیں نحوی اعتبار سے ایک طرح عمل کرتی ہیں، دوسری طرف مفہوم کے اعتبار سے یہ متعدد کام انجام دیتی ہیں۔ اس

طرح سے نحوی درجے درمیان میں کھڑے رہتے ہیں اور آوازوں کی دنیا کو خیالات کی دنیا سے جوڑتے ہیں - بولنے یا لکھنے میں ہم (ج) یعنی مفہوم سے چلتے ہیں ، (ب) یعنی عمل سے گزرتے ہیں اور (الف) یعنی شکل تک پہنچ جاتے ہیں - سننے میں (الف) یعنی شکل سے چل کر (ب) یعنی عمل سے گزر کر پھر (ج) یعنی مفہوم تک پہنچ جاتے ہیں ، لیکن ہر زبان کے اندر قواعد کا عمل اختیاری ہے - یہ بات عام طور پر ماہرین قواعد مانتے تھے مثلاً اوٹو یسپرسن "سائیس" کے ایک اقتباس کے ذریعے اپنے نظریے کی وضاحت کر دیتا ہے :

بہت پہلے "سائیس" نے اپنے مقالہ "قواعد" میں جو انسائیکلوپیڈیا برٹینکا کے نویں ایڈیشن میں شامل ہے ، لکھا ہے : لاطینی قواعد کے امتیازات کو انگریزی میں تلاش کرنے کی کوششیں بڑی مضحکہ خیز غلطیوں میں ظاہر ہوتی ہیں اور انھوں نے انگریزی زبان کے استعمال کے بارے میں کامل غلط فہمی پیدا کر دی ہے - یہ الفاظ اب بھی دل پر رکھنے کے ہیں اور کبھی بھی کسی قواعد داں کو یہ ہدایت نہیں بھولنی چاہیے چاہے وہ کسی بھی زبان کا مطالعہ کر رہا ہو" -

اینٹ رسل کہتا ہے :

"ہم ایک نتیجے تک دو مخالف راستوں سے پہنچ سکتے ہیں اور دونوں راستے فطری معلوم ہوتے ہیں ، مثلاً ایک ہی زبان کے اندر ایک مفہوم کو ادا کرنے کے لیے دو طریقے استعمال کر سکتے ہیں" -

مثلاً ایماندارانہ زندگی بسر کرتے ہیں -

ایمان دار انداز میں زندگی بسر کرتے ہیں -

پہلے میں شکل تمیزی ہے اور دوسرے میں اسمی - لیکن دونوں کا عمل تمیزی ہے -

اینٹ رسل آگے کہتا ہے :

"قواعد کا عمل ایک زبان سے دوسری تک جدا ہوتا چلا جاتا ہے - صرفی اعتبار سے بھی اور نحوی اعتبار سے بھی -

نحوی اعتبار سے عربی جملے کا تسلسل مبتدا ، خبر ہے ۔ انگریزی ، فرانسیسی کا فاعل ، فعل ، مفعول ، چینی کا فعل ، فاعل ، مفعول ، اسپینی کا فعل ، مفعول ، فاعل اور لاطینی کا فاعل ، مفعول ، فعل" ۔

اسی طرح سے جملے کے دوسرے حصوں کا عمل ہوتا ہے ۔ کسی زبان میں امدادی افعال مادے سے پہلے آتے ہیں اور کسی میں مادے کے بعد ۔ مختلف زبانوں میں ان کی حیثیت بھی الگ الگ ہو جاتی ہے ۔

زبانوں کے اندر قواعد کے اسی اختیاری کردار نے قواعد دانوں کو قواعد کی خود مختاری کے جدید ترین نظریے تک پہنچایا ۔ نئے قواعد نویسوں خاص طور سے امریکی اسکول نے سائنسی لسانیات کے دائرے مطالعے سے معنی کو بالکل خارج کر دیا ہے ۔

قواعد کے ٹرانسفورمیشنل نظریے کا بانی چومسکی نحو اور معنی پر بحث کرتے ہوئے کہتا ہے : "اس سوال کے جواب دینے میں بہت زیادہ قوت صرف کی گئی ہے کہ تم معنی کو بغیر اپیل کیے ، کیسے کوئی قواعد بنا سکتے ہو؟" اصل میں یہ سوال ہی غلط اٹھایا گیا ہے ، کیوں کہ اس پہلو کی کہ صریحی طور پر معنی کو اپیل کرتے ہوئے کوئی قواعد بنا سکتا ہے ، کہیں تائید ہی نہیں کی گئی ہے ۔

چومسکی کے نزدیک اس سوال کی صرف اتنی اہمیت ہے جیسے کوئی پوچھے کہ "تم بولنے والوں کے بالوں کا رنگ جانے بغیر کیسے کوئی قواعد بنا سکتے ہو" ۔

لیکن کیوں کہ ایک زمانے تک یہ مسئلہ کافی اہم سمجھا جاتا تھا اس لیے وہ اس بحث کو سلجھانے کی کوشش کرتا ہے ۔ وہ پچھلے قواعدی نظریات کا جائزہ لیتے ہوئے کہتا ہے "کہ عام طور پر قواعد کا انحصار معنی پر ثابت کرنے کے لیے مندرجہ ذیل وجوہ بیان کیے جاتے ہیں" ۔

(۱) دو کلمے صرف تب ہی تجصوتی طور پر الگ الگ ہوتے ہیں جب وہ معنی میں مختلف ہوں ۔

(۲) صرفیے سب سے چھوٹے عناصر ہیں جو معنی کے حامل ہیں ۔

(۳) قواعدی جملے صرف وہ ہوتے ہیں جو معنی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں ۔

(۴) قواعدی تعلق فاعل - فعل (NP—VP جملے کے تجزیے میں) ساختی معنی عامل اور عمل actor—action کے مترادف ہے -

(۵) قواعدی تعلق فعل ، مفعول (Verb-NP جو VP کا تجزیہ ہے) ساختی معنی "کام ، مقصد یا کام اور کام کا معمول" کے مترادف ہے -

action - goal or action - object of action

(۶) معروف جملہ اور مطابقہ مجہول جملہ معنوی اعتبار سے مترادف ہیں -

چومسکی ان مندرجہ بالا تمام دلائل کا جائزہ لینے کے بعد ان کے جوابات فراہم کرتا ہے -

پہلی دلیل اس کے نزدیک اس لیے قابل قبول نہیں ہے کہ ایسے فقرے موجود ہیں جو تجصوتی طور پر الگ الگ ہیں ، لیکن معنی میں یکساں ہیں اور ایسے نمونے بھی موجود ہیں جو معنی میں الگ الگ ، لیکن تجصوتی طور پر یکساں ہیں - مثلاً کنوارہ اور غیر شادی شدہ معنی میں ایک اور bank (کنارہ) اور bank (بیت المال) معنی میں الگ الگ (اردو میں بھی ہم ایسی بہت سی مثالیں فراہم کر سکتے ہیں ، مثلاً باب (دروازہ اور کتاب کا جزو) یا در (شرح اور دروازہ وغیرہ) - دوسری دلیل کے سلسلے میں کہتا ہے ایسے صرفیوں کے متعلق جیسے "I want to go" میں "to" یہ بمشکل کہا جا سکتا ہے کہ ان کے کوئی آزاد معنی ہوں گے - اگر ان صرفیوں کو معنی پہنائے جا سکتے ہیں تو gleam, glow میں gl جیسے غیر صرفیوں کو بھی کوئی معنی پہنائے جا سکتے ہیں - تیسری دلیل کے بارے میں کہتا ہے کہ "جملے کے قواعدی ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ معنوی اعتبار سے بامعنی یا اہم ہے - یہ دونوں جملے کوئی مفہوم نہیں رکھتے ، لیکن ان میں سے پہلا قواعد کے اصولوں پر پورا اترتا ہے ، لیکن دوسرا نہیں اترتا -

(1) Colourless green ideas sleep furiously.

(۱) بے رنگ ہرے خیالات خوفناک طریقے سے سوتے ہیں -

(2) Furiously sleep ideas green colourless.

(۲) خوفناک طریقے سے سوتے ہیں خیالات ہرے بے رنگ -

اسی طرح یہ دونوں جملے بامعنی معلوم ہوتے ہیں ، لیکن صرف پہلا قواعدی اصولوں پر پورا اترتا ہے -

(1) The book seems interesting.

(۱) کتاب دلچسپ معلوم ہوتی ہے -

(2) The child seems sleeping.

(۲) بچہ سو رہا معلوم ہوتا ہے -

اگر معنویت کو قواعد سے بالکل الگ کر کے دیکھا جائے تو ایسی مثالیں "جون کو خط ملا" اور "لڑائی رک گئی" چوتھی دلیل کو باطل کر دیتی ہیں اور I missed the train پانچویں دلیل کو -

چھٹی دلیل کو کلیہ بالکل نہیں بنایا جا سکتا کیوں کہ ہر جگہ مجہول معنی میں متعلقہ معروف کا مترادف نہیں ہوتا -

"کمرے میں ہر آدمی کم سے کم دو زبانیں جانتا ہے اور کم سے کم دو زبانیں کمرے میں ہر آدمی کے ذریعے جانی ہوئی ہیں" -

پہلے جملے میں زبانوں پر کوئی زور نہیں ہے - ہر آدمی کوئی بھی دو زبانیں جاننے والا ہو سکتا ہے جب کہ نیچے کے جملے میں سارا زور زبانوں پر ہے -

اس طرح قواعد کا جدید ترین مطالعہ قواعد کو خالص سائنس مان کر کیا گیا ہے -

چومسکی قواعد کو ایک مشین قرار دیتا ہے ، جس میں سے جملے ایک ترتیب کے ساتھ مرتب "Set" ہوتے چلے جاتے ہیں -

ان جدید ترین قواعد دانوں نے قواعد کی ریاضیاتی تھیوریوں کو جنم دیا ہے -

مارکوف کی قواعد کا تعارف کراتے ہوئے چومسکی لکھتا ہے :

"مشینیں جو کہ زبانوں کو اس طریقے سے جنم دیتی ہیں ریاضیاتی طور سے Fenite State Marker Processes کہلاتی ہیں" -

چومسکی کی قواعد کی تھیوری اونچے درجے کی ریاضیاتی تھیوری ہے - اس کی تھیوری اصطلاحاتی طور سے x→y تھیوری کہلاتی ہے - جس کا مطلب ہے - rewrite x as y -

جملے کا "finite set" اس "→" علامت سے ظاہر کیا جاتا ہے اور اس علامت کا تجزیہ علامت "F" سے شروع ہوتا ہے - پہلا قاعدہ

$$Z+X+W \rightarrow Z+Y+W$$ ہے -

پھر ریاضی کی کسر کی طرح ہر جملے کا پرابلم حل ہوتا چلا جاتا ہے -

نظریات :

قواعد میں معنی اور شکل کی بحثوں نے قواعد کے بہت سے نظریوں کو جنم دیا ، ان میں سب سے وسیع تر آفاقی قواعد کا نظریہ ہے -

آفاقی قواعد کا نظریہ :

آفاقی قواعد کے نظریے کی بنیاد یہ نظریہ ہے کہ دنیا کی تمام زبانیں کسی ایک "مادر زبان" سے نکلی ہیں - یہ نظریہ بہت پرانا ہے - اتنا ہی پرانا جیسے انجیل یا اس کی کہانیاں ، لیکن اس اصطلاح کو سب سے پہلے ۱۷۵۱ء میں جیمس ہیرسن نے استعمال کیا - یہ وہ زمانہ تھا جب تمام انسانی دانش کی بنیاد ایک قرار دے دی گئی تھی - اٹھارویں صدی میں اس نظریے کو عام طور سے مانا جاتا تھا - سر ولیم جونز نے اسی نقطہ نظر سے سنسکرت کا مطالعہ کیا - ۱۷۸۶ء کے خطبے میں انھوں نے لاطینی ، یونانی ، فارسی اور جرجانی زبانوں کی سنسکرت سے مماثلت کی وضاحت کی ہے اور ان تمام زبانوں کو ایک "مشترک بنیادی زبان" سے نکلنے والا بتایا ہے -

قواعد کے اس نظریے پر قواعد دانوں میں زبردست بحثیں ہوتی رہی ہیں - اس نظریے کے داعیوں کے مطابق قواعد کے تجزیے کا طریقہ یہ ہونا چاہیے کہ قواعد کے آفاقی اصول مرتب کر لیے جائیں اور پھر دیکھا جائے کہ مختلف زبانیں ان پر کس حد تک عمل کرتی ہیں -

منطقی اور فلسفیانہ قواعد کے نظریے :

آفاقی قواعد کے نظریے کے ساتھ ہی ساتھ منطقی اور فلسفیانہ قواعد کے نظریے بھی وجود میں آئے ہیں - اٹھارویں صدی کے اواخر اور انیسویں صدی

کے اوائل میں یہ نظریے بے حد مقبول تھے - اس کے قواعد دان بنیادی طور سے اس مسئلے کو فلسفیانہ انداز میں منطق کی کسوٹی پر کسا کرتے تھے کہ قواعد شکل سے معنی کا تعلق کس طرح قائم کرتی ہے اور ان دونوں کے درمیان کیا رول ادا کرتی ہے ؟

تقابلی قواعد کا نظریہ :

تقابلی قواعد کا نظریہ بھی آفاقی اور منطقی قواعد کا ایک پہلو ہے - اس کے مطابق دو یا زیادہ زبانوں کو ساتھ رکھ کر ان کی قواعد کا تجربہ کیا جانا چاہیے - اس نظریے کے بانی اور سب سے پہلے عالم ہیوری فقیھی تھے -

یہ تمام نظریات روایتی قواعد نویسی سے تعلق رکھتے ہیں -

۱۸۲۰ء کے بعد لسانیات کی دنیا میں انقلاب آیا اور اس کے بعد بیسویں صدی کے اوائل میں قواعد کے نظریات قائم کیے گئے -

Structural قواعد کا نظریہ :

اس نظریے کے مطابق کوئی زبان در حقیقت اپنے الگ الگ اجزا پر قائم نہیں ہوتی بلکہ زبان کی منظم ترکیب کے اندر اجزا کے تقابلی عمل پر قائم ہوتی ہے - اس نظریے نے زبان اور اس کی قواعد کے متعلق نظریات میں بنیادی انقلاب برپا کیا - روایتی قواعد نویسی سے انحراف کے بعد بیسویں صدی کے اوائل تک ماہرین لسان زیادہ تر زبان میں صوتیات کے عمل ، تاریخی لسانیات کی اہمیت ، لسانی جغرافیہ ، زبان میں تبدیلی کی وجوہ اور Linguistic Sign Signifier اور Signified کے تعلق ہی کا مطالعہ کر رہے تھے - اس صورت میں ان کے تجزیے کی اساس "لفظ" یا "item" تھا - وہ زبان کے نظام میں الفاظ کے عمل کو نسبتاً زیادہ اہمیت دیتے تھے ، لیکن لسانیات کے اس نظریے نے الگ الگ الفاظ کے کسی بھی طرح کے مطالعے کو غیر اہم قرار دیا - اس نظریے کے مطابق زبان بنیادی طور پر نظام ہے جو اپنے اجزا کے تقابلی عمل پر قائم ہوتا ہے - کوئی جزو بذات خود اہم نہیں ہوتا - وہ صرف تب ہی کوئی اہمیت اختیار کرتا ہے جب وہ کسی مخصوص ترکیب کے اندر آ کر تقابلی عمل کرتا ہے - اس نظریے کے مطابق قواعد ترتیب دینے کے جو طریقے اختیار کیے گئے وہ گزشتہ تمام طریقوں سے بے حد الگ تھے - ان میں زبان کی بنیادی اکائی جملے سے عمل شروع کیا

جاتا ہے اور اس کے اجزا کا سلسلے وار تجزیہ کیا جاتا ہے - پہلے جملے کے تمام contrastive items کو الگ الگ کر لیا جاتا ہے ، جملے میں ان کے عمل کا گہرا مطالعہ کرنے کے بعد ان کی حیثیت کا تعین کر دیا جاتا ہے - یہ طریقہ بنیادی طور سے توضیحی ہی کہلاتا ہے -

اس نظریے کے ماننے والوں نے قواعد ترتیب دینے کے دو طریقے ایجاد کیے ہیں - ایک Immediate const. method اور دوسرا String constituent method ، لیکن یہ دونوں ہی طریقے کسی بھی زبان کے حاصل شدہ Corpus میں اعداد و شمار گننے کے آلہ محض بن کر رہ جاتے ہیں - زبان کے ممکنہ امکانات کے بارے میں ان کا عمل بالکل ناکارہ ثابت ہوتا ہے -

Generative نظریہ : زبان نامی چیز ہے اور اس کے عمل کا مزاج اختیاری ہے - اس کے علاوہ اہل زبان کو اپنی زبان پر اتنی قدرت تو حاصل ہوتی ہی ہے کہ وہ اپنی زبان کے مقررہ نظام کے اندر کسی مخصوص نمونے کے مطابق اپنی فوری ضروریات کے لحاظ سے نئی نئی تراکیب تراش سکیں - اس لیے جب ہم ایک منفرد جملے سے آگے بڑھ کر گفتگو کی سطح پر آتے ہیں یا تحریر میں ایک پیراگراف کو دیکھتے ہیں یا ایک مقالے کو اور یا کسی ضخیم کتاب کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہم کو سینکڑوں ٹائپ کے جملوں کے نمونے ملتے ہیں - اس طرح ہم کسی بھی سطح پر یہ نہیں کہہ سکتے کہ زبان کے اندر جملوں کے کل نمونوں کی تعداد اس حد تک ہے - کیونکہ زبان کی generative قوت پھر بھی باقی رہتی ہے - زبان کی اسی قوت نحو کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلنے کی کوشش کے نتیجے میں قواعد کا generative نظریہ وجود میں آیا - اس نظریے نے قواعد کا دائرہ بے حد وسیع کر دیا - لسانیات کی دنیا میں ایک بے حد اہم مسئلہ ان ممکنہ امکانات کا ہے جن کو زبان استعمال نہیں کرتی - کہا یہ جاتا ہے کہ کوئی بھی زبان اپنے ممکنہ امکانات کے پانچ فی صد سے سات فی صد تک استعمال کرتی ہے - اس نظریے کا پہلا اصول (grammatical) زبان کے تمام ممکنہ امکانات کا احاطہ کر لیتا ہے - چاہے ان کو زبان استعمال کرتی ہو یا نہ کرتی ہو - مثلاً مالی کھڑا ہے کے نمونے پر ہم سینکڑوں جملے بنا سکتے ہیں - موتی کھڑا ہے - کرسی کھڑا ہے - بچی کھڑا ہے یا بچی کھڑی ہے کے نمونے

ہر موتی کھڑی ہے ، مالی کھڑی ہے ، دھوبی کھڑی ہے ، کرسی کھڑی ہے ، یہ سب نمونے اردو کے قواعدی امکانات ہیں ۔ یہ دوسری بات ہے کہ ان میں سے زبان چند کو قبول کرتی ہے ، چند کو رد کر دیتی ہے ، اس لیے یہ تمام جملے اسی طرح زبان میں استعمال نہیں ہوتے ۔ زبان کی قواعد کی بے راہ روی کے اس پہلے اصول کو دوسرے اصول "قابل قبول نمونوں کے انتخاب" acceptable نے محدود کر دیا ہے ۔ اس اصول کے مطابق یہ دیکھا جاتا ہے کہ ان نمونوں میں سے کون سے نمونے زبان استعمال کرتی ہے اور کون سے رد کر دیتی ہے ۔ سچ کہا جائے تو اس نظریے نے قواعد کے جدید عمل کو روایتی عمل کے بالکل برعکس کر دیا ہے ۔ روایتی قواعد کا کام زبان کو ایک معیار تک لے جانا تھا ۔ اس مقصد کے تحت روایتی قواعد تمام غیر معیاری چیزوں کو زبان کے دائرے سے خارج کر دیتی تھی ۔ اس نظریے کے مطابق قواعد ان تمام ممکنہ امکانات کا مطالعہ کرتی ہے جن کو کسی بھی صورت میں زبان استعمال کر سکتی ہے اور کسی بھی زمانے میں کرسکتی ہے ۔ دوسرے الفاظ میں روایتی قواعد زبان کے بہاؤ کو روکتی اور ایک ٹھہراؤ تک لاتی تھی جب کہ Generative قواعد زبان کے نشو و نما کے تمام راستوں کو کھول دیتی ہے ۔

اس نظریے نے ابھی تک قواعد کے دو طریقوں کو جنم دیا ہے ۔ پہلا Transformational Generative Method کہلاتا ہے اور دوسرا جو اس کے بعد منظر عام پر آیا ہے ، Tagmimic Generative Method کہلاتا ہے ۔ یہ دونوں طریقے بنیادی طور پر Generative ہوتے ہوئے بھی عمل کے اعتبار سے الگ الگ ہیں ۔

عملی طریقے :

عملی طور پر کسی مخصوص زبان کی قواعد کا مطالعہ کرنے کے لیے Structutists نے بہت سے تجربے کیے ہیں اور مختلف طریقے ایجاد کیے ہیں ، یوں یہ تمام طریقے اور قسمیں بنیادی طور پر توضیحی ہیں ، یعنی قواعد کی ان تمام قسموں میں توضیحی طریقے کی حیثیت مرکزی ہے اور باقی تمام طریقے اس طریقے میں کچھ نئے قاعدے شامل کر لینے سے بنتے ہیں یا دو طریقوں کے اصولوں کو یکجا کر لینے سے وجود میں آتے ہیں ۔

توضیحی قواعد :

کسی زبان کے ذخیرے کا مناسب طریقے سے عمومی تجزیہ کرنے والے اصولوں پر مبنی ہوتی ہے - توضیحی قواعد کا کام منتخبہ جملے کی وضاحت ہے - جملے ترکیب در ترکیب سے بنتے ہیں - جملوں کی اندرونی تراکیب ہیں در حقیقت وہ نمونے ہیں جن کو بولنے والا سیکھتا ہے یہی تراکیب زبان کی تشکیل کرتی ہیں - کسی زبان کی توضیحی قواعد تیار کرنے کا سب سے اچھا طریقہ یہ ہے کہ متعلقہ زبان کا بڑے سے بڑا اور مناسب Corpus جمع کیا جائے اور اس Corpus کے اندر پائے جانے والے مختلف نمونوں کے مطابق اس کو مختلف نظاموں میں بانٹ لیا جائے -

تعین قواعد کی یہ قسم صرف منتخبہ جملوں کی وضاحت کے سلسلے میں ہی کارآمد ہے - جملے کی کوئی خاص صورت تبدیل ہو کر کسی دوسری صورت میں کیوں بدل گئی ، اس تجربے میں یہ قطعی کارآمد نہیں ہے -

Sentence Interpreting Grammar : اگر کسی زبان کے قواعد کے اصول بغیر اس زبان کے ذخیرے کو اچھی طرح سے کھنگالے ہوئے ترتیب دے لیے جائیں اور اس کے بعد نئے نمونے کے جملے سامنے آئیں تو ان کی وضاحت خاصی دشوار ہو جاتی ہے - اس طرح کے جملوں کی وضاحت کے لیے مندرجہ بالا قواعد مفید ہوتی ہے - یہ قواعد امکانات کی اصطلاحوں میں عمل کرتی ہے - یہ قواعد ایک طرح سے توضیحی قواعد پر اضافہ ہے ، کیوں کہ توضیحی قواعد امکانات کو نظر انداز کر کے معینہ ذخیرے پر عمل جاری رکھتی ہے -

Sentence Producing Grammar : یہ بھی توضیحی قواعد پر اضافہ ہے - Corpus میں ملے ہوئے جملوں کے نمونوں کے انداز پر نئے جملے وضع کرنا ، اس قواعد کا کام ہے - یہ Trans. Gen. Method سے بڑی حد تک ملتا جلتا طریقہ ہے ، لیکن بنیادی نظریے میں فرق ہے -

Contrastive or Transfer Grammar : دو زبانوں کی توضیحی قواعد کو ساتھ رکھ کر ان کے تضاد کو پرکھا جاتا ہے اور زبان کی ایسی تشکیلی تراکیب کی تلاش کی جاتی ہے جو دوسری زبان کی تشکیلی تراکیب

کے منتخبہ نمونوں سے مطابقت کر سکیں - یہ قواعد ترجمے میں مدد دے سکتی ہے -

ثانوی زبانوں کی تدریس میں اس طرح کی قواعدیں خاصی مدد دے سکتی ہیں - کوئی تجربے کار معلم ان سے یہ سمجھنے میں مدد لے سکتا ہے کہ زبان کی ساخت کے کون کون سے حصے سیکھنے والوں کے لیے سب سے زیادہ مشکلات پیدا کر سکتے ہیں اور وہ اس طرح کی قواعدوں کی مدد سے ان مشکلوں کو آسان کرنے کے راستے تلاش کر سکتا ہے -

Prescriptive Grammar : جن قواعدوں میں استعمالات کی سماجی قدر و قیمت کا بھی لحاظ رکھا جاتا ہے وہ صرف توضیحی نہیں کہی جا سکتیں ۔ ان کو بول چال کے دستور کا لحاظ رکھنے والی قواعد کہتے ہیں - سوسائٹی میں بعض استعمالات کو اچھا اور بعض کو برا سمجھا جاتا ہے - زبان کی سماجی اہمیت کا مطالعہ بڑا اہم ہے ، لیکن ایک مطالعہ متعلقہ زبان کی کسی اچھی توضیحی قواعد سے حاصل کی ہوئی استعمالات کی تعریف پر مبنی ہونا چاہیے - لسانی نمونوں کی پرکھ اور ان کی سماجی قدر و قیمت کے تعین کے مسائل کو آپس میں الجھانا نہیں چاہیے -

توضیحی قواعد کے اندر مختلف نقطۂ نظر ہونے کی وجہ سے توضیحی قواعد میں بطور ایک ٹائپ کے وحدت نہیں ہے - امریکی عمل کے اندر بھی انحرافات ہیں -

مختلف قسم کے توضیحی بیانات میں ایک بنیادی افتراق Entities ان میں ہے جو توضیح کی بنیاد بنائی جاتی ہیں -

عناصر کا ماڈل :

مختلف قسم کے عناصر مثلاً صرفیے ، الفاظ ، تراکیب اور وہ ترتیبیں جن کے ذریعے یہ عناصر یکجا ہوتے ہیں ، ان اصطلاحوں میں جو وضاحت کی جاتی ہے وہ عناصر کا ماڈل کہلاتی ہے - اس ماڈل سے انگریزی فعل ماضی walked کے ٹائپ کے نمونوں کی وضاحت بہت اچھی طرح ہو جاتی ہے -

پروسیس ماڈل :

یہ ماڈل عناصر پر ہی منحصر ہوتا ہے ، لیکن اس میں عنصر اور پروسیس دونوں کا لحاظ رکھا جاتا ہے ، مثلاً Ran اس میں ایک عنصر ہے اور حرف علت کی تبدیلی کا پروسیس ہے ۔ عناصر کے ماڈل کی دو قسمیں ہیں :

تحتی انتخاب کا ماڈل :

مثلاً انگریزی صرفیہ ماضی [$-D_1$] کی تین شکلیں /-d-, -t-, -td-/ ہوتی ہیں ۔ یہ ایک عنصر یعنی مرکزی صرفیہ کے معاون صرفیے ہیں ۔ ایک مرکزی صرفیے کا انتخاب کرنے کے بعد اس کے اندر سے ایک معاون صرفیے کے انتخاب کا عمل "تحتی انتخاب" کا ماڈل کہلاتا ہے ۔

مطابقت کا ماڈل :

مثلاً انگریزی کے ماضی لاحقہ /-d/ ہے جو فعل Walk میں شامل کیا گیا اور صوتی اصولوں کے تحت یہ /-d/ /-t/ میں بدل گیا ۔ اس تبدیلی کی وضاحت Adjustment ماڈل کے تحت ہوتی ہے ۔

اس ماڈل کا پروسیس ماڈل سے ابہام ہو سکتا ہے ، لیکن دونوں میں بین فرق ہے ۔ پروسیس ماڈل قواعدی اور معنوی افادیت کا حامل ہوتا ہے ۔ قواعد کے اندر بنیادی اکائی کی حیثیت رکھتا ہے جب کہ Adjustment ماڈل کی پروسیس صرف لسانی حالات پر منحصر ہوتی ہے ۔ اس کے اپنے کسی بھی اعتبار سے کوئی الگ یا بنیادی معنی نہیں ہوتے مثلاً انگریزی فعل "رن" سے "رین" کی پروسیس میں معنوی اور قواعدی معنی بدل گئے جب کہ /wokht/ سے /wohkt/ کی پروسیس میں کسی بھی اعتبار سے معنی نہیں بدلے ۔

گردان کا ماڈل :

قدیم زمانے سے روایتی قواعد نویسوں میں بے حد مقبول رہا ہے اور عملی نوعیت کا حامل ہے ۔ جدید توضیحی قواعد نویسوں میں یہ ماڈل خاصی ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھا گیا ۔ یہ ناپسندیدگی اس کے غلط استعمال کی وجہ سے پیدا ہوئی ۔ جو زبانیں غیر تصریفی تھیں ، ان پر بھی لاطینی ، عربی اور سنسکرت انداز کی گردانوں کا اطلاق کیا گیا ۔ پھر بھی اس ماڈل میں

بہت زیادہ کار آمد ہونے کی گنجائش ہے - اس کے تجزیے سے پتہ چلا ہے کہ در حقیقت یہ ایک ملا جلا ماڈل ہے - اس میں Process, subselection اور Adjustment ماڈل بڑی بے ترتیبی سے شمولیت کیے ہوئے ہیں -

۱۹۵۱ء میں ۳۱ مئی سے ۷ جون تک پیرس میں قواعد کے مسائل پر بحث کرنے کے لیے ایک سمپوزیم منعقد ہوا - اس سمپوزیم میں لسانیات کے مختلف اسکولوں نے حصہ لیا - اس میں حصہ لینے والے ماہرین لسانیات خود انفرادی طور سے بھی الگ الگ نظریات کے حامل تھے - اس کانفرنس میں لسانیات کے تمام ہی شعبوں کا جائزہ لیا گیا - یہ ماہرین لسانیات آخر میں جن نتیجوں پر پہنچے اور جو فیصلے کیے ، وہ بعد میں رپورٹ کی صورت میں شائع کر دیے گئے -

(۱) قواعد کے سلسلے میں سب سے پہلا عمومی اصول یہ بنایا گیا کہ جہاں تک ہو سکے ، قواعدی اور لغوی سطح پر لسانی شکل کے معنی متعلقہ زبان کے طریقے کا خیال رکھ کر طے کیے جائیں -

(۲) قواعدی سسٹم کے بیان میں بنیادی اصول یہ برتا جائے کہ پہلے کی تمام تقسیم کو نظر انداز کر دیا جائے اور انھیں لسانی اختیارات کو تسلیم کیا جائے جو قاعدوں اور اصولوں کے تحت ظاہر ہوں -

(۳) قاعدوں اور اصولوں کے ذریعے ظاہر ہونے والے قواعدی امتیازات کے سلسلے میں عناصر کی مکمل طور پر اختراع کی جائے اور ان کی تقسیم عمل اور قواعدی سطح پر ان کے معنی کا تعین کیا جائے - یہ معنی قواعدی اصطلاحوں میں ہوں اور ساتھ ہی ٹھوس بنیادوں پر قائم ہوں -

(۴) متبادل الفاظ کی وضاحت صوتی اور صرفی دونوں پہلوؤں سے وسیع ہونی چاہیے - زبان میں ظاہر ہونے والے قواعدی امتیازات کے سلسلے کو جہاں تک ہو سکے مختصراً بیان کر دینا چاہیے - مثلاً اسم اور فعل کا فرق ، اسم اور صفت کا فرق اور یہ بھی بتا دینا چاہیے کہ کس حد تک اور کس کس طرح سے یہ فرق صاف طور سے دکھانے جاتے ہیں - صرفی اور نحوی کسوٹی کا (جس کا مفہوم شکلی ساخت اور کلمے میں اس کے استعمال کی شرطیں ہے) ، خاص طور سے لحاظ رکھنا چاہیے -

یہ تمام امتیازات شکلی کسوٹی کی بنیاد پر قائم کرنا چاہیے - معنوی کسوٹی کی بنیاد پر نہیں -

تعریفیں اور اصطلاحیں ہمیشہ متعلقہ زبان کے طریقے کے مطابق طے کرنا چاہیے - اگر زبان میں مرکب وضع کیے جاتے ہوں اور اشتقاق ہوتا ہو تو اس بات کی وضاحت کرنی چاہیے کہ کس حد تک تشکیلے محذوف ہو جاتے ہیں اور کس حد تک وہ الگ الگ کام کرتے رہتے ہیں -

الفاظ کی ممکنہ تعلیل یا مرکبوں کا خاص طور سے تذکرہ کرنا چاہیے اور خاص طور سے ان مرکبوں کا تذکرہ کرنا چاہیے جو کہ زبان کے System میں نا آہنگی پیدا کرتے ہیں - اگر موقع ہو تو مختلف معیاروں مثلاً مذہبی زبان یا روزمرہ کا خیال رکھنا چاہیے -

نئے الفاظ کی تشکیل کے طریق کا تعین کرتے ہوئے اشتقاق یا مرکب کی تشکیل کی مختلف قسموں کی پیدائش کا خیال بھی رکھنا مفید ہوگا - ساتھ ہی مستعار ، اجنبی عناصر ، تصرف یا مستعار ترجموں کا خیال بھی رکھنا چاہیے -

جب درجے یا ضمنی درجے پائے جائیں ، مثلاً اسمی یا فعلی درجے تو اس بات کا تعین کرنا چاہیے کہ ہر ایک درجہ کن کن چیزوں پر مشتمل ہے اور کن کن چیزوں کا احاطہ کرنا ہے اور تعین کرتے ہوئے ہر درجے کے وجود کو بتانے والے اشارات اور مثالوں کی مکمل ترین فہرست تیار کرنا چاہیے -

اعداد و شمار کے سلسلے میں یہ نکتے کارآمد ہوں گے :

(۱) شمار میں استعمال ہونے والی اصطلاحیں -

(۲) طریقۂ شمار کی ترتیبی بنیادیں -

(۳) تقسیم بتانے والے اصول مرکب اعداد و شمار کا تسلسل -

(۴) ضمنی درجہ مثلاً ترتیبی اعداد ، مکسور اعداد یا ضربی اعداد کے اشتقاق کا امکان -

(۵) غیر ملکی طریق پر مبنی استعمار کا وجود -

نحوی زمروں کا مطالعہ کرتے ہوئے اس طریقے پر خاص توجہ دینی چاہیے جس سے نحوی تشکیلے ظاہر کیے جاتے ہوں یا تشکیل کیے جاتے ہوں اور ان تمام طریقوں پر بھی توجہ دینی چاہیے جن کے مطابق کوئی کلمہ مکمل وقوعہ کے تمام پہلوؤں کا تجزیہ کرتا ہو یا ترکیب نحوی کی وضاحت کرتا ہو۔

ان تمام زمروں کے استعمال کی سماجی شرائط پر جتنی توجہ ممکن ہو دینی چاہیے ۔ مثلاً ایک زبان جس میں انتہائی پیچیدہ فعلی طریقہ ہو ان مختلف مواقع کا اظہار ضرور کر دینا چاہیے جس میں مختلف زمرے استعمال کیے جاتے ہوں ۔

زبان کے استعمال کے مختلف سماجی معیاروں کا خاص طور سے خیال رکھنا چاہیے ۔ معمولی ، بیانیہ ، شاعرانہ ، خطیبانہ ، بحری ، عروضی وغیرہ وغیرہ ۔ ان باتوں کا خاص طور سے خیال رکھنا چاہیے ۔

(۱) زبان کے سلسلے میں کیا سوسائٹی ، اخلاقی یا جمالیاتی لحاظ ملحوظ رکھتی ہے اور استعمال کے معیاروں میں امتیاز برتتی ہے ؟

(۲) جنس ، عمر ، پیشہ ، سماجی درجہ ، مقامی ، مذہبی یا عبادتی فرقوں کے اعتبار سے کس حد تک زبان میں امتیازات برتے جاتے ہیں ؟

(۳) کن اداروں کی سرپرستی میں بچہ بولنا سیکھتا ہے ؟ کن حالات میں اصطلاحیں نظر انداز کر دی جاتی ہیں اور کن حالات میں ان کو ترجیح دی جاتی ہے ؟

کیا متعلقہ سماج ایک زبان استعمال کرتا ہے یا زیادہ زبانیں اور اگر ایک سے زیادہ زبانیں استعمال کرتا ہے تو ان کی نوعیت اور حالت کیا ہے؟ اور کس طرح یہ زبانیں ایک دوسرے سے متاثر ہوتی ہیں ؟

ان فیصلوں میں یہ تصور کیا گیا ہے کہ لسانیاتی شکلیں قواعدی اور لغوی سطحوں پر معنی رکھتی ہیں ۔ ان معنی کو زبان کے مقررہ قواعدی طریقے کے مطابق لسانی شکلوں کے اندرونی تعلق کے ذریعے سے طے کیا جانا چاہیے ۔ مثلاً ایک فاعل ایک ایسی زبان میں جس میں چار فاعلی حالتیں

ہوتی ہیں ، ایک ایسی زبان کے فاعل سے جن میں دو فاعلی حالتیں یا ایسی زبان کے فاعل سے جس میں چودہ فاعلی حالتیں ہوتی ہیں ، یقیناً مختلف ہوگا۔

کسی بھی عنصر کے عمل پر لفظ معنی کا اطلاق ریاضیاتی طریقے کی مثال ہے ، جب کہ اس اطلاق کو متعلقہ زبان کے اندر اس مخصوص نظام کے حوالے کے ساتھ ہونا چاہیے جس نظام کا وہ عنصر اصطلاح ، اکائی یا رکن ہو۔

یہ سمپوزیم Generative نظریہ وجود میں آنے سے پہلے منعقد ہوا تھا۔

(اردو نامہ کراچی شمارہ ۲۹)

رشید حسن خاں

املا کا اختلاف اور لغت

بہت سے لفظ مطبوعہ یا خطی کتابوں میں معمولی یا غیر معمولی اختلاف املا کے ساتھ ملتے ہیں ۔ بعض صورتوں میں یہ اختلاف محض ناقل یا کاتب کی کارگزاری کا کرشمہ ہوتا ہے ، مصنف سے اس کو تعلق نہیں ہوتا اور نہ ان لفظوں میں حقیقتاً وہ اختلاف املا ہوتا ہے ۔ اس اعتبار سے ایسے مقامات پر جب تک اس کا یقین نہ کر لیا جائے کہ کسی لفظ کی فی الواقع دو صورتیں ہیں ، اس اختلاف املا کو قبول نہیں کیا جانا چاہیے ۔ نیز جب تک صحیح طور پر اس کا تعین نہ ہو جائے کہ کسی لفظ کی کوئی خاص صورت واقعتاً مصنف کی اختیار کی ہوئی ہے ، اس وقت تک اس صورت کو اس مصنف سے منسوب نہیں کیا جانا چاہیے ۔

آج کل یہ رجحان بڑھ رہا ہے کہ مخطوطات میں لکھے ہوئے الفاظ کے املا سے ، مصنف کے عہد کی زبان ، بلکہ خود مصنف کے مختارات پر استدلال کیا جاتا ہے ، جب کہ اکثر صورتوں میں یہ صحیح نہیں ہوتا ۔ نہ ان مخطوطات کا زمانۂ کتابت متعین ہوتا ہے ، نہ کاتب کی شخصیت اور اہلیت کا علم ہوتا ہے اور اگر یہ سب ہو بھی ، تو اس کا علم نہیں ہوتا کہ کیا یہ مصنف کا اپنا املا تھا اور اس طرح بہت سی غیر مستند باتیں معرض اظہار میں آ جاتی ہیں اور ان امور کا انتساب مصنفین سے روا رکھا جاتا ہے جن کے متعلق یہ بالکل علم نہیں ہوتا کہ ان مصنفین کو ان امور سے واقعتاً کسی نوع کا تعلق بھی تھا اور اس طرح غلط فہمی کا سلسلہ دراز تر ہو جاتا ہے اور (مثلاً) سو برس بعد کے کسی کاتب یا کمپوزیٹر کی کارگزاری ، اس سے سو برس پہلے کے مصنف سے منسوب ہو کر تقدم زمانی حاصل کر لیتی ہے ۔

بہت سے قدیم مخطوطوں کی یہ صورت ہے کہ مخطوطے کا کاتب بہت خوش خط ہے لیکن غلط نویس بھی ہے اور وہ الفاظ کو عجیب عجیب[1] طرح لکھ جاتا ہے مثلاً کربل کتھا کا واحد مخطوطہ جو ذخیرۂ اشپر نگر (ٹیوبن گن - جرمنی) میں محفوظ ہے، اس کی عمدہ مثال ہے۔ اس مخطوطے کا عکس میرے سامنے ہے، کاتب کا خط پختہ اور واضح ہے، لیکن اس میں مندرجہ ذیل الفاظ کا یہ املا ملتا ہے:

کتاب خانی (کتاب خوانی) - ثات (سات)، خانہ دان (خاندان)، مثیں (مسیں)، ڈبارث (ڈہارس)، سکھینہ (سکینہ)، اثی (اسی) - توباہ (توبہ)، پیٹ تا (بیٹھتا، بیٹھاتھو (بیٹھات)، خواوند (خاوند) - اسطلاحات (اصطلاحات) - یہی صورت بہت سی مطبوعہ کتابوں کی ہے کہ ان میں کچھ لفظ، کاتب یا کمپوزیٹر کی استعداد یا اس کی پسندیدہ روایت کے مطابق صورت پذیر ہوئے ہیں، نہ ان کو مصنف سے واسطہ ہے نہ صحت املا سے ربط ہے اور نہ حقیقی اختلاف املا سے ان کو تعلق ہے - اب اگر ایسے الفاظ کے املا کو مطلقاً قبول کر لیا جائے اور ان کو لغت میں اختلاف املا کے ذیل میں بطور سند پیش کیا جائے اور اس اختلاف کی بنا پر ان لفظوں کی دو یا اس سے زیادہ مستقل شکلیں تسلیم کر لی جائیں، تو یہ طرز عمل کم احتیاطی سے قریں ہوگا اور صحت سے دور۔

متن کی ترتیب کا یہ عام طریقۂ کار ہے کہ مختلف نسخوں کے اختلاف املا کو بھی ذیلی حواشی میں ظاہر کر دیا جاتا ہے - یہ اظہار، لازماً اس پر مبنی نہیں ہوتا کہ وہ ساری صورتیں صحیح بھی ہیں - یہ عمل محض اختلاف نسخ کے اظہار کا معمولی طریقۂ کار ہوتا ہے - متن میں الفاظ کی صورت نویسی، ترتیب متن کے مقررہ اصولوں کے تحت عمل میں آتی ہے - ضبط اختلاف کے ذیل میں، کاتبوں کی غلط نویسی سے لے کر واقعی اختلافات

---

۱ - یا مثلاً مخطوطہ دیوان بقا (ذخیرۂ اشپر نگر، جرمنی) اس کا کاتب نہایت خوش خط ہے، لیکن بلا کا غلط نویس - اس نے لفظوں اور مصرعوں کو عجیب عجیب انداز سے لکھا ہے - اس مخطوطے کا عکس پیش نظر ہے - ایسے مخطوطات کی اچھی خاصی فہرست مرتب ہو سکتی ہے -

املا تک کی سب یا اکثر صورتیں آ جاتی ہے، لیکن اس سے یہ غلط فہمی کسی کو نہیں ہوتی کہ وہ سب صورتیں، اس لفظ کی واقعی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں -

لیکن لغت کی نوعیت اس سے جداگانہ ہے - لغت میں بھی سند کے اشعار یا جملے، مختلف خطی اور مطبوعہ کتابوں سے منقول ہوتے ہیں، لیکن اس میں املا کی یہ رنگا رنگی جگہ نہیں پا سکتی - اس میں صرف ان صورتوں کو جگہ ملنی چاہیے جن کا وجود متحقق ہو اور اگر کسی مصنف سے اس اختلاف کو منسوب کیا جائے تو اس کے لیے یہ لازم ہوگا کہ قطعیت کے ساتھ اس لفظ کی وہ مختلف صورت، اس مصنف کی اختیار کردہ ثابت ہو چکی ہو - اس کے بغیر، اس اختلاف املا کو اس مصنف سے منسوب نہیں کیا جا سکتا - مختلف کاتبوں، ناقلوں اور کمپوزیٹروں نے کم سوادی، لاعلمی یا کسی غلط روش کی پیروی کے طور پر، اگر کسی لفظ کو مسلمہ صورت سے ہٹ کر کسی اور طرح لکھ دیا ہے تو وہ اختلاف لغت کے لیے قابل قبول نہیں ہوگا -

اثبات مدعا کے لیے ایک مثال پیش کرنا چاہتا ہوں :

اردو نامہ شمارہ ۲۷ کے حصہ لغت میں لفظ "اچنبھا" کی ایک صورت "اچھنبا" بھی درج ہے اور اس کو "اچنبھا کی قدیم صورت بتایا گیا ہے اور من جملہ تین مثالوں کے ایک مثال میر امن کی کتاب گنج خوبی سے پیش کی گئی ہے : "اس کے کنگورے کے اونچے ہونے کا اچھنبا نہیں" -

اب تک کی معلومات کے مطابق گنج خوبی، اردو رسم خط میں پہلی بار ۱۸۴۶ء میں مطبع احمدی کلکتہ میں ٹائپ میں چھپی تھی - یہ ایڈیشن میرے سامنے ہے - رائل ایشیاٹک سوسائٹی لندن کے ذخیرۂ Codrington میں اس کا وہ مخطوطہ محفوظ ہے جو میر امن کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے[1] -

---

۱ - یہ نسخہ میر امن نے اپنے شاگرد جان رومر کے لیے لکھا تھا - خط پختہ اور واضح نستعلیق ہے - انھوں نے بہت سے لفظوں پر اعراب بھی لگائے ہیں اور توقیف نگاری سے بھی کام لیا ہے - اس لحاظ سے یہ نسخہ بہت اہمیت رکھتا ہے - جان رومر کی تحریریں اس کے اول و آخر میں موجود ہیں اور اس نے صراحت کی ہے کہ وہ ان کا شاگرد ہے اور یہ نسخہ میر امن کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے - اس نسخے میں قطعہ تاریخ تکمیل کتاب بھی موجود ہے، جو مطبوعہ نسخے میں موجود نہیں - اس کی تفصیل اس مضمون کے آخر میں پیش کی گئی ہے -

اس مخطوطے کا عکس بھی پیش نظر ہے ، ان دونوں قلمی اور مطبوعہ نسخوں میں اس مقام پر "اچنبھا" ہے نہ کہ "اچھنبا" - یہی نہیں ، اس کتاب میں بعض اور مقامات پر بھی یہ لفظ ملتا ہے - مثلاً : "اے یارو اچنبھا نہ کرو" (نسخہ مطبوعہ ص ۱۴۶) یہاں بھی اس کا یہی املا ہے - میرے علم میں اس کا ایک اور مطبوعہ نسخہ ہے جو ۱۸۷۵ء میں بمبئی کے مطبع محبوب بردیار میں چھپا تھا ، لیکن یہ میری نظر سے نہیں گزرا ، میں نے یہ فرض کر لیا ہے کہ اردو نامے میں جو عبارت نقل کی گئی ہے ، وہ اسی نسخہ بمبئی پر مبنی ہوگی - اب اگر ۱۸۷۵ء کے اس نسخے میں کوئی لفظ کسی خاص طرح چھپا ہوا ہے تو وہ اس مصنف کا یا اس کے عہد کا املا کیسے ہو سکتا ہے ؟ اس لغت نامے کی یہ خصوصیت بھی ہے کہ مثال کے ساتھ ساتھ مصنف یا تصنیف کا زمانہ بھی لکھ دیا جاتا ہے - گنج خوبی کی اس مثال کے ذیل میں اس کتاب کا سال تصنیف ۱۸۰۲ء لکھا ہوا ہے - اس کا واضح طور سے مطلب یہ ہوا کہ ۱۸۰۲ء میں اس لفظ کا یہ املا بھی مستعمل تھا اور میر امن نے یہ املا لکھا ہے ، جب کہ صورت حال اس سے مختلف ہے -

دوسری مثال میر سوز کے ایک خطی دیوان سے پیش کی گئی ہے ، دیوان میر سوز کے دو مخطوطے میں نے دیکھے ہیں اور ان دونوں میں اس لفظ کا وہ املا نہیں ، جس کی سند میں اس شعر کو پیش کیا ہے - کلام سوز کے پندرہ بیس مخطوطے ادھر ادھر سے جمع کیے جا سکتے ہیں اور بہت سے لفظ ان میں الگ الگ انداز سے مل سکتے ہیں ، ایک ایک لفظ ، دو دو تین تین طرح لکھا ہوا مل جائے گا - واضح تعینات کے بغیر یہ کہنا بہت مشکل ہے کہ خود سوز نے کس لفظ کا املا کیا لکھا تھا - اگر دیوان میر سوز کے کسی مخطوطے میں "اچھمبا" لکھا ہوا ہے اور کسی میں "اچنبھا" اور تیسرے میں "اچمبھا" تو اس صورت میں یہ کیسے طے ہوگا کہ میر سوز کا پسندیدہ املا کیا تھا - تیسری مثال قطب مشتری سے پیش کی گئی ہے - میں اس کے متعلق فی الوقت کوئی رائے نہیں دے سکتا ، ہاں یہ کہوں گا کہ قطب مشتری کا متن جن دو نسخوں پر مبنی ہے ، ان میں سے کسی نسخے کے متعلق ، مرتب نے یہ نہیں بتایا کہ وہ کس عہد کا لکھا ہوا ہے ؟ اس صورت میں کسی لفظ کے املا کا انتساب مصنف سے نہیں کیا

جا سکتا ، نہ اس کے عہد سے - اس سلسلے میں مرتب قطب مشتری کی یہ عبارت بھی قابل توجہ ہے :

"ایک دوسری خصوصیت میرے نسخے کی یہ ہے کہ اس کا رسم خط عجیب قسم کا ہے - خط نسخ ہے ، لیکن الفاظ میں اکثر حروف علت کا کام اعراب سے لیا ہے ، خصوصاً ان حروف علت کے لیے جو لفظ کے آخر میں آتے ہیں ، مثلاً اس مصرع کو : "جو بے ربط بولے تو بیتاں پچیس" یوں لکھا ہے : جو ب ربط بول توں بیتاں پچیس"

(مقدمہ ص ۱۹)

اب اگر اصل کی رعایت ملحوظ ہو تو بے ربط کو "ب ربط لکھا جانا چاہیے اور کیا اس بنا پر کہ ایک مخطوطے میں "ب ربط" اور "بول" لکھا ہوا ہے ، ان لفظوں کا یہ املا ، اختلاف املا کے ذیل میں قبول کر کے ، لغت میں اس اختلاف کا اظہار کیا جا سکتا ہے ؟

ہمارے یہاں صحت املا پر بہت کم گفتگو کی گئی ہے اور یکسانی املا کی ضرورت پر غور ہی نہیں کیا گیا - بہت سے لفظ ایسے ہیں کہ ان میں املا کا اختلاف محض شخصی پسند و ناپسند یا لاعلمی کا نتیجہ ہے - خوش نویسی کے اساتذہ اور ان کے تلامذہ کی دنیا ہی الگ تھی - ان کے یہاں بنیادی حیثیت اصول خوش نویسی کی تھی -

یہ اپنے اصولوں کے مطابق حرفوں کے جوڑ ، دائروں کی کشش اور ان کی نوک پلک پر نظر رکھتے تھے ، باقی ساری حیثیتیں ثانوی تھیں ، خوش نمائی اور حسن کو برقرار رکھنا اصل مدعا ہوتا تھا ، خواہ اس میں بعض حرفوں کے جوڑ تحلیل ہو جائیں یا نقطے اور مرکز غائب ہو جائیں یا ان کی جگہ بدل جائے - خوش نویسی ایک فن شریف تھا ، جس کا سیکھنا اور اس میں امتیاز پیدا کرنا ، اس عہد میں من جملہ عناصر تہذیب تھا - توجہ کی جاتی تھی حروف کی صورت کشی پر ، لفظوں کی نشست پر اور عبارت کی مجموعی ہیئت پر ، یہاں تک بھی غنیمت تھا ، لیکن پڑھے لکھے یا نسبتاً پڑھے لکھے لوگوں کے علاوہ جب یہ منصب مل جاتا تھا کم سواد حضرات کو تو پھر غلط نویسی کی کوئی حد نہیں رہتی تھی اور اس صنعت غلط نگاری میں جس قدر کمالات کا مظاہرہ کیا جا سکتا ہے ، کبھی کبھی سب کا حق ادا ہو جاتا

کرتا تھا۔ پھر بات یہیں تک محدود نہیں، بہت سے مخطوطے ایسے ہیں جن کی کتابت ان لوگوں نے کی ہے جو کم سواد بھی تھے اور اس فن شریف سے بیگانہ بھی، ان کی کرشمہ کاریاں دیدنی ہیں[1]، کربلا اور نیم چڑھا۔ ایسی صورت میں کسی لفظ میں واقعی اختلاف املا کا تعین، خاصی بحث و نظر کا متقاضی ہے اور ہر قلمی اور مطبوعہ کتاب کا املا، اختلاف کے ذیل میں شامل نہیں کیا جا سکتا۔

اگر مصنف کسی اور علاقے کا ہے اور کاتب کسی اور علاقے کا ہے اور یہ دونوں علاقے لسانی اعتبار سے مختلف خصوصیات کے حامل ہیں، اس صورت میں بعض الفاظ کے املا میں کاتب کی مخصوصیت کے علاوہ، بعض علاقائی اثرات کی کارفرمائی بھی ہو سکتی ہے۔ مثلاً جن علاقوں میں حروف علت کو ساقط کر دینے اور حرفوں کو مشدد بولنے کا رجحان قوی ہے، ان علاقوں کے کاتب صاحبان کے لکھے ہوئے بعض مخطوطوں میں اس رجحان کی جلوہ گری بھی نظر آ سکتی ہے۔

اہم مطبوعہ کتابوں کے نسخے جو مصنف کے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہوں، اگر دست یاب ہو جائیں، تو مقابلہ کرنے پر معلوم ہوگا کہ بہت سے مقامات پر مطبوعہ کتاب میں جو املا اختیار کیا گیا ہے، اس کو مصنف کے املا سے تعلق نہیں، اس کا تعلق محض کاتب یا تصحیح کرنے والے کے اپنے املا سے ہے، یا اگر وہ کتاب ٹائپ میں چھپی ہے تو اس کا انحصار کمپوزیٹر اور مصحح کی صواب دید پر منحصر ہے اور اس کی سب سے اچھی مثال یہی کتاب 'گنج خوبی' ہے۔ جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے اس کا خطی نسخہ مصنف کے ہاتھ کا لکھا ہوا موجود ہے۔ یہ کتاب معرض وجود میں آنے کے تقریباً ۲۴، ۳۴ برس بعد ٹائپ میں چھپی تھی۔ ان دونوں نسخوں کو آمنے سامنے رکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ بہت سے لفظ مطبوعہ نسخے میں جس صورت میں نظر آتے ہیں، مخطوطے میں وہ اس سے مختلف صورت میں محفوظ ہیں۔ اس صورت میں اگر مطبوعہ نسخے کے ایسے الفاظ کے املا کو

۱۔ مثلاً مبتلا و عشق میرٹھی کے "تذکرۂ طبقات سخن" کا ایک مخطوطہ (مخزونہ گاندھی فیض عام کالج شاہ جہاں پور) اس کی عمدہ مثال ہے۔ اس کے کاتب نے عجیب عجیب کرشمہ کاریاں کی ہیں۔

مصنف سے منسوب کر کے ، ان الفاظ کو اختلاف املا کی بحث میں پیش کیا جائے تو کیوں کر درست ہوگا۔ ذیل میں اس کتاب کے ایسے کچھ لفظ بہ طرز مثال پیش کیے جاتے ہیں ۔ اس مختصر سی فہرست میں دو طرح کے لفظ شامل ہیں :

(۱) ایسے لفظ جن کا املا مطبوعہ نسخے میں ، مروجہ حال املا سے مختلف نظر آتا ہے اور اس لحاظ سے ان کو اختلاف املا کی فہرست میں شامل ہونا چاہیے ، لیکن مخطوطے میں ان کا وہی املا ہے جو آج کل رائج ہے ۔

(۲) ایسے لفظ جو مطبوعہ نسخے میں اسی طرح چھپے ہوئے ہیں جس طرح وہ آج کل رائج ہیں لیکن مخطوطے میں ان کی صورت ، مروجہ حال صورت سے مختلف ہے اور یہ صورت واقعتاً اختلاف املا کے ذیل میں آ سکتی ہے :

گنج خوبی نسخہ مطبوعہ ۱۸۳۶ء	گنج خوبی مخطوطہ ۱۸۰۴ء
جستجو (ص ۱۷۱)	جست جو
سامنے (ص ۲۰)	سامھنے (مخطوطے میں اس لفظ کا ہر جگہ یہی املا ملتا ہے)
دونوں (ص ۲۹)	دونو (بغیر نون) (مخطوطے میں اس لفظ کا ہر جگہ یہی املا ملتا ہے)
شان گمان (ص ۳۶)	سان گمان
ڈبڑا (ص ۳۸)	ڈبرا
بھینچے (مع نون) (ص ۴۹)	بھیچے (بغیر نون)
بینچو (مع نون) (ص ۶۵)	بیچو (بغیر نون)
بیٹھایا (ص ۱۲۸)	بٹھایا
پروا (ص ۲۶۱)	پرواہ (ہر جگہ اسی طرح ہے)
بے پروائی (ص ۳۰۷)	بے پرواہی (ہر جگہ اسی طرح ہے)
قضاق (ص ۳۳۲)	قزاک
بھوکھ (ص ۳۵۷)	بھوک
وتنا ہی (ص ۳۵۰)	اتنا ہی

گنج خوبی نسخہ مطبوعہ ۱۸۴۹ء	گنج خوبی مخطوطہ ۱۸۰۴ء
تماش بینوں (ص ۲۵۸)	تماشہ بینوں
خاطر جمعی (ص ۲۶۲)	خاطر جمع
جھونپڑی (مع نون) (ص ۲۸۳)	جھوپڑی (بغیر نون)

اصولاً لغت کو مستند ترین ذریعہ ہونا چاہیے ، الفاظ کے املا کے سلسلے میں بھی ، لیکن یہ عجیب بات ہے کہ اردو کے اہم لغات اس سلسلے میں ہماری کم سے کم مدد کرتے ہیں - ان میں مرتبین کی توجہ مبذول رہی ہے الفاظ کے معانی و مفاہیم ، ان کے محل استعمال اور ان کی اسناد فراہم کرنے پر ، یہی وجہ ہے کہ ایک ہی لغت ایک ہی لفظ ایک جگہ ایک انداز سے لکھا ہوا مل جائے گا اور دوسری جگہ دوسرے انداز سے ، اس میں ایسے لفظ بھی ملیں گے جن کے معانی مرتب کے متعین کیسے ہوئے ہوں گے اور ان کا املا کاتب صاحب کی پسندیدگی کا آئینہ دار ہوگا اور اگر ایک لغت کی کتابت مختلف کاتب صاحبان کی ہے تو عین ممکن ہے کہ ایک ہی لفظ کی ایک سے زیادہ صورتیں مل جائیں - ہمارے یہاں بحثیں ہوئی ہیں رسم خط پر ، صحت املا کا مسئلہ معرض گفتگو میں کم سے کم آ سکا - ٹائپ میں بھی یہی صورت حال ملتی ہے کہ کمپوزیٹر کم سواد اور تصحیح کرنے والے حضرات ان کے حریف یا ان سے بھی گئے گزرے - ابھی تک ہمارے پاس کوئی ایسی مستند کتاب بھی نہیں جو اس سلسلے میں فیصلہ کن حیثیت رکھتی ہو ، ان سب پر ستم یہ ہے کہ بہت سے لفظ ہنوز ارباب نظر کی بحث و فکر کے منتظر ہیں اور تعین سے معرا -

اس مرحلے پر یہ بے حد ضروری ہے کہ قدیم و جدید الفاظ کے املا کے تعین میں کچھ واضح اصولوں کو پیش نظر رکھا جائے - چھپی ہوئی یا خطی کتابوں میں الفاظ کی جو صورتیں ملتی ہے ، ان میں حقیقی اور غیر حقیقی اختلاف املا کا تعین کیا جائے اور اس کا فیصلہ کیا جائے کہ لغت کے نقطۂ نظر سے کس قسم کا اختلاف املا قابل قبول ہو سکتا ہے اور اس کا انتساب کس سے کیا جائے گا - کیونکہ اب اگر یہ کام نہ ہو سکا اور ہمارا یہ جدید لغت بھی ، اس سے پہلے کے لغات کی طرح عدم تعین املا کا گنجینہ بن گیا ، تو پھر کبھی اصلاح نہیں ہو سکے گی - اس ضمن میں مثالاً چند امور

پیش کیے جاتے ہیں ، ان کو وسعت دے کر ، ایک واضح طریقۂ کار متعین کیا جا سکتا ہے :

مخطوطات میں کچھ الفاظ کا وہ املا ملتا ہے جس کو اختلاف کے بجائے غلط نگاری کہنا چاہیے اس غلط نگاری کے شکار عام کاتب ہی نہیں بعض اچھے خاصے مصنف بھی ہوتے ہیں - ان میں کہیں تو لغزش قلم کو دخل ہے ، کہیں بے توجہی کو اور کبھی ناواقفیت کو - ایسے الفاظ کی ان صورتوں کو اختلاف املا کے ذیل میں شامل نہیں ہونا چاہیے - مثلاً میر امن کے لکھے ہوئے اسی مخطوطہ گنج خوبی کے ان الفاظ کو دیکھیے :

ایزا ، پرشش ، اللہ و اکبر ، ذکات ، سرکا ، نیش ، سوانحہ ، رزالت -

ظاہر ہے کہ ان الفاظ میں اختلاف املا نہیں ، یا تو لغزش قلم ہے یا غلط فہمی - و علیٰ ہذالقیاس - یہ اختلاف متن کے مرتب کے لیے اہم ہے ، وہ اس کو حاشیے میں ظاہر کرے گا ، لیکن لغت کے لیے یہ قابل قبول نہیں ، نہ قابل ذکر ہے ، کیونکہ ایسے مقامات پر لفظ کی صورت میں حقیقی تغیر راہ نہیں پاتا اور اس کی ایک مستقل صورت کی تشکیل نہیں کرتا -

وہ لفظ جن کا املا متعین رہا ہے اور آج بھی اسی طرح متعین ہے ، لیکن غلط فہمی سے کچھ لوگ کسی اور طرح بھی ان کو لکھ دیا کرتے ہیں ، ایسے لفظ خواہ کسی مخطوطے میں ہوں یا مطبوعہ نسخے میں ، ان کا شمار بھی لغت کے نقطۂ نظر سے املا کے ذیل میں نہیں کیا جا سکتا ، خواہ وہ مخطوطہ کتنا ہی اہم ہو یا وہ چھپی ہوئی کتاب کتنی ہی پرانی ہو - مثلاً :

ذخار ، ذکریا ، تماشہ ، معمہ ، گزشتہ ، تلاش ، معہ ، موقعہ ، طلاطم ، طپش - اس کی بھی مثالیں موجود ہیں کہ ایک ہی مصنف نے ایک ہی لفظ کو دو طرح لکھا ہے - مثلاً گنج خوبی کے اس مخطوطے میں درج ذیل الفاظ دو طرح لکھے ہوئے ہیں :

اعلیٰ ، اعلا - عقبیٰ ، عقبا ، نہتا ، نہتھا - جھوٹ - جھوتھ ، دسخط ، دستخط - سینے ، میں نے - خوشنودی ، خشنودی - چھانو ، چھاؤں -

ایسے مقامات اختلاف املا کے ذیل میں آتے ہیں اور ان کا ذکر ہونا چاہیے ، لیکن جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے ، ان میں احتیاط کی سب سے زیادہ

ضرورت ہے ، یعنی محض کسی گم نام کاتب یا مجہول ناقل کی سند پر ان لفظوں کے اس املا کو مصنف سے منسوب نہیں کیا جا سکتا ۔ اس قبیل کے الفاظ جن میں حقیقی اختلاف املا موجود ہوتا ہے اور واقعتاً لفظ کی ایک مختلف صورت کی نمائندگی کرتے ہیں ، کسی خاص مصنف سے انتساب کے بغیر بھی پیش کیے جا سکتے ہیں ، کیونکہ اس نوع کے اختلافات ان لفظوں میں جگہ جگہ مل جاتے ہیں اور متعدد مخطوطوں میں ان شکلوں کا وجود ، اس کے اثبات کے لیے کافی ہے کہ ان میں اختلاف املا ہے اور یہ تکرار نہ لغزش قلم کا نتیجہ ہے نہ غلط فہمی کا ۔

میں اس بات کو مکرر کہنا ضروری سمجھتا ہوں کہ جن الفاظ میں کسی بھی نوعیت سے املا کا واقعی اختلاف ہے اور یہ اختلاف ان لفظوں کی مختلف شکلوں کی صورت گری کرتا ہے ، تو یہ ضروری نہیں کہ اس اختلاف کو کسی مصنف سے منسوب کرنے کے بعد ہی بطور سند پیش کیا جا سکے ۔ اگر یہ ممکن ہو تو بہتر ہے یعنی اگر کسی مصنف کی خطی تحریر ہمارے سامنے ہو ، تو یقیناً اس سے استناد کیا جا سکتا ہے اور اس صورت میں مصنف اور عہد ، دونوں کا تعین صحیح ہوگا ۔ اگر ایسی خطی تحریریں سامنے نہ ہوں اور وہ مختلف صورتیں متعدد مخطوطوں میں ملتی ہوں ، تو یہ کثرت اور تکرار ، استناد کے لیے کافی ہے ، لیکن اس صورت میں اس اختلاف کو کسی ایک مصنف سے منسوب نہیں کیا جا سکتا نہ کسی سنہ کا تعین کیا جا سکتا ہے ، صرف یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ مثالیں فلاں فلاں زمانے کے ان مخطوطوں میں ملتی ہیں ۔ اگر کوئی مثال صرف ایک مخطوطے میں ملتی ہو یا کسی ایک مطبوعہ نسخے میں اور اس میں غلط الکاتب کا احتمال بھی ہو سکتا ہو ، تو اس کو لغت میں بطور سند نہیں پیش کیا جا سکتا ۔ یہ اختلاف صرف اس متن کے مرتب کے کام کا ہو سکتا ہے ۔

جن لغت ناموں میں لفظوں کے عہد بہ عہد تغیرات معنی و املا کی نشان دہی کی جائے اور اس کے لیے مصنف یا تصنیف کا زمانہ بھی لکھا جائے (جیسا کہ ترقیٔ اردو بورڈ کے اس لغت نامے میں ہے) ان میں اس احتیاط کو ملحوظ رکھنا بے حد اہمیت رکھتا ہے ۔ کسی لفظ کے املا کا انتساب ، کسی مصنف سے کر دیا جائے اس صورت میں کہ اس مصنف کی خطی تحریر ہمارے سامنے نہ ہو بلکہ کسی کاتب کی تحریر ہو اور ہم منسوب

کر دیں اس تغیر کو مصنف سے اور اس مثال کے ساتھ اس تصنیف کا سنہ لکھ دیں ، یہ سر تا سر غلط فہمی اور غلط آفرینی ہوگی ۔ ایسے موقعوں پر سنہ کی نشان دہی کے ساتھ یہ صراحت ضروری ہے کہ یہ تحریر فلاں عہد کے مخطوطے کی ہے ، اگر سنہ کتابت معلوم ہو ۔ سنہ کتابت معلوم نہ ہونے کی صورت میں ، صرف اس مخطوطے کا حوالہ دیا جائے ، زمانے کا تعین نہ کیا جائے ، جب تک کسی مخطوطے میں وہی املا نہ ملے اور اس مخطوطے کا زمانۂ کتابت معلوم نہ ہو اس وقت تک یہ اختلاف ، قطعی تعین زمانہ سے محروم رہے گا ، قیاسی تعین البتہ کی جا سکتی ہے ۔

اس سلسلے میں اس سے بھی اہم پہلو یہ ہے کہ اگر کوئی لفظ کسی ایک مخطوطے میں خاص طرح لکھا ہوا ملتا ہے ، اس صورت میں یہ بھی ضروری ہوگا کہ اس کے کاتب کا تعین و تشخص کر لیا جائے ۔ اگر وہ غلط نویس ہے یا اس مخطوطے کی کتابت میں اس نے دوسرے مقامات پر کم سوادی کا مظاہرہ کیا ہے تو اس صورت میں اس اختلاف کو کسی دوسری مثال کے بغیر قبول نہیں کیا جا سکتا اور لغت میں اس اختلاف املا کو درج نہیں کیا جا سکتا ۔

اگر کسی مخطوطے کی کتابت کسی معلوم شخص نے کی ہے اور اس کی علمی یا ادبی شخصیت قابل ذکر بھی ہے، اور اس نے آداب احتیاط کو بھی ملحوظ رکھا ہے ، اس صورت میں اگر اس نے کسی جگہ کسی لفظ کو مروجہ یا معلوم انداز کے خلاف لکھا ہے اور اس مقام پر نظر بہ ظاہر لغزش قلم کا گمان بھی نہیں ہوتا ، اس صورت میں اس اختلاف املا کو اسی کاتب سے منسوب کر کے ، لغت میں ظاہر کیا جا سکتا ہے اور اگر اس اختلاف کی کوئی اور مثال نہ ملے ، اس صورت میں اس کی صراحت ضروری ہوگی کہ اس وقت تک کی معلومات کے مطابق یہ واحد مثال ہے اور شاذ کے حکم میں آتی ہے ۔

ایسے مخطوطے بھی دیکھنے میں آتے ہیں جن کے کاتب کے متعلق یا تو ہمیں کچھ نہیں معلوم یا کم سے کم معلوم ہے اور اس کی شخصیت اور حیثیت کی تعین نہیں کی جا سکتی ، لیکن اس مخطوطے میں اس کی کم سوادی یا کم نظری کی کوئی مثال نہیں ملتی اور پورا مخطوطہ پڑھنے کے بعد یہ

محسوس ہوتا ہے کہ اس کا کاتب سمجھ دار بھی تھا اور محتاط بھی ، ایسے مخطوطے میں اگر کسی لفظ یا الفاظ کا املا ، اس زمانے کی روش سے مختلف ہے اس صورت میں بھی یہی طریقہ اختیار کیا جائے گا کہ اس اختلاف کو درج کر کے ، اس کی صراحت کر دی جائے گی کہ یہ واحد مثال ہے اور شاذ کا حکم رکھتی ہے ، لیکن اس قبیل کے اختلاف املا کا تعلق صرف کاتب سے ہوگا ، مصنف سے اس کا رشتہ نہیں جوڑا جائے گا ۔ لغت میں بنیادی حیثیت اسی لفظ یا الفاظ کے مسلمہ املا (ایک ہو یا ایک سے زیادہ صورتیں ہوں) کو حاصل رہے گی ، اس اختلاف کی حیثیت محض ضمنی ہوگی ۔ البتہ متن کی ترتیب کے سلسلے میں صورت حال اس سے مختلف ہوگی ۔ اگر ایسا مخطوطہ ، دوسرے مخطوطوں پر تقدم زمانی رکھتا ہے اور درجۂ اعتبار اور اصول ترتیب کے لحاظ سے متن کی بنیاد بنائے جانے کا مستحق ہے ، اس صورت میں یہ خاص املا متن میں برقرار رہے گا اور اس لفظ یا الفاظ کے مسلمہ املا کو یا اس املا کو جو دوسرے مخطوطوں میں ہو ، ثانوی حیثیت حاصل ہوگی اور ان کو حاشیے میں درج کیا جائے گا ۔

اس سلسلے میں ایک اور اہم بات یہ ہے کہ لسانی اعتبار سے علاقائی اختلافات پر بھی نظر رہنا چاہیے مثلاً اگر مصنف دکن یا گجرات کا ہے اور اس کے مخطوطے کی کتابت شمالی ہند کے کسی شخص نے کی ہے تو یہ بخوبی ممکن ہے کہ شعوری یا غیر شعوری طور سے کچھ لفظوں میں دکنی یا گجری زبان کی خصوصیات کے بجائے شمالی ہند کی خصوصیات تلفظ و املا کی پیوند کاری ہو گئی ہو ، یا شمالی ہند کے کسی مصنف کی تصنیف کی کتابت دکن کے کسی شخص نے کی ہو اور اسی طرح صنعت گری راہ پا گئی ہو ۔ مصنف کے متعلق اگر یہ علم ہو کہ وہ کس علاقے کا تھا اور کس عہد کا تو جن لوگوں کو مخطوطات شناسی سے سروکار رہا ہوگا اور وہ ان علاقائی خصوصیات سے آشنا ہوں گے اور تلفظ و املا کے مسائل پر بھی ان کی نظر ہوگی ، ان کے لیے یہ طے کرنا زیادہ مشکل نہیں ہوگا کہ اس کا کاتب اسی لسانی علاقے کا ہے یا کسی دوسرے علاقے کا ، یا یہ کہ جو اختلافات املا ملتے ہیں ، ان کا تعلق مصنف سے ہو سکتا ہے یا کاتب سے ۔ اسی نسبت سے ان اختلافات کا تعین اور انتساب کیا جائے گا ۔ مختلف لسانی خصوصیات رکھنے والے علاقوں کے کاتبوں کے لکھے ہوئے کسی ایک کتاب کے مخطوطوں

کا تقابل کیا جائے تو اس سلسلے میں بعض دلچسپ مثالیں سامنے آئیں گی اور معلوم ہوگا کہ ایسے علاقائی اختلافات نے لفظوں کی صورت پر کس کس طرح اثر ڈالا ہے -

بہت سی مطبوعہ کتابوں کا اگر مستند خطی نسخوں سے مقابلہ کیا جائے تو عجیب عجیب طرح کے اختلافات سامنے آئیں گے - یہ اختلافات بعض اوقات لفظ کی ساخت کے لحاظ سے اور بعض اوقات املا کے لحاظ سے بےحد اہم ہوتے ہیں - میں اثبات مدعا کے لیے گنج خوبی کے مذکورہ خطی نسخے اور اس کے مطبوعہ نسخے (مطبوعہ کلکتہ ۱۸۴۶ء) سے ایسی دو چار مثالیں پیش کرتا ہوں :

(۱) "جو آپ ڈر سے غنیم کو لکھتے تھے" (نسخہ مطبوعہ ص ۱۹۴) "جو اپڈر سے غنیم کو لکھے تھے" (مخطوطہ) - صحیح لفظ اپڈر ہے بہ معنی خوف ، اس کی یہ صورت مسخ ہوئی ہے - (۲) "سورما چنا بھاڑ نہیں پھوڑتا، (نسخہ مطبوعہ ص ۱۴۲) "اکیلا چنا بھاڑ نہیں پھوڑتا" (مخطوطہ) - (۳) "دروغ گوئی کی بدبو سے مغز ان کا پراگندہ کرے" (نسخہ مطبوعہ ص ۱۷۵) "دروغ کی بدبوئی سے مغز ان کا پراگندہ نہ کرے" (مخطوطہ) بدبوئی بجائے بدبو ، اور خوشبوئی بجائے خوش بو کو میر امن نے کئی جگہ استعمال کیا ہے - غالباً مصحح نے اسے مصنف کی غلطی سمجھ کر بہ زعم خویش تصحیح فرمائی ہے - (۴) "بندی خانے میں قید رہا" (نسخہ مطبوعہ ص ۵۵۴) "پنڈت خانے میں قید رہا" (مخطوطہ) لفظ پنڈت خانہ ، بمعنی بندی خانہ ، میر امن نے اس کتاب میں بھی اور باغ و بہار میں بھی کئی جگہ استعمال کیا ہے ، یہاں بھی غالباً فاضل مصحح نے بہ خیال خویش ایک غلطی کی تصحیح فرمائی ہے - (۵) "نو قشاق اور چور کے کاٹ ہاتھ" (نسخہ مطبوعہ ۳۳۴) - اگر صرف مطبوعہ نسخے پر اعتماد کیا جائے تو ایک نئے لفظ "قشاق" سے سابقہ پڑے گا ، جس میں بہ ظاہر اختلاف املا معلوم ہوتا ہے لیکن یہ ہے سرے سے مسخ شدہ صورت اور ظاہر ہے کہ اس کی ذمے داری پریس پر ہے نہ کہ مصنف پر - دل چسپ بات یہ ہے کہ مخطوطے میں یہاں "قزاک" ہے اور بہ لحاظ املا یہ واقعی ایک مختلف صورت ہے اور اس کو اختلاف املا کے ذیل میں آنا چاہیے -

ایسے لفظ بھی ہیں جن کے املا میں آج کوئی اختلاف نہیں ، لیکن ایک زمانے میں ان کی ایک اور صورت بھی مستعمل تھی ، مثلاً "ماں" اور "دونوں" کہ یہ دونوں لفظ میر امن کے زمانے تک بغیر نون آخر یعنی "ما" اور "دونو" بھی ملتے ہیں - گنج خوبی کے اس مخطوطے میں بھی ان لفظوں کا یہی املا ہے - باغ و بہار کا جو اڈیشن فورٹ ولیم کالج نے کلکتے سے شائع کیا تھا ، اس میں بھی ان لفظوں کا یہی املا محفوظ رکھا گیا ہے - اس سے پہلے کے بھی مخطوطوں میں یہ صورت مل جاتی ہے - مثلاً کربل کتھا کے مخطوطے میں بھی یہ لفظ اسی طرح لکھے ہوئے ہیں[1] - یہ اختلاف قابل ذکر ہے -

یہ بات ملحوظ رہنا چاہیے کہ زبان کے ارتقا کی کچھ کہانیاں لفظوں کے املا میں بھی چھپی ہوئی ہیں اور مختلف زمانوں کے تغیرات کی زبان حال سے ترجمان ہیں ، اور اس ترجمانی میں بعض علاقائی امتیازات بھی پنہاں ہیں - مثلاً قصۂ مہر افروز و دلبر[2] کے مخطوطے میں ڑ کی جگہ ڈ لکھا ہوا ہے مثلاً بڈا ، چھوٹے بڈے ، وغیرہ - یا وہ محض قدامت زبان کی علامت ہیں - مثلاً کربل کتھا کے مخطوطے میں گیارہ ، بارہ وغیرہ اعداد نون غنہ کے اضافے کے ساتھ لکھے ہوئے ملتے ہیں ، یعنی : گیارہنہ ، بارہنہ، تیرہنہ وغیرہ - یا جیتا (جتنا) کیتا (کیتنا) ایتا (اتنا) اتا (اتنا) جتا (جتنا) جیسے لفظ کہ یہ سب علم زبان کے نقطۂ نظر سے تغیرات زبان کی علامتیں ہیں - ان الفاظ میں بالیقین اختلاف املا ہے - لغت میں اس کو درج کیا جائے گا ، لیکن متروک کی حیثیت سے اور متن میں رکھا جائے اسی قدیم املا کو اصل کی حیثیت سے - اس میں کوئی مرتب متن تبدیل کرنے کا مجاز نہیں - کربل کتھا کے اس واحد مخطوطے پر سال کتابت درج نہیں اور ایسی بھی کوئی صراحت نہیں جس سے یہ معلوم ہو کہ یہ مصنف کے ہاتھ

---

۱ - کربل کتھا میں "تینوں" بھی بغیر نون آخر یعنی "تینو" لکھا ہوا ہے-

۲ - ڈاکٹر مسعود حسین خاں صاحب نے اسے حال ہی میں حیدرآباد دکن سے شائع کیا ہے - اس میں اس کا جو عکس شامل ہے ، یہ قول انھیں صفحات پر مبنی ہے - مطبوعہ نسخے میں یہ لفظ رائے ہندی (ڑ) سے لکھے ہوئے ملتے ہیں -

کا لکھا ہوا ہے لیکن اس کا املا اور طرز کتابت اس کے قدیم ہونے پر دلالت ضرور کرتے ہیں ، اس لیے اگر لغت میں کربل کتھا کے ان املائی اختلافات کو بہ طور سند پیش کیا جائے گا تو ان کا انتساب مصنف سے نہیں کیا جائے گا بلکہ قیاساً اس کی کتابت کا جو زمانہ متعین کیا جا سکتا ہو ، اس زمانے سے منسوب کیا جائے گا ۔

کچھ لفظوں کے املا میں دہلی و لکھنؤ کا اختلاف ہے ۔ مثال کے طور پر لفظ "مسالا" کو لیجیے ۔ دہلی والے اسے "مصالح" لکھتے آئے ہیں ۔ فرہنگ آصفیہ میں بھی اسی طرح ہے ، لیکن اہل لکھنؤ نے اسے مسالا قرار دیا ہے ۔ یہ املا کا اہم اختلاف ہے ، ایسے اختلافات کو خاص طور سے درج ہونا چاہیے ۔ مؤلف نوراللغات نے امیر مینائی سے اس لفظ کے باب میں استفسار کیا تھا ۔ امیر نے مفصل جواب دیا تھا ، ان کا یہ خط مکاتیب امیر مینائی مرتبہ ثاقب میں موجود ہے ۔ مؤلف نوراللغات نے امیر کا یہ خط اپنے لغت میں اس لفظ کے ذیل میں درج کر دیا ہے لیکن حوالے کے بغیر ۔ امیر کے شاگرد ریاض خیر آبادی نے ایک استفسار کے جواب میں اسی کو "مسالہ"[1] بتایا ہے ، یہ درست نہیں ، صحیح الف سے ہے جیسا کہ رائج ہے اور مجیب کی اس غلطی کو اختلاف املا کے ذیل میں درج نہیں کیا جا سکتا ۔ اس لفظ کی صرف دو صورتیں مانی جائیں گی ۔ مصالح اور مسالا ۔

کچھ ایسے لفظ ہیں جن کا املا ابھی تک قطعی طور سے طے نہیں کیا گیا ہے ۔ جو جس طرح چاہتا ہے ، لکھتا ہے ۔ مثلاً : ایڈیشن ، اڈیشن ۔ ایڈیٹر ، اڈیٹر ، تغیر ، تغئیر ، منہدی ، مہندی ، جرأت[2] ، جرات ۔ یہ بہت ضروری ہے کہ ایک بار ایسے تمام الفاظ کے متعلق قطعی فیصلہ کر دیا جائے اور اسی فیصلے کے مطابق ان کو درج لغت کیا جائے تا کہ یہ ذریعۂ استناد ، انتشار سے محفوظ رہے ۔

---

۱ ۔ "مسالہ ۔ س ، ہ سے صحیح ہے" مکتوب ریاض بنام صفدر مرزا پوری (مرقع ادب جلد دوم ص ۱۶۲) ۔

۲ ۔ ایران کی چھپی ہوئی بعض کتابوں میں اس کا یہ املا بھی ملتا ہے : جرئت ۔ میری رائے میں یہ املا زیادہ مناسب ہے اور اگر اس کو بالاتفاق قبول کر لیا جائے تو بہتر ہے ۔

غرض یہ کہ لغت میں اختلاف املا کا اندراج بہت توجہ کا طلب گار ہے ۔ قدیم متنوں کی ترتیب میں جو طریقہ کبھی کبھی اختیار کیا جاتا ہے کہ ہر طرح کے اختلاف املا کو حاشیے میں ظاہر کر دیتے ہیں ، اس طرز عمل کو لغت میں نہیں برتا جا سکتا ۔ لغت میں صرف ان اختلافات املا کو جگہ ملنا چاہیے جو ہر حیثیت سے مستند ہوں اور یہ کہ جس مصنف کی تحریر سے اس اختلاف کی سند پیش کی جائے صرف اسی تحریر سے انتساب کی صحت کافی نہیں ، اس مصنف سے اس خاص املا کے انتساب کی صحت بھی ضروری ہے ۔ کاتبوں اور ناقلوں نے الفاظ کے جو جو املا لکھے ہیں اگر ان سب کو مان لیا جائے یا قابل اظہار ، تو اچھا خاصا دفتر تیار ہو جائے گا اور جس کا بیشتر حصہ بے معنی ہوگا ۔ جس طرح کسی مخطوطے کے املا سے ، دوسرے شواہد کے بغیر اس کے مصنف کی زبان پر گفتگو کرنا درست نہیں ، اسی طرح اس مصنف سے ان کا املا منسوب کر دینا بھی صحیح نہیں ۔

گنج خوبی کا ذکر اوپر آچکا ہے ۔ اردو نامے کے اسی حصۂ لغت میں لفظ اچھمبا کے ذیل میں اس کا سال تصنیف ۱۸۰۲ء لکھا ہوا ہے ۔ میر امن نے گنج خوبی کے دیباچے میں یہ صراحت کر دی ہے کہ "اس کثیر العیال نے سنہ ایک ہزار دو سو سترہ ہجری میں مطابق اٹھارہ سے دو عیسوی کے ، باغ و بہار کو تمام کر کے اس کو لکھنا شروع کیا ۔" (دیباچہ گنج خوبی) ۔ گویا ۱۸۰۲ء سال آغاز ہے ۔ مطبوعہ نسخے میں ایسی کوئی صراحت نہیں ملتی کہ اس کی تکمیل کب ہوئی ۔ البتہ گنج خوبی کے اس مخطوطے میں جو امیر امن کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے اور جس کا اوپر ذکر آچکا ہے آخر کتاب میں یہ قطعۂ تاریخ تکمیل بھی موجود ہے جو میر امن کا کہا ہوا ہے :

گنج خوبی جب کیا میں نے تمام	کہنی اک تاریخ ہوئی مجھکو ضرور
تب کہا دل سے کہ کر میری مدد	وہ لگا کہنے بہ شادی و سرور
"گنج خوبی لطف سے معمور ہے"	لیک کر "بدگو" کو اس مصرع سے دور

اس سے سال تکمیل ۱۲۱۹ھ نکلتا ہے ، لیکن اس سلسلے میں ایک اور روایت بھی قابل توجہ ہے ۔ عتیق صدیقی صاحب نے اپنی کتاب "گل کرسٹ اور اس کا عہد" میں لکھا ہے کہ "۹ اگست ۱۸۰۳ء کو گل کرسٹ

نے ان ہندوستانی مصنفین اور ان کی تصنیفات کی فہرست کالج کونسل کے سامنے پیش کی جو اس کے نزدیک انعام کی مستحق تھیں" ص ۱۹۳

اس فہرست میں گنج خوبی کا نام موجود ہے ۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ ترجمہ اگست ۱۸۰۳ء تک مکمل ہو چکا تھا ۔ ایسا ہی ایک غلط مبحث باغ و بہار کے سال تکمیل کے سلسلے میں بھی ہوا ہے ۔ میرا خیال ہے کہ یہ ترجمہ واقعتاً اگست ۱۸۰۳ء تک مکمل ہو چکا تھا ۔ ۱۸۰۴ء میں جب میر امن نے اپنے شاگرد جان رومر کے لیے اس کا ایک خطی نسخہ اہتمام کے ساتھ تیار کیا ، اس وقت یہ قطعۂ تاریخ کہہ کر اس نسخے میں شامل کر دیا ۔ یہی وجہ ہے کہ مطبوعہ نسخہ اس سے خالی ہے کیونکہ اس پہلے نسخے میں یہ شامل نہیں ہو سکتا تھا ، اور مطبوعہ نسخہ اسی پہلے نسخے پر مبنی ہوگا جو کالج کونسل کے سامنے ۱۸۰۳ء میں پیش کیا گیا ہوگا ۔ جان رومر نے اس خطی نسخے کے شروع میں تیسرے ورق کے پہلے صفحے پر میر امن کے متعلق لکھا ہے :

"Hindoostanee Moonshee in the college of the Fort William attached to me in 1802-3-4."

۱۸۰۲ء میں میر امن نے اس کے ترجمے کا کام شروع کیا ۔ ۱۸۰۳ء میں یہ مکمل ہو گیا ۔ جان رومر سے میر امن کا تعلق ۱۸۰۴ء تک رہا ہے ۔ اس لیے میرا خیال ہے کہ یہ مخطوطہ ۱۸۰۴ء میں میر امن نے جان رومر کے لیے لکھا اور اسی وقت اس قطعۂ تاریخ کا اضافہ کر دیا ۔ ان امور کے پیش نظر جب تک اس سلسلے میں کوئی اور نئی بات معلوم نہ ہو گنج خوبی کا سال تالیف ۱۸۰۳ء ماننا چاہیے ۔

فاضل مضمون نگار نے املا کے جن مسائل کی طرف توجہ دلائی ہے بلاشبہ اہم ہیں اور ہم ان کے شکر گزار ہیں کہ انھوں نے اس موضوع پر بطورِ خاص ہم سے تخاطب فرمایا ۔ ہمیں اپنے کام کے آغاز ہی میں املا کے مسئلے سے سابقہ پڑا تھا اور ہم نے یہ مجمل اصول اختیار کر لیا تھا کہ

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

صفحہ ۱۸۷ کا حاشیہ

املا کو مصنف سے منسوب نہیں کیا جائے گا - لیکن ظاہر ہے کہ مسئلہ اس سے زیادہ پیچیدہ ہے - احتیاط سے تیار کیے ہوئے ایڈیشنوں کی عدم موجودگی اور مخطوطات تک رسائی نہ ہونے کے سبب ہمارے لیے اس کا سرانجام اور بھی دشوار ہو گیا ہے - بہر حال ہم اس اختلاف املا کو ضرور ملحوظ رکھتے ہیں جس سے تلفظ کا اختلاف ظاہر ہوتا ہو ، نیز وہ املا جو مصدقہ طور پر مصنف سے منسوب کیا جا سکے - باقی بہت سے اختلاف نظر انداز کر دیئے گئے ہیں - ش - ح - ح

(اردو نامہ کراچی شمارہ ۲۹)

شبیر علی کاظمی

عوامی روزمرہ و محاورے

دلی کی زبان میں ہندوستانیت ہمیشہ غالب رہی - گو فارسی عربی الفاظ بھی اپنی مخصوص تراکیب کے ساتھ مستعمل ہوتے رہے - دلی والوں نے اردو زبان کے مزاج کو اپنی اصلی حالت پر قائم رکھا - یہاں کے گرد و نواح کی مقامی بولیاں مثلاً کھڑی بولی برج ، بھاشا اور ہریانی وغیرہ زبان اردو کی آبیاری میں ہمیشہ پیش پیش رہی ہیں - زنان دلی نے اس کو مقامی رنگ میں رنگ دیا - ان کے ذریعے ہندوستانی عقائد اور صنمیات کے گوناگوں تصورات زبان میں داخل ہوئے - کھڑی بولی کو مسلمانوں نے اپنے مقاصد کے لیے اپنایا تھا اور یہی بالآخر اردو کی اساس ٹھہری - جب تک آگرہ حکومت کا مرکز تھا ، برج بھاشا کا بول بالا تھا - چنانچہ نظیر اکبر آبادی کے یہاں برج کو اردو بنانے کی ایک کامیاب کوشش نظر آتی ہے جو عدم تسلسل کی وجہ سے اپنی موت آپ مر گئی - دلی نے اپنے آس پاس کی بولیوں کو اردو میں سمونے کی کوشش کی - پورے معاشرے نے زبان کی تربیت اور تربیت میں اپنی صلاحیت کو استعمال کیا - زندگی کے ہر شعبہ سے الفاظ لیے اور روزمرہ مرتب کیا - قوت مشاہدہ اس قدر ہمہ گیر تھی کہ تشبیہات اور استعارات میں باریک سے باریک باتوں کو اپنایا گیا اور اس کوشش میں ہمیشہ مقامی رنگ کی اولیت کو پیش نظر رکھا گیا - اس دعوے کے ثبوت میں چند روزمرہ اور محاورات یہاں لکھے جاتے ہیں جو بالکل عوامی ہیں ، مگر اب ادبی زبان میں مستعمل ہیں مثلاً :

> چیری ہونا ، چھاتی پر مونگ دلنا - دو دانوں کو محتاج ہونا ، سوکھے دھانوں پانی پڑنا - سینگ کٹا کر بچھڑوں میں ملنا ، کچا ساتھ ہونا ، کچے گھڑے کی چڑھنا ، کوار کوٹ

ہونا ، کھڑی سواری جانا ، گڑیا کا کھیل ہونا ، گودی بھرنا ،
گھٹی میں ہونا وغیرہ ۔

مندرجہ بالا محاورات و روزمرہ زبان دلی کی دین ہیں ۔ ان کی محدود دنیا میں مشاہدے کے شاہکار ہیں اور اس طرح زبان کے تانے بانے میں معاشرے کے ہر طبقے سے خیالات کے اظہار کے لیے الفاظ کا موزوں انتخاب کیا گیا ۔ لہذا یہ کہنا کہ اردو محض شہر کی اور مسلمان رؤساء کی زبان تھی ، حقیقت کو جھٹلانا ہے ۔ برج بھاشا کے اثر سے جو محاورات تارید ہوئے ان کی ایک جھلک دیکھیے مثلاً :

آر جار ہونا ، بھچی میں آنا ، پھر مارنا ، تنت پر آنا ، تھاڑے
ہونا ، جھڑوس ہونا ، آڑ لگنا ، آدھن ہونا وغیرہ ۔

اسی طرح دوسرے عوامی محاورے جزو زبان ہوئے ۔ مثلاً :

آگے ناتھ نہ پیچھے پگا ہونا ۔ بن نتھا بیل ہونا ۔ بیر بھٹی ہونا ۔ چولائی کی طرح پھیلنا ۔ ترئی کے پھول سے گنوانا ۔ تھیا لے کر بیٹھنا ۔ جل ٹھنڈے ہونا ۔ سودے اڑانا ۔ سودا چوکھا ہونا ۔ شروا چٹ ہونا ۔ ٹیڑھی کھیر ہونا ۔ ٹکے گز کی چال ہونا ۔ بساندی بوٹی کا گندہ شوربا ہونا ۔ بورسی بٹنا ، بیل منڈھے چڑھنا ۔ پالکی آنا کھٹولی جانا ۔ پنڈا پھیکا ہونا ۔ گھر گھر چولھے مٹیالے ہونا ۔ مٹی کا تھوا ہونا وغیرہ ۔

یہ اس بات کا بین ثبوت ہے کہ زبان اردو پورے معاشرے کی ترجمانی کرتی ہے ۔ اس میں شہروں ، قصبات اور دیہات کے رہنے والوں کے اظہار خیال کی گنجائش ہے ۔ اس کی جڑیں مقامی زبان میں گڑی ہیں ۔ اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ فارسی الفاظ اور محاورے بھی جزو زبان ہیں ۔ فارسی شاعری کی تقلید میں گل و بلبل بھی نظر آتے ہیں مگر اس کی وجہ فارسی کی اندھی تقلید نہیں ہے ، بلکہ اس میں اسلامی تہذیب کی کارفرمائی نظر آتی ہے ۔ گل و بلبل ، سرو و صنوبر ریحان اور سبزۂ بیگانہ کا تعلق براہ راست باغات سے ہے ۔ ایرانیوں نے اسلام قبول کرنے کے بعد جنت کے تصور سے اپنے باغوں کو آراستہ کیا اور حسن و عشق کی داستانوں کو اس

زبان میں بیان کیا جس میں ان کی طرف اشارے ملتے ہیں ۔ لہذا گل و بلبل محض پھول اور پرندہ ہی نہیں بلکہ زبان عشق کی وہ علامات ہیں جن کو صاحب دل سمجھتے ہیں ۔ ابتدا اس طرح ہوئی مگر تقلید میں ان کا پس منظر فراموش کر دیا گیا اور الفاظ استعارہ کے معنی کھو بیٹھے ۔ اس لیے اردو کو آج بھی اس اندھی تقلید کے لیے مطعون کیا جاتا ہے ۔ برخلاف اس کے مقامی جانور اور پھول اپنی قدامت کی وجہ سے ہندوستانی دیو مالا سے وابستہ تھے ۔ ان کو اختیار کرنا غیر اسلامی کلچر کو اختیار کرنا تھا ۔ جس کے لیے صاحب اقتدار مسلمان تیار نہ تھے ۔ مگر پھر بھی اظہار عشق کے لیے پپیہا کی پی کہاں اور کوئل کی کوک وغیرہ اردو میں ہمیشہ سے سنی جاتی رہی ہے ۔ فارسی محاوروں کا اردو میں ترجمہ ہوا ۔ فارسی الفاظ کی مدد سے نئے محاورے تیار کیے گئے ، جو اپنی سرشت میں ہندوستانی تھے ۔ مثلاً آتش خوردن کا زور ہونا ، آمد سخن بات کرنا ، انسب معلوم ہونا ، دیدار بازی کرنا وغیرہ ۔ اسی طرح لکھنؤ کی زبان اردو کا اگر تجزیہ کیا جائے تو ہم کو اس میں تین سوتے الگ الگ بہتے نظر آئیں گے ۔

اول فارسی کا اثر = زبان لکھنؤ میں دلی پن دب گیا ۔ حکومت کے اراکین کی فارسی نژاد نہ تھی البتہ فارسی نژاد حضرات کی اولاد اور عقاید کے لحاظ سے دلی والوں کے مقابلے میں ایران سے زیادہ قریب تھی ۔ اس لیے فارسی کا دخل زیادہ ہوا ۔ دلی کے مقابلے میں فارسی کا استعمال بڑھ گیا اور ادائے مطلب میں ان الفاظ کے طفیل رنگینئی بیان میں اضافہ ہو گیا ۔ چنانچہ ذیل کی مثالیں اس کا بین ثبوت ہیں ۔ مثلاً :

> آتش گل سے جان بلبل میں آگ لگنا ۔ استخوان سامع کو نے بن کر جلانا ۔ آئینۂ رخسار مکدر ہونا ۔ چراغ ہستی کو افسردہ پانا ۔ خنجر روز کند ہونا ۔ ردائے شاہد دہر میلی ہونا ۔ گوش فلک کر ہونا ۔ زہر عشق کا دور آنا ۔ قفل دہن زبان سے وا کرنا ۔ لطف و مدار کرنا وغیرہ ۔

یہ تو پیرایۂ بیان کی رنگینی اور چاشنی کی مثالیں ہیں ، علاوہ اس کے لکھنؤ کی اردو میں فارسی الفاظ دلی کی اردو کے مقابلے میں زیادہ ملیں گے ۔ اگر لکھنوی نثر اردو سے ان الفاظ کا انتخاب کیا جائے اور ان کو

سکہ رائج الوقت بنا لیا جائے، تو دور حاضر میں اردو کی تہی دامانی کی یک گونہ شکایت کم ہو جائے گی۔ طلسم ہوشربا میں سینکڑوں الفاظ ایسے دفن ہیں کہ جن کا بجا استعمال اردو کی کم مائیگی کے شاکیوں کو محیرالعقل کرنے کے لیے شیشۂ بے ہوشی کا کام دے سکتا ہے۔

لکھنؤ کے مضافات نے یہاں کی زبان کو ضرور متاثر کیا اور پوربی بولی کا اثر پڑا۔ دلی سے آتے ہوئے شعرا نے اپنی زبان کو برقرار رکھا اور ان کی اولاد نے اس پر فخر کیا۔ لیکن لکھنوی ادیبوں نے اپنی مادری زبان کے سوت کو دلی کی اردو میں ملا دیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے ایسے محاورات اور روزمرہ وجود میں آئے جو لکھنوی زبان کے لیے مختص تھے۔ گو وہ بعد کو بریلی، رامپور، مراد آباد ہوتے ہوئے دلی تک پہنچے۔ لیکن دلی کی فضا ان کو راس نہ آئی اور رامپور، مراد آباد میں یہ محاورات لشتم پشتم جیتے رہے اور اب قیام پاکستان کے بعد کھڑی بولی کے علاقوں میں ان پر کیا گذری ان کا تذکرہ ایک علیحدہ موضوع ہے۔ لکھنوی مضافات کی بولی کی آمیزش سے جو محاورات اور روزمرہ وجود میں آئے اور جن کو ادبی مقام حاصل ہوا ان میں چند حسب ذیل ہیں، مثلاً:

توم کے دھرنا۔ جان بھارو ہونا۔ ساکھے کی لڑائی ہونا۔ سرہنگی کی کہنا۔ سون کھیچنا۔ غپا دینا۔ کھاٹ کٹنا۔ مہنا متھ ہونا۔ تب جانا۔ بھر بھنڈ کرنا۔ بھور ہو جانا وغیرہ۔

اس زمرے میں لکھنوی ماحول سے پیدا شدہ چند مخصوص محاورے بھی غور کے قابل ہیں۔ مثلاً:

ٹھنڈی گرمیاں دکھانا۔ کمروں کو تاکنا۔ الٹی سیفی پڑھنا۔ انتا غفیل ہونا وغیرہ۔

اس کے علاوہ نچلے طبقے کے لوگوں کو ہم مذاق ہونے کی وجہ سے جب بڑے اور اونچے طبقے میں باریابی ہوئی تو ان کی زبان بھی بارسوخ ہو گئی اور اس کے روزمرہ اور محاورات بھی داخل ہو گئے۔ چنانچہ:

تنبا کوکا پنڈا ہونا۔ چھیچھڑے پر چھری چلنا۔ چھپر پر رکھنا۔ دھان بائیس پسیری ہونا۔ دھرے آڑانا۔ کتوں سے

آنا سنوانا - کچا کھا جانا - کس کھیت کی مولی ہونا - لٹو ہو جانا - مینڈک کی کھوپڑی پر نمک چھڑکنا وغیرہ جزو زبان ہو گئے -

غرض کہ اردو زبان کی وسعت اور پھیلاؤ میں عوامی بولیوں کا خاصا حصہ ہے - اس امر کی مزید وضاحت کے لیے محاورات کی ایک فہرست شامل کی جاتی ہے تا کہ قارئین ہمارے دعوے کے دلائل خود ہی فراہم کر سکیں -

الف

آتش خوردن کا زور ہونا = چرس کا نشہ کرنے والوں کا زور ہونا -

آج کل سبزہ گھوڑے کے شوقین سردیوں کی وجہ سے ذرا کم آ رہے تھے ، آتش خوردن کا بیشک زور تھا -

آر جار ہونا = آنا جانا ہونا -

چند روز میں طبیعت بھر گئی لیکن حکیم کی آٹھویں دسویں رات برات کو آر جار جاری ہے -

آگ کو آگ سے مارنا = عشق کی آگ کو نشے سے بجھانا -

جب میری لگائی ہوئی آگ کسی طرح نہ بجھی تو سوختہ سامان قمر نے آگ کو آگ سے مارا -

آگے ناتھ نہ پیچھے پگا = لاوارث ہونا - آگے پیچھے کوئی نہ ہونا -

میرا کیا ہے آگے ناتھ نہ پیچھے پگا ، تمھارے بال بچے ہیں ان کا خیال کرو -

(یہ محاورہ بیل سے متعلق ہے - بیل کو قابو میں رکھنے کے لیے اس کی ناک میں رسی ڈالتے ہیں وہ رسی ناتھ کہلاتی ہے اور پیچھے والی رسی جس سے بیل پر قابو پاتے ہیں اس کو پگا کہتے ہیں -)

آمد سخن بات کرنا = معمولی بات کرنا -

راستہ میں کموں کی کوٹھری کے پاس ٹھٹکیں اور اس سے یوں ہی کچھ آمد سخن بات کی -

اڑنا غفیل ہونا = بے خبر ہونا ۔

اب چونی والوں نے چیخنا شروع کیا چالو کر بے ، دیا سو گیا ۔
اڑنا غفیل ہو گیا ۔ یہ باتیں سن کر سیتا کے بھی حلق میں کھجلی ہوئی ۔

آنکھوں میں رکھنا = دیکھ بھال کرنا ۔

اماں نے کچھ دن آنکھوں میں رکھا ، باہر نہ جانے دیا ۔

آنکھوں پر بٹھانا = عزت و محبت سے پیش آنا ۔

جہاں جاتی آنکھوں پر بٹھائی جاتی ۔

آنکھ میں موہنی ہونا = آنکھ میں کشش ہونا ۔

ظالم کی آنکھ میں موہنی تھی ۔

آنکھیں ڈگ ڈگ کرنا = کمزور ہو جانا ۔

اس کی آنکھیں ڈگ ڈگ کر رہی تھیں جیسے صبح کے وقت تالاب میں کنول جھکولے کھائے ۔

اپنے ہوتے لاکھ سجھانا = ذاتی طور پر ہر طرح سمجھانا ۔

مجھے کوئی واسطہ نہیں وہ جانے اور اس کا کام ، اپنے ہوتے لاکھ سمجھایا ۔

ارنا بھینسا ہونا = زیادہ موٹا ہونا ۔

موا گینڈے کا گینڈا ارنا بھینسا بنا ہوا ہے ۔

اڑا کھڑا رہنا = جگہ سے نہ ہٹنا ۔

لاکھ سمجھایا مگر وہ اڑی کھڑی رہی ۔

اُڑتی چڑیا کے پر گننا = بہت ہوشیار ہونا ۔

اڑ لگنی ہونا = اثر میں کر لینا ، لگ جانا ۔

شمو نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا ، اس سے بچے رہنا یہ آڑ لگنی ہے ۔

اسپغول کی پوٹلی در آب ہونا = پگھل جانا ۔ ملائم ہو جانا ۔

حکیم صاحب کا حال نہ پوچھیے ، اسپغول کی پوٹلی ہے در آب ہیں ۔

اعراب میں آنا = پناہ میں آنا ۔

جب یہ مہرہ جس کا اس نے قصد کر رکھا تھا اکبر کے اعراب میں آ گیا تو اس نے زچ ہو کر دانت پیسے -

الف کے نام بھالا ہونا = جاہل ان پڑھ ہونا -

پندرہ برس کی عمر ہونے کو آئی الف کے نام بھالا بھی نہیں جانتے تھے -

الٹی گنگا بہنا = (اصول کے خلاف) خلاف دستور ہونا -

خدا کی شان چوزہ ، مرغا بھرا رہا ہے - اسے الٹی گنگا بہنا کہتے ہیں -

آمڈے رہنا = ہر وقت موجود رہنا -

ہمارے توڑ پر وہ بودم ہے ڈال سدا منڈتا رہا -

امیدوار ہونا = حاملہ ہونا - (امید سے ہونا)

اللہ نے میرا پیر بھاری کیا - میں امیدوار ہو گئی -

اندھا ساتھ دینا = بغیر حجت کے پیروی کرنا -

ٹیپ کا بند یہ تھا کہ میرا اندھا ساتھ دینا ہوگا -

انسب معلوم ہونا = زیادہ مناسب معلوم ہونا -

آپ کے واسطے انسب یہی معلوم ہوتا ہے کہ ماحول میں تبدیلی کر دی جائے -

ان ہونی کر دکھانا = خلاف توقع کام کرنا -

میرا چھیلا ان ہونی کر دکھائے گا -

اوقات پر آنا = اصلیت ظاہر کرنا -

اب مسیتا بپھر گیا - بولا ، آ گئی نہ اپنی اوقات پر -

اوچھا ہاتھ مارنا = ادھورا کام کرنا -

تاہم اس کا کام اوچھا ہاتھ مارنا نہ تھا - یہ پٹھان بھائی ایک ہاتھ میں دو نیم کے عادی تھے -

ایڑی سے لگنا تو چوٹی سے نکلنا = بہت زیادہ اثر لینا ، بہت ناگوار ہونا -

اس شاطر نے پہلے ہی ایسا نام لیا کہ حکیم صاحب کی ایڑی لگی تو چوٹی سے نکل گئی -

ایک در پکڑنا = کسی کا ہو رہنا -

میں بھی سوچتی ہوں کہ ایک در پکڑ لینے سے کام نہیں چلے گا -

ب

بائیں طرف آنا = بیوی ہو جانا ۔

میں سات باتیں چاہتی ہوں ۔ اگر تو ان پر راضی ہو تو میں بائیں طرف آ جاؤں ۔

باؤلی میں پتھر ڈالنا = کسی بات کا پتہ نہ دینا ۔

بات جان کے ساتھ جائے گی ، تم باؤلی میں پتھر ڈال رہے ہو ۔

بات ٹھہرنا = نسبت طے ہونا ۔

بات کا ٹھہرنا تھا کہ جہیز کی تیاریاں شروع ہو گئیں ۔

بد رنگ بنا رہنا = سب سے الگ اپنی وضع قائم رکھنا ۔

سب بنے ہوئے سب رنے ہوئے ۔ ہوش میں تھی تو یہ نو وارد ، بد رنگ پتارہ نہیں سکتا ۔ ساری سہیلیاں اس کو لپٹ گئیں ۔

بس پھیلانا = فساد پھیلانا ۔

اس نے ایسا بس پھیلایا کہ مٹایا نہ جا سکا ۔

بکری کی مینگنیوں سے پیٹ بھرنا = معمولی چیز پر قناعت کرنا ۔

باؤلی ہوئی ہے ۔ بکریوں کی مینگنیوں سے کیا پیٹ بھرے گا ۔ جو لید ہی کھانی ہے تو ہاتھی کی کیوں نہ کھا ۔

بھچی میں آنا = دھوکا کھانا (معقول ہو جانا)

اب کمو بھچی میں آ گیا اور اقرار کر بیٹھا ۔

بھٹیارے کا چولہا ہونا = ہمہ وقت جلتے رہنا ۔

تمھارے عشق میں بس یوں سمجھو بھٹیارے کا چولہا بنا ہر وقت سلگتا رہتا ہوں ۔

بھرے پر چڑھانا = اپنے راستے پر لے آنا ۔

ادھر اقبال تیلی نے بھی آنھیں بھرے پر چڑھا لیا ۔

بھونرے کی طرح گرنا = بے پناہ عاشق ہونا ۔

یہ نو بہار حسن بسنتی جوڑا پہن کر بیٹھی اور قلی تفنگی بھونرے کی طرح گرا ۔

بن نتھا بیل چھوڑنا = آزاد چھوڑنا ۔

ابا نے کہہ دیا کہ مجھے جیتی زندگی لڑکے کو اس طرح بن نتھا بیل بنا کر چھوڑنا کسی عنوان منظور نہیں ۔

بھانپو ہونا = بہت زیادہ تجربہ کار ہونا ۔

وہ ایک بھانپو تھا ۔ تاڑ گیا ۔ گھنی سادہ تصویر بن بیٹھا ۔

بھڑک جانا = بے وقت جوش میں آنا ۔

باپ اس ثمر خام کو پختہ کرنا چاہتا تھا لیکن یہ جوان خون بھڑک گیا ۔

بھد اڑانا = توہین کرنا ۔

سنا ہے بڑے بڑے شریفوں کی بھد اڑائی جاتی ہے ۔

بلوا بننا = ٹھاٹھ سے ہونا ۔

سب چشم براہ تھے کہ یہ حضرت بلوا بنے آن وارد ہوئے ۔

بیر بہٹی ہونا = بہت سرخ ہونا ۔

آنکھیں روتے روتے بیر بہٹی بنی ہوتی تھیں ۔

بیر بہٹی ایک قسم کا لال کیڑا مکڑی کی طرح ہوتا ہے ، اس کا جسم مخملی ہوتا ہے ۔ موسم برسات کی پہلی بارش پر ریتلے علاقوں میں نمودار ہوتا ہے (لال رنگ ۔ مخملی جسم ۔ خوش خرام بے ضرر) ۔

پ

پاپوش کاری کرنا = جوتیاں مارنا ۔

بچہ دعا دو ، بچا لیا ورنہ پاپوش کاری ہوتی ۔

پچر مارنا = معاملہ بگاڑ دینا ۔

والد محترم تو رضامند تھے آپ جانتے ہیں ابوالفضل ملحد ہے ۔ اس نے پچر مار دی ۔

پار بس آنا = کچھ کر سکنا ۔

دشمنوں نے گھیر لیا ۔ ایک کی دوا دو ۔ یہ ایک وہ تیس ۔ بہت تلوار چلائی پر کچھ نہ پار بس آئی ۔

پٹی سے پٹی جوڑ کر سونا = نگہبانی کرنا ۔ قریب رہنا ۔

یہ ان کو معلوم تھا کہ بڑھیا پٹی سے پٹی جوڑ کر سوتی ہے۔

پرا کسی کرنا = دیکھ بھال کرنا ۔

میں کچھ فاصلے سے اس کی پرا کسی کروں گی ۔

پگڑی بدلنا = دوستی کرنا ۔

کوئی تو پگڑی بدلتا ہے اور سے لیکن
میاں نظیر ہم اب تم سے تن بدلتے ہیں

پشتینی پیر ہونا = طرفدار ہونا ۔

ایک جانب مان سنگھ کا بھانجا، تو دوسری طرف خان اعظم کا داماد، یہ دونوں اس کے پشتینی پیر تھے ۔

پالا پڑنا = معاملہ پڑنا ۔

ع ۔ ہم نے جب جانا کہ اس بیدرد سے پالا پڑا ۔

پالن ہار ہونا = مالک ہونا ، پروردگار ہونا ۔

روشن کا اللہ مالک ہے ۔ اصلی پالن ہار وہ ہے ۔

پلو سے پلو باندھنا = ہر وقت ساتھ رہنا ۔

بڑھیا بیٹی کے پلو سے پلو باندھے پھرتی ہے ۔

پانسہ در پڑنا = جیتنا ۔

گنڈے بدمعاش کا پانسہ در پڑ رہا ہے ۔

پانسہ پڑنا = کامیاب ہونا ، بات بننا ۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ کس کا پانسہ پڑتا ہے ۔

پھلی پھوڑنا = معمولی کام کرنا ۔

یہ وہ بیگم ہیں جنھوں نے ماں باپ کے گھر کبھی پھلی بھی نہیں پھوڑی تھی ۔

پھل پانا = نتیجہ حاصل ہونا ۔

ہم نے یہ کام کر کے کون سا پھل پایا ۔

پوجنا = خرچ کرنا ۔ چڑھانا ۔

جو آتا ہے کچھ نہ کچھ پوج کر جاتا ہے ۔

پلیچ پڑنا = پورا زور لگا دینا ۔

اب زخم خوردہ اسفندیار پلچ پڑا اور تابڑ توڑ اچھوتے ہاتھ مارے کہ مقابل تیورا گیا -

پیر شہید منانا = منت ماننا -

یہاں روزانہ روشن آرا بیوی کے پیر شہید منائے جاتے -

ت

تُرپ لگنا = کامیاب چال چلنا -

وہ چڑی تن کا غلطہا یہ ترپ لگا گیا تو بڑی کرکری ہوگی -

تنت تک نباہنا = آخر تک ساتھ دینا -

ان وفا شعاروں نے ساتھ نہ چھوڑا اور تنت تک نباہ دی -

تنگا ترشی ہونا = تکلیف سے بسر ہونا ، تنگدستی ہونا -

اپنا گزارہ بھی تنگا ترشی سے ہوتا ہے -

تھاڑے ہونا = تندرست ہونا -

دقت یہ ہے کہ اچھے خاصے تھاڑے ہاتھ پیروں سے مجل دو لٹھ بند نوکر ان کے ساتھ ہیں -

تہلکہ میں آ جانا = حیرت میں آ جانا -

غیر مرد کو دیکھ کر تہلکہ میں آ جائے گی -

تھل سے بیٹھنا = اطمینان سے بیٹھنا -

یہی وجہ کہ دیوانے کبھی تھل سے نہیں بیٹھتے -

تلا ملی پھیلنا = بے چینی پھیلنا ، بے چین ہونا -

ادھر اسفندیار گرفتار ہوا ادھر تمام دوستوں میں تلا ملی پھیل گئی -

ہوا کی داستان سننے کی تلا ملی لگی تھی -

تن تنا مارنا = ناراضگی کا اظہار کرنا -

میں نے کہا کہ آپ کا ڈیل موم کا ہے جو پگھل جائے گا - ہاں جی پگھل جائے گا - کہتی ہوئی تن تنا مار چلی گئی -

تیا پانچہ کرنا = ٹھکانے لگانا - ختم کر دینا -

میں تو کبھی کا تیا پانچہ کر ہی ڈالتا -

ٹ

ٹالے بالے دینا = ملتوی کرنا ، ٹالنا ۔

پھول وتی نے ایک بات بتا کر نہ دی ۔ ٹالے بالے دیتی رہی ۔

ٹوہ لینا = حال معلوم کرنا ۔

شام کو ٹوہ لینے کمو کے پاس گئے ۔

ٹہوکا دینا = ناگواری کا اظہار کرنا ۔

استاد نے صاحب کو کرنے سے ٹہوکا دیا ۔

ٹھنڈے پسینے آنا = بہت بے چین ہونا ۔

شمو کا رہی تھی ۔ مجھے ٹھنڈے پسینے آ رہے تھے ۔

ٹینٹ دے لینا = کانوں کو بند کر لینا ۔

ہم نے ایک آدھ آواز دی ۔ اللہ کی بندی نے کانوں میں ٹینٹ دے لیے تھے ۔

ج

جڑ دینا = کہہ دینا ۔

اس نے جا کر حکیم صاحب سے جڑ دی کہ لڑکی کا رخ آپ کی طرف ہے ۔

جل ٹھنڈے ہونا = شوق میں کمی آنا ۔

اس حادثے کے بعد کچھ دن تو حکیم صاحب کے جل ٹھنڈے ہوگئے ۔

جھائیں جھپے کرنا = فطرت کرنا چالاکی برتنا ۔

جھائیں جھپوں سے دنیا کو آلو بنا کر اپنا آلو سیدھا کر لیا ۔

جھڑوس ہونا = بد شکل ، ناگوار صورت ہونا ۔

مجھے تو جھڑوس کی صورت بری معلوم ہوتی ہے ۔

جھلو ملی ہونا = تیز مزاج ہونا ، غصہ ور ہونا ۔

بوا نے جب کہا کہ بیگم صاحب اور کیا لاؤں تو ہماری جھلو ملی کا پیمانۂ صبر لبریز ہو گیا ۔

جھنجنیاں پہنوانا = ہتکڑی ڈلوا دینا ۔

ڈپٹی صاحب کے اثر رسوخ وہیں جھنجنیاں پہنوا دیتے ۔

جیتے جی روگ لگنا = عمر بھر کے لیے پریشانیوں میں مبتلا ہونا ۔

گھر کے مزے گھر کے ساتھ ہیں اور یہ بہارے تمہارے لیے جیتے جی کا روگ ہے۔

چھمکڑا دکھانا :

بن ٹھن کے ذرا باہر آؤ تو قدرے چھمکڑا دکھاؤ تو

چ

چاندی ہونا = جلا کر خاک کر دینا۔

یہ دیکھ کر نمبر دار نے کہا کہ مہاراج کیا تمباکو کی چاندی کر دو گے۔

(جب دم لگانے سے چلم کا تمباکو جل کر راکھ ہو جاتا ہے، تو کہا کرتے ہیں کہ تمباکو چاندی ہو گیا)

چٹخانا = بھیج دینا، روانہ کر دینا۔

ماسٹر صاحب کو شراب کے بہانے چٹخایا۔

چٹّی گراں گزرنا = خرچہ بُرا معلوم ہونا۔

بیس پچیس کی چٹّی حکیم صاحب کو گراں گزرنے لگی۔

چدّر چھپول رہنا = معمولی قسم کا پردہ کرنا۔

اماں سے ذرا سی چدر چھپول رہ گئی۔

چل نکلنا = ہوشیار ہو جانا۔

وہ جگّو کی لونڈیا کافی چل نکلی ہے۔

چلتی رقم ہونا = چالاک ہونا۔

یہ حضرت بھی اپنی قماش کے ایک ہی تھے۔ ایسی چلتی رقم جو کبھی بندھی نہیں۔

چندرا کر پوچھنا = انجان بن کر دریافت کرنا۔ (چھندرا بھی مستعمل ہوتا ہے)

سامنے کار دیکھ کر میں نے چندرا کر پوچھا اس میں کون ہے۔

چنے کی دال پر نام لکھنا = بہت یاد کرنا۔

بیگم کو تمھارے نام کی تسبیح - چنے کی دال پر نام لکھا کر کھلایا جاتا ہے -

چونچ ہلانا = خوش ہونا -

اس گلزار عیش و نشاط کے غنچہ ناشگفتہ کو دیکھ ، لگے چونچ ہلانے -

چولائی کی طرح پھیلنا = چھا جانا -

رفتہ رفتہ وہ چولائی کی طرح پھیل گئی -

چھاج لگنا = پریشان ہونا - دل میں ہول آٹھنا -

آج چار دن سے وہ لا پتہ ہے سینے میں چھاج لگے ہیں -

چھائیں پھوئیں ہونا = نازک ہونا ، دبلا پتلا ہونا -

چھائیں پھوئیں لڑکی ہے - طبیعت ذرا بھی ادھر مائل ہو گئی تو ہم کدھر کے رہے -

ح = خ

حکم کا بندہ ہونا = تابعدار ہونا -

اپن تو حکم کے بندے ہیں -

خار ہونا = تکلیف دہ ہونا -

پر یہ خدائی خوار نانی کا خار لگا ہوا ہے

خدائی ملنا = مراد بر آنا -

بس اب کیا تھا انھیں تو خدائی مل گئی تھی -

د = ڈ

دبو کرنا ، چھپا دینا = دبا دینا -

گھر میں چرچا ہوا تو اماں نے دبو دبو کر دی -

درآنہ آنا = بے تکلف داخل ہونا -

غیر مرد کو درآنہ آتے دیکھ کر تہلکے میں آ جائے گی -

دست رنج پر گزر کرنا = اپنی محنت مزدوری سے پیٹ بھرنا -

حرام کی کمائی پہ کھاتی نہیں - اپنے دست رنج پر گزر کرتی ہے -

دکھڑا رونا = اپنا غم بیان کرنا -

لوگ آئے اور چلے بھی گئے میں اپنا دکھڑا روتا رہا -

دُم ہلانا = خوشامد کرنا -

تھے ذلیل نسل کے تھک کر دم ہلانے لگے -

دو فلن کی لڑنا = دو رخی چال چلنا -

حکیم صاحب دو فلن کی لڑ رہے تھے -

دباڑے کو پہونچنا = بری حالت ہو جانا -

یہ گھر اسی نے بنوا کر دیا تھا - اب اس دباڑے کو پہنچ گیا -

دیدار بازی کرنا = شوقیہ دیکھنا -

کچھ دن تو دیدار بازی اللہ راضی کا کام چلتا رہا -

دھتا بتانا = راستے سے ہٹا دینا -

اپنی محبت کا سکہ جمانے کے لیے اچھے اچھے لکھپتیوں کو دھتا بتا دیتی -

ڈیوڑھی بند ہونا = اندر جانے کی اجازت نہ ہونا -

ملازمین نے کہہ دیا ، آپ پر ڈیوڑھی بند ہے -

ڈورہ ڈالنا = رجھانا -

وہ اس پر ڈورے ڈالتے رہے -

ڈوری توڑنا = بے مروتی کرنا -

ہاں لاسہ پر لگا رکھا تھا - ڈوری توڑی نہیں تھی -

کھیت رہنا = مارا جانا -

تیغ آزماؤں کے سامنے کیا ٹک سکتے - منٹوں میں کھیت رہے -

کیسر پھولنا = کمزور ہونا ، پیلا پڑنا -

خورشید کے چہرہ پر کیسر پھولی تھی - عشق نے اس ہاتھی کو ڈھا دیا -

ر = ڑ

راج رجوانا = آرام سے بسر کرنا -

میں نے بھی سیاں سے خوب راج رجوایا -

رال ڈاڑھی تک بہنا = بے حد مشتاق ہونا -

حکیم صاحب کے منہ میں کچھ ایسا پانی بھرا کہ رال ڈاڑھی تک بہہ آئی ۔

رام دہائی کہنا = توبہ ، استغفراللہ کہنا ۔

اب کھاؤں تو رام دہائی ۔

رس ڈالنا ۔ گانے کا عادی بنانا ، ابتدا کرنا ۔

ابھی تو کانوں میں رس ڈالیں ، جب ذرا طاقت آ جائے تو سرگم کھلوانی شروع کریں ۔

زمین کا پیر پکڑ لینا = خاموش کھڑا ہونا ۔

میں ساکت و جامد رہ گیا ۔ زمین نے میرے پیر پکڑ لیے ۔

زہر عشق کا دور آنا = جدائی ہونا ۔

آگے افسانۂ غم ہے ۔ بہارِ عشق نے اختتام پایا ۔ اب زہرِ عشق کا دور آیا ۔

زہر کھانا = حسد کرنا ۔

سبھوں کو مے ہمیں خوناب دل پلانا ہے
فلک مجھی پہ تجھے کیا یہ زہر کھانا ہے؟

س = ش

سبزے گھوڑے کا شوقین ہونا = بھنگ پینا ۔

آج کل سبزے گھوڑے کے شوقین سردیوں کی وجہ سے کم آتے ہیں ۔

سہم جانا = دھونس جانا ۔

حکیم صاحب پر یہ سہم جایا کہ ولایت سے نیا طریقۂ تعلیم سیکھ کر آئے ہیں ۔

ستھرا داؤ ہونا = صفائی دکھانا ۔

ہم پنچھی کو لے اڑے یہ جو پہنچے تو کابک خالی ۔ بڑا ستھرا داؤ ہوا تھا ۔

سٹی گم ہونا = پریشان ہونا ۔

گول گول دیدے پھرائے ، ٹوپی اتار کر ۔ میری سٹی گم کہ ظالم نے کہیں کہہ تو نہیں دیا ۔

سرکہ جبیں ہونا = ترش ہو کر بولنا ۔

کہو سرکہ جبیں ہو کر بولا ۔ لڑکی تیری عقل گئی ہے ۔ سویرے سویرے یہ فال نکالتی ہے ۔

سوال ڈالنا = مانگنا ۔

آخر انھوں نے سوال ڈالا ۔

سودے اُڑانا = مٹھائیاں کھانا ۔ (ہر وہ چیز جو کھانے کے لیے خریدی جائے ۔ مٹھائی چاٹ پھل وغیرہ)

مسیتا ہمارے ساتھ رہتا اور مفت میں سودے اُڑاتا ۔

سودا چوکھا ہونا = مال اچھا ہونا ۔

دوکان لگا کر بیٹھو ، سودا چوکھا ہے ۔

سولہ آنے اختیار دینا = پورا مالک بنا دینا ۔

اب تمھیں سولہ آنے اختیار ہے جو دل چاہے سو کرو ۔

سیدھا لٹکا دینا = آسان ترکیب ہونا ۔

اگر آپ منظور کریں تو یہ بڑا سیدھا لٹکا ہے ۔

سینے میں چھالے لگنا = مضطرب ہونا ۔

میرا دل بلیوں اچھل رہا ہے ۔ سینے میں چھالے لگے ہیں ۔

سیپی سا نکلنا = دبلا اور صاف ہونا ۔

کتابی سا چہرہ ، ستّ ستا کر سیپی سا نکل آیا تھا ۔

شراب کھلنا = بھرپور نشہ ہونا ۔

بزم بغیر شمع دھندلی رہتی ہے ۔ بغیر عورت شراب کھلتی نہیں ۔

شروہ چٹ کرنا = خوشامد کرنا ۔

ہر طرف سے شروہ چٹ ، لیمو نچوڑ ۔ نوالہ حاضر ، خوشامدیوں نے گھیر رکھا تھا ۔

ششدر ہونا = عاجز و متحیر ہونا ۔ (ششدر اس مقام سے کنایا ہے جہاں سے رہائی دشوار ہو) ۔

کنویں پر آیا لڑکے کو جو اٹھا کر دیکھا تو حیران و ششدر رہ گیا ۔ نردکی بازی میں چھ خانے ہوتے ہیں ۔ جب مہرہ ان کے پیچھے خانہ ششدر میں پھنس جاتا ہے تو وہاں سے نکلنا مشکل ہو جاتا ہے) ۔

شہ مارنا = مقابلہ کرنا -
گھونگھروؤں کی جھنکار زہرہ کو شہ مار رہی تھی -
شہ پڑنا = افتاد پڑنا -
نظیر : پڑ جاوے گی جب شہ وہ اے دل ، تو بھلا پھر میں
کیا آپ کو تھاموں گا کیا تجھ کو سنبھالوں گا

ط = ف = ق

طلب بجھانا = خواہش پوری کرنا -
جب ہی ہڑک اٹھی - اکیلے دکیلے جا طلب بجھا آیا - (طلب کی بجے اگر تلب ہو تو زیادہ بہتر ہے کیوں کہ یہ ہندی لفظ ہے) -
فال زبان نکالنا = بری بات کہنا -
سویرے سویرے فال زبان نکالتی ہے -
قدری کرنا = برا کہنا -
دنیا نے ان کی قدری کی پر میں نے اسے اپنے پاس سے مسکنے نہ دیا -
قلعہ بند ہو بیٹھنا = خود کو اندر محفوظ کر لینا -
پانچ سات عورتیں قلعہ بند ہو بیٹھیں -

ک

کچی ٹہنی ہونا = نا سمجھ ہونا -
ابھی کچی ٹہنی ہے جس طرف چاہے موڑ لو -
سب سے پہلے جوگی نے جہانگیر کے محلوں تلے کنڈل چھایا -
کنویں سے برآمد کرنا = بھید ، چھپی ہوئی بات معلوم کرنا -
سختی برتی لیکن بے نتیجہ ، اس کنویں سے کچھ برآمد نہ ہو سکا -
کنواں ہونا = معتبر ہونا -
نانا تو کنواں ہیں جو بات پڑ گئی پھر نہ نکلی -
کنّی بچانا : سواروں کے خنگ کنی بچاتے نظر آئے -
کنّی دبی رہنا = مجبور ہو جانا -

اس کے علاوہ حکیم صاحب کی ابھی کنّی دبی رہے گی اور پھر گانے کی آمدنی ہوگی سو جدا ۔

کھال کی جوتیاں بنانا = بے عذر خدمت کرنا ۔

اگر میری کھال کی جوتیاں بھی بنا کر پہن لیں تو اگر شریف ہوں تو دریغ نہیں کروں گی ۔

گ

گُل کترنا = عجب کام کرنا ۔

گُل کھانا = داغ کھانا :

یہ گل جو ہم نے ہاتھ پہ کھائے ہیں روبرو
ہم کو یہی ملا ہے تبرک حضور کا

گھریاں گھونٹنا = مجبور ہو جانا ۔

کوئی سو کے قریب پھونک کر جل بھن گھریاں گھونٹتا ہوا سیدھا ہو لیا ۔

ل

لَٹ جانا — کمزور ہونا ۔

ع ۔ لیلیٰ کے غم میں آن کے مجنوں بھی لَٹ گیا ۔

لے اُڑنا = بھگا لے جانا ۔

وہ تاپتا رہ گیا ہم پنچھی کو لے اُڑے ۔

م

منہ میں سونا ڈال کر بیٹھنا = ایماندار ہونا ، نیک کام کرنا ۔

جو اس طرح منہ میں سونا ڈال کر بیٹھو گے تو آئے یہاں نوکری کرنے ۔ یہاں روز وارے نیارے ہوتے ہیں ۔

(ہندو عقیدے سے سونا پاک چیز ہے ۔ اگر مرتے وقت یہ منہ میں موجود ہو تو جنت حاصل ہوتی ہے ۔ اس لیے سونے کے دانت لگوانا ثواب ہے) ۔

منہ کلنا = منہ بند کر دینا ۔

پلکیں تو جھکی ہوں گی آنکھوں پہ نقاہت ہے
اور چشم کے جادو سے منہ بھی تو کلا ہو گا

ن

نو ندھ بارہ سدھ ہونا = مطلب حاصل ہونا ۔

اگر آج وہ ہمارے گھر میں ہوتا تو نہ جانے کیا نو ندھ بارہ سدھ ۔

(ہندوؤں کے عقیدے کے مطابق کبیر خزانوں کا دیوتا ہے ۔ اس کے قبضے میں نو خزانے ہیں ، سدھ بمعنی قوت ۔ دیوتاؤں کی بارہ قوتیں ہیں ۔ لہذا نو ندھ بارہ سدھ ہو جانے سے یہ مراد ہے کہ کبیر کے نو خزانے اور دیوتاؤں کی ساری قوتیں حاصل ہو گئیں) ۔

نیل بگڑنا = شامت آنا :

غرض میں تو نظیر اس سے سمجھتا ہوں کہیں شاید
کسی کا نیل بگڑا ہے جو یہ طوفان جوڑا ہے

ھ

ہانے بولنا = ختم ہو جانا ۔ ہمت ہار جانا ۔

اس نے ایک ایک دفعہ میں ہم کو دکھا کر دس دس ۔ پانچ پانچ سرکانے شروع کیے ۔ ہم ایک دو ہلوں میں ہانے بول گئے ۔

ہو چلنا ۔ ملاقات کرتے جانا ۔

کسی سے ملنے آئے تھے سو یاں بھی ہو چلے اکرم
کبھی دیتا ہوں یہ مجھ پر نہیں احسان ماننے کا

اردو زبان اور دیسی کھیل

ہماری زبان کے پھیلاؤ اور رچاؤ میں جہاں اور چیزوں نے حصہ لیا ہے ، وہاں ہمارے دیسی کھیل بھی کسی طرح پیچھے نہیں رہے ہیں ۔ زندہ اور بڑھنے والی زبان کی یہ خاصیت ہے کہ وہ زندگی کا ساتھ دیتی ہے اور زندگی کے تمام شعبوں کی ترجمانی کرتی ہے ۔ ان سے الفاظ اخذ کرتی ہے ، ان کی حرکتوں کو نام بخشتی ہے اور اس طرح اپنے قوت بیان کو بڑھاتی ہے ۔

جس طرح ہر زبان کے بولنے والے طبقوں میں منقسم ہوتے ہیں ، اسی طرح زبان بھی طبقاتی ہے - جس طرح انسان اپنی زندگی میں مختلف منازل سے گزرتا ہے - اسی طرح اس کی زبان بھی ہر منزل پر بدلتی رہتی ہے - لہذا زبان طبقاتی ہوتے ہوئے بھی منازل حیات کا ساتھ دیتی ہے اور اس کا یہی اقدام اس کی زندگی کا کفیل ہے -

انسان کی ذہنی اور جسمانی کاوشوں کا مقصد اظہار ذات ہے - وہ اپنی ابتدائی منزل حیات میں خود کو زبان سے زیادہ جسم سے ظاہر کرتا ہے - قوت گویائی اور جسمانی حرکتوں کا سرچشمہ ایک ہے - یوں کہا جائے کہ یہ دونوں حرکتیں ایک ہی قوت کے دو مظہر ہیں - اکثر جسمانی حرکتیں زیادہ پُر گو اور موثر ثابت ہوتی ہیں - فنون لطیفہ انسانی فطرت کے اظہار کے بہترین ذرائع ہوتے ہیں - مگر ہمارے کھیل بھی انسانی فطرت کو بغیر کسی دباؤ اور بناؤ کے بیشتر جوں کا توں ظاہر کرتے ہیں اور ان میں ریاکاری کا شائبہ بھی نہیں ہوتا ، ان کے اصولوں میں قطعیت ضروری ہوتی ہوتی ہے - لیکن ہر کھلاڑی موقع اور ضرورت کے لحاظ سے اپنے عمل کی تشکیل اس نہج پر کرتا ہے کہ اصولوں کی باضابطگی ، اس کی کارکردگی کے لیے معاون ثابت ہوتی ہے - جس وقت کھیلوں میں انسانی فکر اور جسمانی عمل کا حسین توازن پیدا ہو جاتا ہے ، تو میدان میں اور بساط پر اس کھیل کی بیساختہ داد "واہ ، واہ" ہوتی ہے - زبان اس کے اظہار سے قاصر ہوتی ہے - کھلاڑی اپنے فن کا ماہر ہوتا ہے اور دوسرے فن کاروں کی طرح اپنے ذہن کی رسائی اور طبیعت کی جودت کو دکھاتا ہے - فکر و عمل کا اشتراک اتنے کم وقت میں کسی دوسرے لطیف فن میں نظر نہیں آتا - زندگی کے کھیل دراصل زندگی کے مرحلوں کے چربے ہیں جن کو بازی گاہ یا بساط پر طے کیا جاتا ہے - جب کھیلوں کی زندگی میں یہ اہمیت ہے تو ہر زبان میں کھیلوں سے متعلق الفاظ کا کثیر سرمایہ ہونا چاہیے - ورنہ وہ زبان اپنی تکمیل کا کبھی دعویٰ نہیں کر سکتی - اردو زبان خوش قسمت ہے کہ اس نے زندگی کے تمام شعبوں کو حصر کر رکھا ہے - دنیا کی سب سے زیادہ استعمال ہونے والی زبان یعنی انگریزی اور بالخصوص امریکی انگریزی میں صدہا الفاظ ایسے ہیں جو انگلینڈ اور امریکہ کے قومی کھیلوں سے لیے گئے ہیں اور ان کو ادب میں نہایت وقار اور اعتماد کے ساتھ استعمال کیا جاتا ہے -

انگریزی میں کریکٹ اور امریکن انگریزی بیس بال ایسے کھیل ہیں کہ جنھوں نے ان دونوں کو بے مثل سرمایہ' الفاظ عطا کیا ہے - اسی طرح زبان اردو بھی دیسی کھیلوں کے بہت سے الفاظ اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے ، جو معنوی وسعت رکھتے ہیں - بچے اس لیے کھیلتے ہیں کہ ان میں توانائی کی روز افزوں فراوانی ان کو نچلا نہیں بیٹھنے دیتی - جوانوں کو کھیل کے ذریعے اظہار ذات کا شوق ہوتا ہے - بڈھے اس لیے کھیلتے ہیں کہ جسمانی حرکت تندرستی کو برقرار رکھتی اور وقت گزارنے کا بھی ایک معصوم ذریعہ ہے - علمائے نفسیات کا خیال ہے کہ جسمانی حرکتیں ذہنی انتشار کو رفع کرتی ہیں - مختصر یہ کہ جسمانی حرکات کی منضبط صورتیں کھیل ہیں - جو مختلف منازل حیات کے آئینہ دار ہیں اور کھیل سے متعلق روزمرہ ہر طبقے اور ہر منزل کی نمائندگی کرتے ہیں - کھیلوں کے روزمرہ اور محاورات جب ادب میں استعمال ہوتے ہیں تو اختصار کے باعث ندرت بیان کے موجب ہوتے ہیں اور اتفاقیہ قاری اگر اس کھیل سے بھی واقف ہو کہ جس کا روزمرہ اس کے سامنے ادبی صورت میں پیش کیا گیا ہو تو پڑھنے اور سمجھنے کی لذت دو آتشہ ہو جاتی ہے اور اس کے ذہن کے پردے پر بیک وقت معنوی تصویر اور عمل کی شبیہ عکس انداز ہوتی ہے اور نتیجہ کے طور پر وہ زیر لب مسکراہٹ کے لیے مجبور ہو جاتا ہے اور یہ وہ کیف ہے جس کا اندازہ صرف قاری ہی لگا سکتا ہے - مختلف کھیلوں سے ایسے روزمرہ اور محاورات کی چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں جنھوں نے ادبی حیثیت اختیار کر لی ہے - ورنہ ویسے تو ہر کھیل کے بہت سے محاورات اور روزمرہ ہیں جو اپنی اپنی مناسبت سے کھیلوں کے تذکروں میں استعمال ہوتے ہیں -

شطرنج

اردب میں آنا = درمیان میں آنا -

آپ حضرات کی لڑائی ہے میں تو محض اردب میں آ گیا ہوں -

بساط الٹنا = ختم کرنا -

وہ رنگ رلیاں اب کہاں ، زمانے نے دلی کی بساط ہی الٹ دی -

بازی پھنسنا = گھر جانا -

بازی پھنس گئی اب یہاں سے ٹلنا محال ہے -

بازی لڑنا = برابر کا کھیل ہونا ۔

بازی لڑی ہوئی ہے یوں ہی آنیس بیس کا کھیل ہے ۔

بازی کھیلنا = انحصار ہونا ۔

میں تو تمہارے اوپر ہی بازی کھیل رہا تھا ۔ اب تم نہیں میں کیا کروں ۔

مہرہ پٹنا = امید منقطع ہونا ، سہارا ٹوٹ جانا ۔

وہ مہرہ ہی پٹ گیا جو ساری بازی کی جان تھا ۔

تھپک لینا = حاصل کر لینا ، مار لینا ۔

منصب کے رعب میں جب چاہا تھپک لیا ، ورنہ یہ اسامی ایسی نہیں کہ پٹھے پر ہاتھ دھرنے دے ۔

چال بگڑنا = غلط چال ہو جانا ، کام بگڑنا ۔

کام تو ہو جاتا لیکن ابتدا ہی میں چال بگڑ گئی ۔

چال پڑنا = مشکل میں پھنسنا ۔

وہ چال ہی پڑی ہے کہ کٹ ہی سمجھ میں نہیں آتی ۔

چال چلنا = فریب دینا ۔

افسوس وہ عین وقت پر میرے ساتھ چال چل گیا ۔

زچ ہونا = مجبور ہونا ، تھک جانا ۔

میں تو آپ کی بیکار بحث سے زچ ہو چکا ہوں ۔

شہ دینا = آکسانا ۔

وہ رخ کہ ہر اک شوخ پری زاد کو شہ دے
وہ زلف کہ سنبل جسے بیتاب ہو کہہ دے

شہ سے بچنا = مصیبت سے بچنا ۔

دوسروں کی کیا شکایت اب تو اپنوں کی شہ سے بچنا ہے ۔

مات دینا = ہرا دینا ۔

یہ زندگی کا کھیل ہے اس میں مات دینا موت کے مترادف ہے ۔

منصوبہ کرنا = ذہنی نقشہ تیار کرنا ۔

آپ نے جو بھی منصوبہ کیا ہے میں اس پر صدق دل سے صاد کرتا ہوں ۔

مہرہ بیکار ہونا = کام کا نہ ہونا۔

مہا بلی کے اقبال سے کوئی مہرہ بیکار نہیں ہو سکتا، ذرا خانہ بدل کے چال چلنا پڑے گی۔

بٹیر بازی

بیچ کھیت بولنا = عام اعلان کرنا۔

بولیں اور بیچ کھیت بولیں۔ اس طرح بولیں جیسے ارہر کے کھیت میں پھندیت بٹیر۔

(پھندیت بٹیر وہ بٹیر ہوتا ہے جس کی مدد سے جنگلی بٹیریں پھانسی جاتی ہیں اور اس کو عموماً کھیت کے بیچ میں رکھتے ہیں)۔

پانی مارنا = ہوشیار کرنا۔

پانی مار مار کر یہاں تک لایا ہوں ورنہ انہیں تو اپنی سرعت نہ تھی۔

چونچیں ہونا = مقابلہ ہونا۔

بیٹھے بٹھائے ان سے دو دو چونچیں ہو گئیں ورنہ میرا ہرگز ارادہ نہ تھا۔

چیں بولنا = ہار ماننا۔

کام زیادہ ہوا تو چیں بول اٹھے، چھٹی کی درخواست دے غائب۔

گھٹ جانا = ہار جانا۔

میرا بٹیر آج تک تو گھٹا نہیں آئندہ اللہ مالک۔

چوسر

بساط بچھانا = ابتدا کرنا۔

بساط بچھی ہوئی ہے، آئیے ایک بازی ہو جائے۔

پو چھکا ہونا = کامیاب ہونا۔

اب تو پو چھکے ہیں۔ راوی چین ہی چین لکھتا ہے۔

پو بارہ ہونا = کامران ہونا۔

آج کل صاحب مہربان ہیں۔ لہذا گھر باہر پو بارے ہیں۔

پانسہ در پڑنا = جیتنا۔

مقابلہ برابر کا تھا آپ کا پانسہ در پڑا۔ مجھے پیچھے ہٹنا پڑا۔ خیر آئندہ سہی۔

جُگ ہونا = ساتھی ہونا ۔

جب دوست اور دشمن جگ ہو جائیں تو کل جگ بھی مت جگ ہو جاتا ہے ۔

چال چلنا = گوٹوں کو پانسہ کے مطابق چلنا (دھوکہ دینا) :

برابر کی جب آ کر چال پڑ جاتی ہے چوسر پر
تو گھٹنا اور بڑھنا بند ہو جاتا ہے ہر گھر پر

دور کی کوڑی لانا = اچھی چال چلنا ۔

محمد علی مرحوم بساط سیاست میں ہمیشہ دور کی کوڑی لاتے تھے ۔

داؤں رکھنا = جیتنے کا اعلان کرنا ۔

میں اس بازی پر داؤں رکھتا ہوں اب کھیل کے خاتمے کا آپ فیصلہ کریں ۔

دب جانا = کمزور ہو جانا ۔

حالات نے کمر توڑ دی ۔ اب ہر موقع پر دب جانا پڑتا ہے ۔ بازی دب گئی اب جیتنے کی امید موہوم ہے ۔

گوٹ اڑنا = مجبور ہونا ۔

آج کل میری گوٹ اڑی ہے ، وہ جو چاہیں سو کر لیں ۔

گوٹ لال ہونا = کامیاب ہونا ۔

تم کو فکر کیوں ہو آج کل تمھاری گوٹ لال ہے ۔ صاحب بہادر کی ناک کے بال بنے ہوئے ہو ۔

کُشتی

اکھاڑے میں آنا = مقابلہ کرنا ۔

اگر برتری کا خیال ہے تو اکھاڑے میں آؤ ۔

اڑنگی مارنا = داؤں چلانا ۔

یار ! تم میرے کام میں اڑنگی مت مارو ۔

آسمان دکھانا = ہرا دینا ۔

مقابلہ ہے سخت دیکھو کون آسمان دکھاتا ہے ۔

پٹ ہونا = الٹا ہو جانا ، ہار جانا ۔

وکیل صاحب نے جرح میں وہ داؤں مارا کہ فریق ثانی ہمیشہ کے لیے پٹ ہو گیا ۔

ٹانگ مارنا = مزاحمت کرنا ۔

معاملہ بالکل صاف تھا ۔ تم نے آ کر خواہ مخواہ ٹانگ مار دی ۔

چاروں شانے چت ہونا = صاف ہرا دینا ۔

وہم و گمان سے دور تھا ۔ اس بلا نے تو ہم جیسوں کو چاروں شانے چت کر دیا ۔

خم ٹھونکنا = مقابلہ کی دعوت دینا ۔

سیاست کے میدان میں محض خم ٹھونکنے سے کام نہیں چلتا ۔ عوام کی خدمت اور دلجوئی بہت ضروری ہے ۔

ڈنڈ پیلنا = مست رہنا ۔ ۔

وہ دن بھر گھر میں ڈنڈ پیلتا ہے ۔

زمین پکڑنا = چپٹ کر رہ جانا ۔

میں نے لاکھ زور مارا مگر اس نے ایسی زمین پکڑی کہ ٹس سے مس نہیں ہوا ۔

غوطہ مار کر نکلنا = توقع کے خلاف عمل کرنا ۔

میاں یہ سیاست کا کھیل ہے دیکھنا وہ کیسا غوطہ مار نیچے سے نکل آئے گا ۔

کورا ہونا = شکست کا منہ نہ دیکھنا ۔

بھولو پہلوان کی طرح میرا پٹھا بھی اپنے میدان میں کورا ہے ۔

گاؤ زوری کرنا = طاقت دکھانا ۔

امتحان گاؤ زوری کرنے سے پاس نہیں کیا جاتا ۔ دماغ لگانا پڑتا ہے ۔

لنگوٹ کھولنا = مقابلہ سے دست بردار ہونا ۔

زمانہ ہوا ہم تو لنگوٹ کھول چکے اب کسی دوسرے استاد کا در دیکھو ۔

لنگوٹ کا پکا ہونا = محتاط ہونا ۔

لاکھوں کا کاروبار مگر واہ رے منشی لنگوٹ کا پکا ہو تو ایسا ہو کہ ایک کوڑی ادھر سے آدھر نہیں ہوتی ۔

منڈیا رگڑنا = زک پہنچانا ۔

موقع ملنے پر حضرت کی وہ منڈیا رگڑی گئی کہ آج تک یاد ہوگا ۔

ملی بھگت ہونا = پہلے سے طے ہونا ۔

میں اب سمجھا یہ سب کچھ ملی بھگت تھی ۔ مجھے زچ کرنا مقصود تھا ۔

ہاتھ ملانا = چیلنج قبول کرنا ۔

ابھی ہاتھ ملاؤ اور دیکھو کیا کرتا ہوں ۔

کبوتر بازی

آسمان بند ہونا = نظر نہ آنا ۔

میاں آج کل بالکل آسمان بند ہو ، معاملہ کیا ہے ؟

بھری میں آنا = بہک جانا ۔

میں تمھاری بھری میں نہیں آ سکتا ۔

برد مارنا = بازی جیتنا ۔

جوانی مسکرائی تو کائنات نے انگڑائی لی اور میدان عشق میں بردیں مارتے آگے بڑھا ۔

پر تولنا = چلنے کے لیے تیار ہونا ۔

بھائی ذرا اور بیٹھو ۔ ابھی کیوں پر تول رہے ہو ۔

پر دار ہونا = اپنی دیکھ بھال کرنے کے لائق ہونا ۔

ماشا اللہ اب پر دار ہو ۔ دنیا جہان دیکھو ، کب تک دوسروں کے دست نگر رہو گے ۔

پر قینچے ہونا = بے بس ہونا ۔

حالات نے پر قینچے کر دیا ، دن بھر گھر میں پڑا رہتا ہوں ۔

پرے جمانا = ایک ساتھ رہنا ۔

بچے بالے پرے جمائے بیٹھے ہیں ۔

پر ڈالنا = بے بس ہونا ۔

اس مقدمے نے تو اس کی کمر توڑ دی اب وہ پر ڈال کر بیٹھا ہے ۔

پر نکالنا = چالاک ہونا ۔

ماشا اللہ اب خوب پر نکالے ہیں ۔

جھنڈی دکھانا = بھگانا ۔

مجھے جھنڈی نہ دکھاؤ میں خود پر تول رہا ہوں ۔

چینج ہونا = کم سن ہونا (نا تجربہ کار ہونا) ۔

ابھی تو وہ چینج ہے ، زمانے کی چال کیا جانے ۔

دو دو کلی ہونا = نا تجربہ کار ہونا ۔

ہنوز دو دو کلی ہو ، دنیا کی ریت کیا جانو ۔

غول میں لینا = گھیر لینا ۔

پہلے اسے غول میں لو پھر دیکھو وہ تمہارا ہی کلمہ پڑھنے لگے گا ۔

کلی جھاڑنا = رنگ بدلنا ۔

کل تک دیہاتی تھا اب شہر کی ہوا لگ گئی ، روز کلی جھاڑ رہا ہے ۔

کریچ میں آنا = کاہل ہو جانا ۔

چھٹی کیا ہوئی میں تو بس کریچ میں آ گیا ۔

گردان کبوتر ہونا = ہوشیار و تجربہ کار ہونا ۔

میاں یہ شہر کے بچے ہیں ، انہیں گردان کبوتر سمجھو ۔

گھٹے رہنا = ایک جگہ رہنا ۔

ٹکڑی سے ٹکڑی ٹکرا رہی ہے ، صف چیرتے ہوئے نکل گئے ، خود بھی گھٹے رہے ، منتشر نہ ہوئے ۔

لاسہ لگانا = پھانسنا ۔

وہ لاسہ لگایا کہ اب گھر جانے کا نام تک نہیں لیتا ۔

مکّی مارنا = آسانی سے حاصل کر لینا ۔

گانٹھ کا پورا آنکھ کا اندھا ۔ ایسی مکی ماری کہ ہاتھ خالی نہ گیا ۔

کبڈی

پالی مارنا = جیت لینا ۔

رحیم بخش نے پالی کیا مار لی دنیا فتح کر لی ۔

داؤ مارنا = داؤں گھات کرنا ۔

شمیم نے کیا خوبصورت داؤ مارا کہ حریف بے بس ہو گیا ۔

سانس بھرنا = لمبی سانس لینا ۔

ایسی سانس بھری کہ دیکھنے والے عش عش کر گئے ۔

سانس ٹوٹنا = سانس پھولنا ، سانس اکھڑ جانا ۔

کہاں تک رکتا ، آخر سانس ٹوٹ ہی گئی ۔

مری پڑنا = مقابلہ پر نہ آنا ، خاموش ہونا ۔

کیا تمہارے پالے میں مری پڑ گئی ہے ؟

رات کا وقت ، جاڑوں کا زمانہ ، پورے محلے میں مری پڑی لیکن میاں خالد اوورکوٹ میں ملبوس سڑک ناپتے ہوئے مل ہی گئے ۔

گتکا (بنوٹ)

اوچھا ہاتھ پڑنا = نامکمل کوشش کرنا ۔

تاہم اس کا کام اوچھا ہاتھ مارنا تھا ۔

چوٹ کاٹنا = وار خالی دینا ۔

کبھی آڑے ہو گئے کبھی گتکے کی چوٹ کاٹ دی ۔

پینترا بدلنا = طرح طرح کے داؤ بدلنا ۔

میاں آزاد پینترے بدل بدل کر وار کرتے رہے ۔

دم ٹوٹنا = تھک جانا ۔

جب سب کا دم ٹوٹ گیا اور لگے ہانپنے تو گتکے ہاتھ سے چھوٹ گئے ۔

طانچہ دکھانا = وار کرنا۔

طانچہ دکھایا اور ہاتھ گھمایا۔

لکڑی پھینکنا = لکڑی چلانا (لکڑی کے کرتب دکھانا۔

پہر دن لکڑی پھینکی لیکن دم نہ پھولے۔

پرے کے پرے دم میں صاف کرنا = ایک دم سب کو بھگا دینا۔

لکڑی ہاتھ میں لینا تھا کہ پرے کے پرے دم میں صاف۔

ہاتھ چھوڑنا = مارنا۔

سروہی کا تلا ہوا ہاتھ چھوڑا، بھنڈار کھل گیا۔

ہاتھ لگانا = مارنا۔

کڑک کر طانچہ کا تلا ہوا ہاتھ لگایا تو حریف کا منہ پھر گیا۔

مرغ بازی

پر ڈالنا = تھک جانا

لڑتے لڑتے پر ڈال دیے۔

خاردار ہونا = لڑنے کو تیار ہونا۔

آج کل آپ خاصے خاردار معلوم ہوتے ہیں۔

گیڑیاں

آر پار ہونا = کامیاب ہونا۔

ذرا محنت کرو معاملہ آر پار ہے۔

الّا دینا = ترغیب دینا۔

تم نے الا دے کر اسے رسوائی کا نشانہ بنوا دیا۔

نکّہ جمانا = لاجواب کر دینا۔

بھئی تم نے ایسا نکہ جمایا کہ وہ بیچارا ہکا بکا رہ گیا۔

پتنگ بازی

بڑھا ہوا پتنگ ہونا = آگے نکل جانا ۔

وہ اب بڑھا ہوا پتنگ ہے میرے قابو سے باہر ۔

پتنگ ملنا ۔ لڑائی ہونا :

یعنی ہر بار صورت کاغذ باد ——— ملتے ہیں یہ بدمعاش لڑنے کے لیے

پیٹا مارنا = بے قاعدہ شکست دینا ۔

پیٹا مارنا مردانگی کا شیوہ نہیں ۔

ٹھمکی دینا = آہستہ آہستہ آگے بڑھانا ۔

ٹھمکی دے دے کر یہاں پہنچایا ہے ورنہ جناب کی صلاحیت تو سب کو معلوم ہے ۔

ٹھڈا ٹوٹنا = بے سہارا ہو جانا ۔

وطن کیا چھوٹا ہم تو اب ٹھڈا ٹوٹی پتنگ ہیں ۔

ڈھیل اور کھینچ لڑانا = نرم گرم باتیں کرنا ۔

جب ان ڈھیل اور کھینچ لڑانے والوں نے دیکھا کہ اب اگر کھچائی کی تو گڈی کنوں سے جائے گی ۔ تو چپ سادھ لی ۔

ڈور کٹنا = بے تعلق ہونا (ڈور سے پتنگ کا کٹ جانا)

میری اور شمو کی ڈور کچھ کٹی سی دیکھی گئی ۔

ڈور الجھنا = تعلق خاطر پیدا ہونا ۔

ابھی یہ کھیل ہو ہی رہا تھا ڈور الجھ رہی تھی کہ محفل شروع ہو گئی ۔

ڈھیل کا پینچ ہونا = سہل طریقہ اختیار کرنا ۔

مرزا صاحب تو ڈھیل کا پینچ زیادہ لڑاتے ہیں ۔

کاوا کھانا = (پتنگ کا گھومنا) چکر لگانا ۔

میرا پتنگ تو کاوے پر لگا ہے ، آپ اپنی فکر کیجیے ۔

مری پڑنا ــ خاموش ہونا ۔

حریف کا کوئی پتنگ نہیں بڑھا معلوم ہوتا ہے مری پڑ گئی ۔

مانجھا ڈھیلا ہونا = کمزور ہونا ۔

(مانجھا اس خاص ڈور کو کہتے ہیں جو مختلف مسالوں سے تیار کی جاتی ہے اور پینچ لڑانے میں سادی سے آگے رکھی جاتی ہے) ۔

میدان بدنا = چیلنج دینا ۔

میدان بدنا آسان ہے مگر آخر تک ڈٹے رہنا سب کا کام نہیں ۔

میدان لڑانا = مقابلہ کرنا ۔

(اردو نامہ کراچی شمارہ ۵۰)

ڈاکٹر فرمان فتح پوری

اردو املا کے اصول

املا کے قواعد اور اصول بنیادی طور پر زبان ہی کے قواعد و اصول ہیں دنیا کی ساری ترقی یافتہ زبانوں میں املا کے ضابطوں کی سختی سے پابندی کی جاتی ہے - کسی لفظ کا تلفظ اپنے مروج املا سے خواہ کتنا ہی مختلف کیوں نہ ہو لیکن اس کا جو املا مقرر اور متعین ہے ، اسی طرح لکھیں گے - لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اردو میں اس کی جانب نہ پہلے کوئی توجہ دی گئی اور نہ آج خاطر خواہ دی جا رہی ہے - اس کے اصول ہی متعین نہیں ہیں - نتیجہ یہ ہوا ہے کہ اردو املا میں ایک لفظ کو کئی کئی طرح سے لکھنے کا رواج ہو گیا ہے - چند مثالیں دیکھیے :

۱ - کوا - کواں - کنوا - کنواں -

۲ - پانؤ - پانوں - پاوں - پاؤں -

۳ - گانؤ - گانوں - گاوں - گاؤں -

۴ - انہیں - انھیں - انہوں - انھوں - تمھیں - تمہیں -

۵ - منہ - منھ - موں - منھ - مونھ -

۶ - کیجے - کیجئے - لیجیے - لیجئے -

۷ - گاے - گائے - ناو - ناؤ -

۸ - سابن - صابن - سابون - صابون -

۹ - مسالا - مسالہ - مصالہ - مصالحہ -

۱۰ - ابتدائے شوق - ابتداے شوق -

۱۱ - جز - جزو - جزٔ -

۱۲ - علٰحدہ - علاحدہ - علحدہ -

۱۳ - سیکڑا - سینکڑا - سیکڑہ - سینکڑہ -

۱۴ - اس کے لیے - کس کے لیے - کسواسطے - کس واسطے - جسکے لیے - جس کے لیے -

۱۵ - پہنچنا - پہونچنا - ٹھہرنا - ٹھیرنا - ٹہرنا -

حروف کی اشکال ، شوشے اور جوڑ تو سرے سے قابل توجہ ہی نہیں سمجھے جاتے - ایک حرف کو دوسرے حرف سے بغیر کسی قاعدے کے آزادانہ ملا دیا جاتا ہے - ابتدائی جماعتوں سے لے کر یونیورسٹی کے طلبہ تک ایک حرف کو دوسرے سے جس طرح چاہتے ہیں ، ملا دیتے ہیں (صحیح شوشہ نہیں لگاتے) -

آج کے طالب علموں یا فارغ التحصیل نوجوانوں کو عام طور پر یہ معلوم ہی نہیں کہ اردو کے حروف تہجی جب ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو کہاں کہاں اور کیا کیا شکلیں بدلتے ہیں - یا اردو تحریر میں رموز اوقاف اور بعض دوسری علامتوں کا استعمال کہاں کہاں ہوتا ہے - پہلے یہ ہوتا تھا کہ مکتبوں اور ابتدائی مدرسوں میں کئی سال تک تختیوں پر لکھنے کی مشق کرائی جاتی تھی - خوش خطی کی کاپیاں اس پر مزید تھیں پہلے الگ الگ حروف پھر انھیں ایک دوسرے سے ملا کر لکھوایا جاتا تھا - املا الگ سے بولا جاتا تھا معلم ہر طالب علم کا کام روزانہ فرداً فرداً دیکھتا تھا اور ہر ایک کو بتاتا تھا کہ کون سا حرف کس طرح ملایا جائے گا اور کون سی علامت کہاں استعمال ہوگی -

آج کل آموزش کو تیز تر بنانے کے لیے زبان کی تدریس کا جدید طریقہ یہ ہے کہ کل سے جزو کی طرف رجوع کرتے ہیں یعنی جملے یا الفاظ کے بعد حروف اور ان کی اشکال کی طرف توجہ دلاتے ہیں - اس سے کئی فائدے ہیں لیکن بڑا نقصان یہ ہے کہ بچوں کو حروف اور ان کی اشکال میں مہارت حاصل کرنے کا بہت کم موقع ملتا ہے وہ پڑھنا تو جلد سیکھ جاتے ہیں لیکن لکھنا ، جیسا کہ چاہیے بیشتر کو نہیں آتا - اپنے اپنے طور پر جیسا چاہتے ہیں ، لکھتے ہیں ، نتیجہ یہ ہے کہ اردو املا ایک طرح کے نراج اور انتشار کا شکار ہوتا جا رہا ہے -

لیکن اب جب کہ ہر صوبے کا ٹیکسٹ بک بورڈ ابتدائی اور ثانوی جماعتوں کے لیے نصابی کتابیں مرتب کر رہا ہے - ضرورت اس بات کی ہے

کہ اردو املا کے واضح اصول موجود ہوں اور ہر سطح پر ان کی پابندی کی جائے ۔ اردو کی ترقی اور اشاعت و طباعت کے سارے ادارے ان اصولوں کو اپنائیں ۔ عام لکھنے والوں سے لے کر کاتب و ناشر تک ان اصولوں کو مد نظر رکھیں تا کہ اردو املا اس افراتفری سے نجات پا سکے جس کا ذکر اوپر کیا گیا ہے ۔

میں نے سندھ ٹیکسٹ بک بورڈ کے ایما پر اس مقالے میں اردو املا کے اصولوں کو مرتب اور یکجا کرنے کی کوشش کی ہے ۔ یہ کوشش کہاں تک کامیاب ہے اس کا جواب مجھے نہیں دوسروں کو دینا ہے ۔ میں اس جگہ صرف اس قدر عرض کروں گا کہ میں نے اپنی بساط بھر املا کے سارے پہلوؤں پر غور کیا ہے ۔ حروف مختلف شکلیں ، ان کے باہمی ربط ، شوشے ، جوڑ رموز اوقاف ، ان کے محل استعمال اور بعض لفظوں میں املا کا اختلاف سبھی چیزیں زیر بحث آئی ہیں ۔ یہ بحث اپنی جامعیت ، وسعت اور یکجائی کی حد تک شاید نئی ہو ورنہ اس سے پہلے سراج الدین علی خان آرزو ، انشا اللہ خان اور غالب سے لے کر آج تک کے متعدد مقالہ نگاروں اور قواعد نویسوں نے اس پر اظہار خیال کیا ہے ۔ مولانا احسن مارہروی ، ڈاکٹر عبدالستار صدیقی ، مولوی عبدالحق ، برج موہن دتا تریا کیفی ، استاذی ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان اور پروفیسر حبیب اللہ غضنفر نے بطور خاص اس طرف توجہ کی ہے ۔

علمی و ادبی اداروں میں "ترقی اردو بورڈ کراچی" نے خصوصیت سے املا کے مسائل کو چھیڑا ہے اور دوسروں کی توجہ بھی اس طرف مبذول کرائی ہے ۔ چنانچہ "ترقی اردو بورڈ" کے ترجمان "اردو نامہ" میں متعدد مضامین ، املا کے بارے میں شائع ہوئے ہیں ۔ ان میں خلیق نقوی ، ڈاکٹر عبدالستار صدیقی ، ڈاکٹر آمنہ خاتون ۔ خواجہ حمید الدین شاہد ، غلام رسول ، رشید حسن خان اور وارث سرہندی کی تحریریں قابل ذکر ہیں ۔ سید قدرت نقوی نے بھی اس موضوع پر بہت کچھ سوچا اور لکھا ہے ۔ میں نے ان سب کی تحریروں سے استفادہ کیا ہے لیکن کسی بات کے رد و قبول کے سلسلے میں طویل بحث چھیڑنے کے بجائے اس بحث کو اپنے ذہن میں محفوظ رکھنا پڑا ہے ۔ اول اس لیے کہ اس کی گنجائش یہاں نہیں تھی دوسرے یہ

کہ اس مقالے کا بنیادی مقصد مسائل کو علمی بحثوں میں الجھانا نہیں ، بلکہ اردو املا کے اصول و ضوابط کو اس طرح یکجا و مرتب کرنا ہے کہ عام و خاص فائدہ اٹھا سکیں ۔ چنانچہ استدلال و تجزیہ کو نظر انداز کر کے اس مقالے میں صرف نتائج کو درج کیا گیا ہے ۔ بیشتر نتائج وہ ہیں جن پر سب کا اتفاق ہے ۔ بعض اختلافی باتوں میں البتہ مجھے رد و قبول کی منزل سے گزرنا پڑا ہے ۔ میں نے اس سلسلے میں سہولت اور قبول عام پیش نظر رکھا ہے ۔ انشا اللہ خان نے دریائے لطافت میں لکھا ہے :

"جو لفظ اردو میں آیا وہ اردو ہو گیا خواہ وہ لفظ عربی ہو یا فارسی ، ترکی ہو یا سریانی ۔ پنجابی ہو یا پوربی ، اصل کی رو سے غلط ہو یا صحیح ، وہ لفظ اردو کا لفظ ہے ۔ اگر اصل کے موافق مستعمل ہے تو بھی صحیح اور اگر اصل کے خلاف ہے تو بھی صحیح ۔ اس کی صحت اور غلطی اس کے اردو میں رواج پکڑنے پر منحصر ہے ۔ کیونکہ جو چیز اردو کے خلاف ہے وہ غلط ہے گو اصل میں صحیح ہو اور جو اردو کے موافق ہے وہی صحیح ہے خواہ اصل میں صحیح نہ بھی ہو" ۔

کسی لفظ کے تلفظ اور استعمال کے بارے میں انشا کی اس رائے کو اردو کے سارے علما و ماہرین نے تسلیم کیا ہے ۔ میں نے بھی اسی اصول کو اردو املا کے سلسلے میں اہم جانا ہے ۔ جس طرح عربی فارسی کی قواعد اور عروض کو نہیں بلکہ رواج عام اور مقبول عام کو ترجیح دینا چاہیے ۔ میں نے یہی کیا ہے اور بہت غور و فکر کے بعد کیا ہے ۔ اس کے باوجود یقین ہے کہ اس مقالے میں بعض کمزوریاں ہوں گی اس لیے کہ آدمی خطا و نسیان کا پتلا ہے ۔

"املا" باب افعال سے عربی مصدر ہے اور عربی میں اس کا صحیح املا ہمزہ کے ساتھ اس طور پر ہوگا 'املاء' لیکن اردو میں املا کا لفظ ہمزہ کے بغیر لکھا جاتا ہے ۔ املا کے لغوی معنی ہیں لکھنا ، لکھوانا اور رسی دراز کرنا ، زبان کی اصطلاح میں "املا" سے مراد کسی لفظ کو مقررہ ضابطوں

کے ساتھ اس طرح لکھنا ہے کہ بولنے اور پڑھنے میں اسے صحیح تلفظ کے ساتھ ادا کیا جا سکے یہ اسی وقت ممکن ہے جب کہ :

(الف) کسی خاص لفظ کے لیے جو حروف مخصوص ہیں وہ لفظ انھیں حروف کی مدد سے لکھا گیا ہو ۔ مثلاً علم بمعنی جھنڈا کو ع ل م کے بجائے ا ل م سے لکھنا صحیح نہ ہوگا ۔

(ب) حروف کو باہم ملانے کے جو اصول مقرر ہیں ان کی پابندی کی گئی ہو ، یعنی ہر لفظ میں حروف اور ان کے شوشے اور جوڑ وغیرہ کسی ضابطے کے تحت بنائے گئے ہیں ۔

(ج) حسب ضرورت ہر لفظ کے حروف پر اعراب یعنی زیر ، زبر ، پیش اور تشدید و تنوین وغیرہ کے نشانات مثلاً "مقدم" کے لفظ میں جب تک میم پر پیش اور ق پر تشدید کا نشان نہ ہوگا ، صحیح تلفظ کے ساتھ پڑھنا اور بولنا مشکل ہوگا ۔ اس لیے کہ اس شکل کا دوسرا لفظ "مقدم" (خیر مقدم) بھی ہے اور بغیر اعراب و تشدید کے "مقدم" اور "مقدم" ایک ہو جائیں گے ۔

صحت املا کے سلسلے میں ان شرائط کو پورا کرنے کا تعلق چونکہ کسی لفظ کے حروف اور ان کی اشکال کے ساتھ ساتھ اعراب و بعض علامات کے صحیح استعمال سے ہے ۔ اس لیے محل استعمال سے پہلے حروف کی اشکال اور اعراب و علامات کا اجمالی ذکر مناسب معلوم ہوتا ہے ۔

اب سے بیس پچیس سال پہلے تک ہمارے یہاں مسلمان بچے بچیوں کی تعلیم کا سلسلہ یوں تھا کہ سب سے پہلے انھیں اپنے گھر یا پڑوس کے مکتب میں قرآن پاک پڑھانے کی غرض سے عربی حروف تہجی اور ان کی صوتی حرکات سکھلائی جاتی تھیں ۔ اس کے لیے "بغدادی قاعدہ" کے نام سے ایک مختصر سا نصاب مقرر تھا ۔ یہ اب بھی بعض گھرانوں اور قصبات کے دینی مدرسوں میں پڑھایا جاتا ہے ۔ جب بچے بغدادی قاعدہ ختم کر لیتے تھے تو انھیں قرآن پاک پڑھانا شروع کر دیا جاتا تھا ۔ عام طور پر قرآن پاک ختم کر لینے کے بعد ہی بچوں کو سرکاری یا انگریزی اسکولوں میں بھیجا جاتا تھا ۔ چنانچہ اسکولوں میں جب انھیں اردو کا قاعدہ یا پہلی کتاب پڑھائی جاتی تھی تو وہ عربی کے حروف تہجی سے واقف ہوتے تھے ۔ ان میں صرف پ ۔ چ ۔

ژ - گ کا اضافہ ہو جاتا تھا - بھ - پھ - تھ - ٹھ - جھ - چھ وغیرہ جیسی آوازیں جو بعض حرفوں کو دو چشمی ھ کے ساتھ ملانے سے پیدا ہوتی ہیں ، مخلوط آوازیں کہلاتی تھیں اور حروف تہجی میں شمار نہ ہوتی تھیں ، لیکن جیسے جیسے اردو صوتیات کے ضابطے مقرر ہوتے گئے ، اردو کے حروف تہجی کی تعداد بھی اس کے اعتبار سے متعین ہوتی گئی - چنانچہ اس وقت اردو حروف تہجی حسب ذیل ہیں :

ا - ب - بھ - پ - پھ - ت - تھ - ٹ - ٹھ - ث - ج - جھ - چ -
چھ - ح - خ - د - دھ - ڈ - ڈھ - ر - ڑ - ڑھ - ز - ژ - س - ش -
ص - ض - ط - ظ - ع - غ - ف - ق - ک - کھ - گ - گھ -
ل - لھ - م - مھ - ن - نھ - و - ہ - ء - ی - ے -

اردو کے مندرجہ بالا حروف تہجی یا حروف ہجا میں عربی فارسی اور علاقائی زبانوں کے حروف تہجی کی تقریباً ساری آوازیں شامل ہیں - اصطلاح میں حروف تہجی کو حروف ابجد بھی کہتے ہیں ، بات یہ ہے کہ اہل عرب اپنے حروف تہجی کو عددی قیمتوں کے لیے بھی استعمال کرتے تھے اور ان کی قیمتیں ، مقرر تھیں -

ان حروف میں سے بعض مذکر بولے جاتے ہیں ، بعض مؤنث جلیل مانک پوری نے لغت تذکیر و تانیث میں امیر مینائی کے حوالے سے "ب" اور اس کے ہم آواز حرفوں کو مؤنث بتایا ہے - اس لحاظ سے ب - بھ - پ - پھ - ت - تھ - ٹ - ٹھ - چ - چھ - ح - خ - ر - ڑ - ز - ژ - ف - ہ اور ی مؤنث ہیں مولوی عبدالحق نے د - ذ اور و کو بھی مؤنث لکھا ہے[1] جیم اور میم مختلف فیہ بتایا ہے ، یعنی انھیں مذکر بھی لکھ سکتے ہیں ، مؤنث بھی - صحیح بات یہ ہے - د - ڈ - ذ اور و بھی مختلف فیہ ہیں اساتذہ نے دونوں طرح استعمال کیا ہے -

قواعد نگاروں اور لغت نویسوں نے ان حروف کو مختلف اعتبار سے کئی گروہوں میں تقسیم کیا ہے اور ہر گروہ کا الگ الگ نام رکھا ہے -

---

۱ - قواعد اردو ، صفحہ ۳۸ ، مطبوعہ انجمن ترقی اردو کراچی ، ۱۹۵۱ء طبع چہارم -

بعض حرفوں کو بھی ان کی مختصر اور طویل آواز کے لحاظ سے کئی کئی نام دیے ہیں ۔

(۱) نقطے والے حروف مثلاً ب ۔ پ ۔ ج ۔ چ ۔ وغیرہ حروف منقوط یا حروف معجمہ کہلاتے ہیں ۔

(۲) بغیر نقطوں والے حروف غیر منقوط یا حروف مہملہ کہلاتے ہیں جیسے ۔ ا ، ح ، د ، ر ، س ، ص وغیرہ ۔

(۳) وہ حروف جن کے اوپر نقطہ آتا ہے فوقانی کہلاتے ہیں جیسے ت ۔ ث ۔ خ ۔ وغیرہ ۔

(۴) جن حروف کے نیچے نقطہ ہو وہ تحتانی کہلائیں گے جیسے ب ۔ پ ۔ ج ۔ وغیرہ ۔

(۵) ت ۔ ث ۔ د ۔ ذ ۔ ر ۔ س ۔ ش ۔ ص ۔ ض ۔ ط ۔ ظ ۔ ل ۔ ن ۔ حروف شمسی کہلاتے ہیں اس لیے کہ عربی الفاظ میں جب ان حرفوں سے پہلے ال آتا ہے تو پڑھا نہیں جاتا جیسے التائب ۔ الثاقب ۔ الدلیل ۔ الذاکر ۔ الرحیم ۔ الزجاج ۔ السلام ۔ الشمس الصباح ۔ الظاہر ۔ الظّل ۔ اللیل ۔ النوم وغیرہ ۔

(۶) ا ۔ ب ۔ ج ۔ ح ۔ خ ۔ ع ۔ غ ۔ ف ۔ ق ۔ ک ۔ گ ۔ م ۔ و ۔ ہ ۔ ی قمری کہلاتے ہیں ، اس لیے کہ ان سے پہلے ال پڑھا جاتا ہے ۔ جیسے حافظ الاسد ۔ عبدالجمیل ۔ عبدالحکیم ۔ الخطیب ۔ کلاب العالم ۔ الفریق ۔ شق القمر ۔ عبدالکریم ۔ عبدالملک ۔ عبدالواحد ۔ عبدالھادی وغیرہ ۔

(۷) جس الف پر مد یا مدہ آتا ہے اور کھینچ کر پڑھا جاتا ہے وہ الف ممدودہ کہلاتا ہے ۔ جیسے آم ۔ آج اور آلام وغیرہ کا الف ۔

(۸) جو الف کھینچ کر نہ پڑھا جائے وہ الف مقصوری کہلاتا ہے ۔ جیسے اب جب ۔ ابر ۔

(۹) چھوٹی ہ یا ہائے ہوز جب اپنی آواز ظاہر کرتی ہے تو ہائے ملفوظی کہلاتی ہے جیسے کوہ اور آہ میں ۔

(۱۰) بھ - پھ - تھ - ٹھ - جھ - چھ - ڈھ - ڑھ - کھ - گھ - لھ - مھ - نھ - کی دو چشمی ھ کو ہائے مخلوط کہتے ہیں -

(۱۱) بعض لفظوں کے آخر میں چھوٹی ہ اظہار حرکت کے لیے آتی ہے لیکن پڑھی نہیں جاتی ایسی ہ کو ہائے مختفی یا ہائے غیر ملفوظی کہتے ہیں جیسے شانہ - پستہ - نامہ - خامہ وغیرہ میں -

(۱۲) ح کو چھوٹی ہ سے ممتاز کرنے کے لیے بڑی ح یا ہائے حُطّی بھی کہتے ہیں -

(۱۳) جس واؤ سے پہلے پیش ہو اور کھینچ کر پڑھی جائے اسے واؤ معروف کہتے ہیں جیسے کُو کُو - ابرو اور بدبو ، تُو تُو وغیرہ کی واؤ -

(۱۴) اگر واؤ کھینچ کر نہ پڑھی جائے تو واؤ مجہول کہلائے گی جیسے غور - قول مُور اور شُور وغیرہ میں -

(۱۵) بعض الفاظ میں واؤ لکھی جاتی ہے لیکن تلفظ میں نہیں آتی - اس قسم کی واو کو واو معدولہ کہتے ہیں جیسے خوش - خواب خواہش میں -

(۱۶) اگر ی سے پہلے زیر ہو اور کھینچ کر پڑھی جائے تو یائے معروف کہلائے گی جیسے عید - شہید - نوید - کیل - جیل وغیرہ میں -

(۱۷) ایسی ی جسے کھینچ کر نہ پڑھا جائے یائے مجہول کہلاتی ہے جیسے بَیل - مَیل - سیر اور ریل - جیل - ڈھیر میں -

(۱۸) کسی لفظ کے درمیان میں آنے والی ی جب اپنی واضح آواز نہیں دیتی تو یائے مخلوط کہلاتی ہے جیسے پیار - خیال - کیا وغیرہ میں -

اردو کے یہ حروف تہجی کس کس شکل میں لکھے جاتے ہیں اور دوسرے حرفوں سے ملنے کے بعد ان کی شکلوں میں کیا کیا تبدیلیاں ہوتی

ہیں پہلے اس کی تفصیل دیکھتے چلئے اس تفصیل سے صحت املا کی بہت سی باتیں خود بخود واضح ہو جائیں گی ۔

(الف) عربی حروف تہجی میں الف کی کوئی انفرادی حیثیت نہیں ہے ۔ یہ دراصل ہمزہ کا قائم مقام ہے اس لیے عربی میں ہمیشہ حرکت کے ساتھ آتا ہے ۔ لیکن اردو میں یہ ایک مستقل حرف کی حیثیت رکھتا ہے اور ساکن و متحرک دونوں طرح استعمال ہوتا ہے مثلاً "اس" میں الف متحرک ہے اور "گائے" میں ساکن ۔

الف اپنے بعد والے حرف سے مل کر کبھی نہیں آتا ہاں اپنے ماقبل یعنی پہلے آنے والے حرف سے ملا کر لکھا جاتا ہے جیسے کا ۔ جا ۔ سا ۔ ما وغیرہ میں لیکن الگ لکھا جائے یا کسی حرف سے ملا کر دونوں صورتوں میں اس کی شکل ایک ہی رہتی ہے ۔ البتہ جب اسے کھینچ کر پڑھا جائے گا تو اوپر مد کا نشان (ٓ) لگا دیا جائے گا ۔ مد لگانے سے الف کی آواز دوگنی ہو جاتی ہے بات یہ ہے کہ مد دراصل الف ہی کی ایک شکل ہے جو الف ہی پر لگائی جاتی ہے یعنی ایک دوسرے کے اوپر اس طرح ا یا ایک دوسرے کے برابر یوں ا ا لکھنے کی بجائے آ کی شکل میں لکھتے ہیں جیسے آم ۔ آج ۔ آس ۔ وغیرہ میں ۔

(ب) اردو املا "ب" مختلف شکلوں میں لکھی جاتی ہے ۔

(۱) لفظ کے آخر میں اصل صورت میں آتی ہے جیسے آب ۔ ثواب ۔ نقاب وغیرہ میں ۔

(۲) س ۔ ش ۔ ص ۔ ض ۔ ط ۔ ظ ۔ ع ۔ غ ۔ ف ۔ ق ۔ و ۔ ی اور ے سے پہلے آئے گی تو الف کی شکل میں کھڑی لکھی جائے گی ۔ بشرطیکہ اپنے ماقبل سے متصل ہو جیسے بس ۔ نالش ۔ ابصار ۔ بضاعت ۔ بط ۔ بظاہر ۔ تابع ۔ بغل ۔ بفاتی ۔ بقا ۔ بوٹا ۔ بی بی ۔ اے وغیرہ

(۳) جب کسی لفظ میں دو حرفوں سے متصل ہو کر درمیان میں آئے گی تو صرف ابتدائی چھرے کے ساتھ لکھی جائے گی جیسے سبب ۔ طبیب وغیرہ میں ۔

(۴) ج - چ - ح - خ - اور م کے شروع میں بشرطیکہ اپنے ماقبل سے متصل نہ ہو ترچھے الف کی صورت میں لکھی جائے گی جیسے بج - بچ - بم وغیرہ میں -

(۵) بقیہ حرفوں سے پہلے آئے گی تو ابتدائی چہرے کے ساتھ آئے گی خواہ لفظ کے شروع میں آئے یا درمیان میں جیسے بن - بر - بڑ - بد - وغیرہ میں[1] -

(بھ - پھ) بھ - پھ - اور اس قبیل کے دوسرے حروف مثلاً تھ - ٹھ - ـسـھ جھ - چھ - دھ - ڑھ - کھ - گھ - لھ - نھ - مھ ہمیشہ اصل صورت میں لکھے جائیں گے خواہ لفظ کے شروع میں آئیں یا درمیان و آخر میں -

(ج) لفظ کے آخر میں آئے تو اصل صورت میں کسی حرف سے مل کر لفظ کے شروع یا درمیان میں آئے تو ابتدائی حصے یعنی چہرے کے ساتھ لکھا جائے گا جیسے کاج - راج - تاج - آج - حجاب - جامن - عجب - جناب اور جواب وغیرہ میں یہی صورت ح - چ - اور خ کی ہوگی -

(د) اپنے بعد آنے والے حروف سے کبھی متصل نہیں ہوتی - جیسے دوا - دیوار - دبلا وغیرہ - جب اپنے ماقبل سے ملتی ہے تو اپنی اصل شکل میں پوری کی پوری لکھی جاتی ہے - جیسے بد - بعد - عدد - سید - دید - وغیرہ میں "د" کے قبیل کے دوسرے حروف "ڈ" اور "ذ" کی بھی یہی صورت ہوگی -

(ر) ہمیشہ اصلی شکل میں استعمال ہوتی ہے جیسے رام - کرن - روم - مرہم - رستم اور جرمن وغیرہ میں صرف یہ کہ جب کسی حرف سے مل کر آتی ہے ، تو اس کا نچلا حصہ اوپر کے حصے سے کچھ لمبا اور ترچھا کر دیا جاتا ہے جیسے پتھر - اکثر - بدتر - سر - فرفر صرصر وغیرہ میں - ڑ ز اور ژ بھی ان کی طرح لکھی جائیں گی -

(س) لفظ کے آخر میں مکمل صورت میں اور کسی حرف کے شروع یا دو

---

۱ - حرف ب کے سلسلے میں جو باتیں اوپر بیان کی گئی ہیں ان کا اطلاق اس قبیل کے دوسرے حروف پ - ت - ٹ - ث وغیرہ پر بھی ہوگا -

حرفوں کے بیچ میں آئے تو صرف چہرے یعنی ابتدائی دو شوشوں کے ساتھ لکھنا چاہیے جیسے آس پاس ۔ راس ۔ گھاس ۔ ناس ۔ تسم ۔ سچ ۔ تقسیم ۔ قسمت ۔ سیب اور سرسد وغیرہ میں یہی صورت ش ۔ ص ۔ ض ۔ ف ۔ ق ۔ ل ۔ م کی ہوگی یعنی جب لفظ آخر میں آئیں گے تو س کی طرح اصلی شکل میں لکھے جائیں گے ۔ شروع اور درمیان میں ہوں گے تو صرف چہرہ بنا دینا کافی ہوگا جیسے کاش ۔ ناقص ۔ قابض ۔ غلاف ۔ طوق ۔ اجمل ۔ اسلام ۔ شربت ۔ مشرق ۔ صورت ۔ وصیت ۔ ضابطہ ۔ بضاعت ۔ فارسی ۔ تفریق ۔ قلم ۔ مقیم ۔ لمس ۔ بلبل اور مور ۔ دامن وغیرہ میں ۔

(ط ۔ ظ) ان کی شکل میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی ۔ شروع میں آئیں یا درمیان و آخر میں اصلی شکل میں لکھے جائیں گے جیسے طالب ۔ مطلوب ۔ نشاط ۔ ظالم ۔ مظلوم اور حافظ وغیرہ میں ۔

(ع ۔ غ) جب لفظ کے آخر میں کسی حروف سے ملے بغیر آئیں گے تو اصلی صورت میں لکھے جائیں گے جیسے الوداع ۔ صناع ۔ رکوع ۔ دروغ ۔ مرغ ۔ باغ وغیرہ میں ۔ لفظ کے آخر میں اپنے ماقبل سے مل کر آئیں تو بھی مکمل صورت میں لکھے جائیں گے لیکن ان کے چہروں میں معمولی سی تبدیلی کی جائے گی جیسے شمع ۔ سمیع ۔ منافع ۔ تواضع اور تبلیغ وغیرہ میں ۔

(۲) لفظ کے شروع میں حرف اصلی چہرے کے ساتھ لکھے جائیں گے ۔ جیسے عابد ۔ عوض ۔ عرصہ ۔ عنصر ۔ غم ۔ غیر ۔ غبارہ ۔ غرض ۔ وغیرہ ۔

(۳) دو حرفوں سے مل کر جب لفظ کے درمیان میں آئیں گے تو بھی صرف چہروں کے ساتھ لکھے جائیں گے ۔ لیکن چہرہ قدرے بدل جائے گا جیسے سعدی ۔ معبود ۔ بعد ۔ بغداد ۔ تغزل ۔ مغز وغیرہ میں ۔ لیکن ع غ کے چہروں کی تبدیلی صرف نستعلیق خط میں ہوتی ہے ۔ موجودہ نسخ اور ٹائپ میں اصلی چہروں کے ساتھ بھی لکھے جاتے ہیں جیسے بغداد ۔ تغزل ۔ مغز وغیرہ ۔

(ک ۔گ) مختلف شکلوں میں لکھے جاتے ہیں ۔

(۱) لفظ کے آخر میں خواہ کسی حرف سے مل کر آئیں یا الگ پورے کے پورے لکھے جائیں گے جیسے پاک ۔ چوک ۔ مالک ۔ ماگ ۔ روگ ۔ جنگ وغیرہ ۔

(۲) الف اور ل کے شروع میں مل کر آئیں گے تو خواہ لفظ کے شروع میں ہوں یا درمیان میں ان کے چہرے سمٹ کر قدرے گول ہو جائیں گے جیسے کام ۔ کاش ۔ گال ۔ گاما ۔ کل ۔ کلثوم ۔ گل ۔ کل وغیرہ اور بکاولی خیر سگالی اور بگلا وغیرہ میں ۔

(۳) الف اور ل کے علاوہ جب کسی اور حرف سے مل کر لفظ کے شروع میں یا لفظ کے بیچ میں آئیں گے تو صرف چہروں کے ساتھ لکھے جائیں گے جیسے کریم ۔ کمب ۔ کف ۔ مکرم ۔ کرم ۔ شکرا ۔ گرم ۔ کمتر ۔ گپ تگڑم ۔ جھگڑا وغیرہ میں ۔

(ل) (۱) لفظ کے آخر میں خواہ اپنے ماقبل سے مل کر آئے یا الگ ، اصلی شکل میں لکھا جائے گا جیسے شکل ۔ قبل ۔ چل ۔ جل ۔ گول ۔ جال ۔ کدال ۔ شال وغیرہ میں ۔

(۲) لفظ کے شروع یا بیچ میں صرف ابتدائی حصے یعنی چہروں کے ساتھ لکھا جائے گا جیسے لب ۔ لداخ ۔ بلدیہ ۔ لاج ۔ کالج ۔ گلدان مطلب وغیرہ میں ۔

(ن) مندرجہ ذیل شکلوں کے ساتھ لکھا جاتا ہے ۔

(۱) لفظ کے آخر میں خواہ ماقبل سے مل کر آئے یا علاحدہ پورے کا پورا لکھا جائے گا جیسے مکان ، مدفون ، احسان ، چلن ، زمین بچپن وغیرہ میں ۔

(۲) س ۔ ش ۔ ص ۔ ض ۔ ط ۔ ظ ۔ ع ۔ غ ۔ ف ۔ ق ۔ و ۔ ی اور ے سے قبل متصل ہو کر آئے گا تو صرف ابتدائی حصہ ، الف کی طرح کھڑا لکھا جائے گا ۔ جیسے نسل ۔ نشہ ۔ نصرت ۔ نعمت ۔ نفر ۔ نفی ۔ نقی ۔ نور ۔ پانی اور آنے وغیرہ میں ۔

(۳) ج ۔ چ ۔ ح ۔ خ ۔ م اور ہ کے شروع میں متصل ہوگا تو ترچھا

الف کی صورت میں لکھا جائے گا جیسے نجی - نچلا - نجوسی - نخل - نم - نہلا وغیرہ میں -

(۴) باقی حرفوں کے شروع میں ب کی طرح ابتدائی صورت میں لکھا جائے گا جیسے نانا - بندہ - ندا - خداوند - نگ - نلکا وغیرہ میں -

(۵) جب کسی لفظ میں ن کی واضح آواز کے بجائے نون غنہ کی آواز ہو تو بغیر نقطہ کے پورا نون لکھا جائے گا جیسے ماں - کہاں - جہاں - وہاں - وغیرہ -

(و) خواہ کسی لفظ کے شروع میں آئے خواہ درمیان اور آخر میں دوسرے حرف مل کر آئے یا الگ اصلی شکل میں لکھی جائے گی جیسے واحد - وعدہ - مولود - کوکو - توکل - توجیہہ - بوتل وغیرہ -

(ہ) اسے چھوٹی ہ یا ہائے ہوز کہا جاتا ہے اس کی حسب ذیل شکلیں مستعمل ہیں :

(۱) ہ : لفظ کے آخر میں الف اور واؤ کے بعد آتی ہے جیسے آہ - کلاہ - گواہ - ماہ - کوہ - سوہ وغیرہ میں -

(۲) ہ : کسی لفظ کے شروع میں ج - چ - ف - م اور و سے مل کر استعمال ہوتی ہے جیسے ہجر یا ہچر مچر - ہفتہ - ہم اور ہوا وغیرہ میں ج - خ - ص - ض - ط - ظ - ع - غ - ق - سے قبل بھی اسی طرح آئے گی -

(۳) ہ : ا - ب - پ - ت - ٹ - د - ڈ - ذ - ر - ڑ - ژ - ز - س - ش - ک - گ - ل - ن - اور ی سے متصل ہو کر آتی ہے بشرطیکہ خود ماقبل سے متصل ہو جیسے ہاکی - آہا - پیسہ - دہی - ہتھکاری - چاہت - ہٹیالا - تریاہٹ - ہدہد - ہڈی - ہڈیاں - ہڑ - ہزار - ہستی - ہک - گاہک - ہہی - ہگو - ہل - موہن - ہن - ہی اور ہے وغیرہ میں - بھ - پھ - تھ - ٹھ - ڈھ - ڑھ - کھ اور گھ کے شروع میں بھی اس شکل میں آئے گی -

(۴) ہ - کسی لفظ میں اپنے ماقبل سے متصل ہونے کی صورت میں

لکھی جاتی ہے جیسے بہت - بہشت - بہار - بہادر - بہرا - پہاڑ - تہمت - ٹہلنا - ٹہنی - جہیز - جہالت - جہل - چہکنا - سہنا - سہارا - سہم - شہر - شہید - صہبا - صہیب - اطہر - طہران - عہد - عہدہ - فہمیدہ - افہام - قہر - قہار - کہر - کہنا - گہنا - گہر - لہنگا - لہو - نہلا - مہنگا - مہر - مہارت - یہی یہاں وغیرہ میں -

(۵) ہ لفظ کے آخر میں آتی ہے اور ہ کی آواز نہیں دبتی اسے ہائے مختفی کہتے ہیں - جیسے کشتہ - نگینہ - جامہ - خامہ وغیرہ میں -

(۶) ہ اللہ - الحمد للہ - سبحان اللہ - مالہ و ماعلیہ - مدعا علیہ - وغیرہ میں -

(۷) ھ ھ - یہ شکل جھ - چھ - بھ - تھ - ٹھ - جھ - چھ - دھ - ڈھ - ڑھ - کھ - گھ - لھ - مھ - نھ کے لیے مخصوص ہے -

(ء) عربی زبان کے لیے مخصوص ہے اور حرف اصلی کی صورت میں عام طور پر لفظ کے شروع ، درمیان اور آخر تینوں جگہ آتا ہے جیسے أمر - سائل - سؤ - ابتداء وغیرہ میں لیکن اردو فارسی میں ہمزہ حرف اصلی کے طور پر کسی لفظ میں نہیں آتا - چنانچہ اردو فارسی کا نہ کوئی لفظ ہمزہ سے شروع ہوگا اور نہ اس پر ختم ہوگا - عربی کے جن لفظوں کے آخر میں ہمزہ آتا ہے وہ بھی اردو میں بغیر ہمزہ کے لکھے جاتے ہیں غیر عربی و فارسی الفاظ میں ہمزہ کا استعمال ، واؤ اور ی پر ان کی حرکات کو ظاہر کرنے کے لیے کیا جاتا ہے اس کی دو شکلیں ہیں[1] - ایک بغیر شوشہ دوسری شوشے کے ساتھ -

---

۱ - بعض حضرات ہمزہ کو مد کی شکل میں لکھتے ہیں جیسے گئی - کئی وغیرہ - یہ غلط محض ہے - ہمزہ کی اصل شکل عین کے چہرے کی طرح ہے ، اضافی شوشے کے ساتھ ہمزہ کا استعمال صرف یائے معروف اور یائے مجہول کے ساتھ ہوگا جیسے - زائیدہ ، قارئین ، بقائی ، ہوئی ، ہوئے ، نئے ، گئے ، خدائی ، مئی ، نئی ، گئی وغیرہ میں -

(۱) ء (بغیر شوشہ) ہمزہ کی اصلی شکل یہی ہے اور اس کو ہر جگہ استعمال کرنا چاہیے ۔

(۲) ئ (شوشہ دار) یہ شکل صرف چھوٹی ی کے ساتھ جبکہ ہمزہ اپنے ماقبل سے متصل نہ ہو استعمال ہوتی ہے جیسے رائی ۔ لائی ۔ پائی ۔ آئی ۔ آئیں اور جائیں وغیرہ میں ۔

(ی) اس کی مندرجہ ذیل شکلیں استعمال ہوتی ہیں ۔

(۱) لفظ کے آخر میں مکمل صورت میں لکھی جاتی ہے جیسے آدمی ۔ قومی ۔ وہی ۔ مٹی ۔ بنی ۔ کبھی ۔ سبھی ۔ سجی ۔ چچی ۔ مرغی ۔ خوشی وغیرہ میں ۔

(۲) بعض حروف مثلاً ب ۔ پ ۔ ت ۔ ٹ ۔ ث ۔ ک ۔ گ ۔ ل ۔ ن ۔ اور ہ کے بعد بشرطیکہ یہ حروف اپنے ماقبل سے متصل نہ ہوں ۔ ی کا ابتدائی حصہ محذوف ہو جاتا ہے جیسے بی بی ۔ ناشپاتی ۔ جوانی ۔ وارثی ۔ ذکی ۔ جاگی ۔ لالی ۔ مالی ۔ بھائی ۔ وغیرہ میں ۔

(۳) جب لفظ س ۔ ش ۔ ص ۔ ض ۔ ط ۔ ظ ۔ ع ۔ غ ۔ ف ۔ ق ۔ و اور ی سے پہلے متصل ہو کر آئے اور اپنے ماقبل سے متصل نہ ہو تو ب اور ن کی طرح الف کی شکل میں لکھی جائے گی ۔ جیسے تقریظ ۔ پریشان ۔ عریض ۔ دریغ ۔ ظریف ۔ صدیق ۔ ایوب ۔ زاویے ۔ یقین وغیرہ میں ۔

(۴) ج ۔ چ ۔ ح ۔ خ ۔ م اور ی کے شروع میں بشرطیکہ ماقبل سے متصل نہ ہو ترچھے الف کی شکل میں آئے گی جیسے دریچہ ۔ تراویح ۔ مریخ ۔ مریم وغیرہ میں ۔

(۵) بقیہ حروف کے شروع میں (جبکہ ماقبل سے متصل نہ ہو) یا متصل ہو کر دو حرفوں کے درمیان میں آئے گی تو ب کے چہرے کی طرح لکھی جائے گی جیسے یاور ۔ عید ۔ شہید ۔ ناریل ۔ مرید ۔ تدبیر ۔ پیڑ ۔ بیل ۔ کیل ۔ جھیل ۔ سیر ۔ وغیرہ میں ۔

(ے) ہمیشہ لفظ کے آخر میں اصلی صورت میں لکھی جاتی ہے جیسے گائے ۔

جائے - آئے - چائے - گھوڑے - اس لیے - کے لیے - پیارے - سونے - شوشے وغیرہ میں -

اعراب: زبان کی اصطلاح میں اعراب سے مراد وہ علامتیں ہیں جو کسی حرف کی حرکت کو ظاہر کریں اور کسی لفظ کے تلفظ کو متعین کرنے کے لیے استعمال ہوتی ہیں - اردو املا میں یہ کام زیر - زبر - پیش اور ا - و - ی سے لیا جاتا ہے - جس حرف پر زبر - زیر - پیش میں سے کوئی نشان آئے گا وہ متحرک اور جس پر کوئی نشان نہ آئے گا وہ ساکن کہلائے گا - ساکن حرف میں جزم کے نام سے یہ نشان ^ لگا دیتے ہیں - زبر کو عربی میں فتحہ ، زیر کو کسرہ اور پیش کو ضمہ کہتے ہیں - جس حرف پر زبر آئے اسے مفتوح جس پر زیر ہو اسے مکسور اور جس پر پیش ہو اسے مضموم کہتے ہیں - زبر کا نشان ــَـ زیر کا نشان ــِـ اور پیش نشان ــُـ ہے -

ا ، و ، ی اردو کے حروف تہجی میں بھی شامل ہیں اور انھیں عربی و فارسی قواعد کی تقلید میں حروف میں (Vowels) کہا جاتا ہے - اردو کے دوسرے حروف کو حروف صحیحہ (Consonants) کہتے ہیں ا ، و ، ی کا استعمال حروف صحیحہ کے طور پر بھی ہوتا ہے اور حرف علت کے طور پر بھی - جب یہ اپنی اصلی یا ابتدائی آواز کے ساتھ استعمال ہوں گے تو صحیحہ کہلائیں گے جیسے اسلی اور تارا کا الف واحد اور ہوا کی واؤ اور یاور اور صیاد کی ی - اس کے برعکس جب یہ حروف اظہار حرکت کے لیے آئیں گے تو حروف علت کہلائیں گے - ا ، و ، ی اور زبر زیر پیش کہنے کو تو چھ حروف علت ہیں ، لیکن ان کی مدد سے اردو میں دس آوازیں پیدا ہوتی ہیں - اس لحاظ سے اردو میں اعراب یا حروف علت کی تعداد چھ نہیں دس ہے - ان آوازوں اور علامتوں کی تفصیل یہ ہے :

(۱) زبر (فتحہ) ــَـ زبر یا فتحہ کا نشان حروف کے اوپر لگایا جاتا ہے جیسے اَب - سَب - ہَل میں ا ، س ، ہ - یا جَنگَل میں ج اور

گ سَبَب میں س اور ب ، کَمَر میں ک اور م اور خَبَر میں
خ اور ب ۔

(۲) زیر (کسرہ) ـــِـ زیر حروف کے نیچے لکھا جاتا ہے جیسے جِن ۔
دِل ۔ گِن ۔ رِم ۔ ج ۔ د ۔ گ اور ر ۔

(۳) پیش (ضمہ) ـــُـ پیش بھی زبر کی طرح حرف کے اوپر آتا ہے جیسے
اُس ۔ چُپ ۔ خُم ۔ دُکھ ۔ گُن میں الف ۔ چ ۔ خ ۔ د اور گ ۔

(۴) آ : آواز ماقبل زبر سے پیدا ہوتی ہے یہ بھی ایک طرح کا زبر
ہے لیکن ذرا کھینچ کر پڑھا جاتا ہے جیسے مالن ۔ کاش ۔
چاپ ۔ شام وغیرہ میں ۔

(۵) آو ۔ یہ آواز "و" ماقبل (یعنی و سے پہلے آنے والے حرف پر
زبر سے) پیدا ہوتی ہے ۔ جیسا کہ سَو ۔ نَو ۔ جَو ۔ لَو ۔ قَول وغیرہ
سے ظاہر ہے ۔

(۶) آو ۔ "و" ماقبل پیش سے پیدا ہوتی ہے جیسے کھولنا ۔ بولو ۔
ڈھول ۔ گولا ۔ سونا ۔ رونا ۔ کوئی وغیرہ میں ۔

(۷) "اُو" یہ بھی "و" ماقبل پیش سے پیدا ہوتی ہے ۔ لیکن اس میں
"و" کھینچ کر پڑھی جاتی ہے اور واؤ معروف کہلاتی ہے جیسے
بو ۔ تو ۔ کولو ۔ بولو ۔ خوبو وغیرہ میں ۔

(۸) ای ۔ آواز "ی" ماقبل زبر سے پیدا ہوتی ہے جیسے بَیل ۔ سَیر ۔
بَیٹ ۔ تَھیلا ۔ مَیلا ۔

(۹) ای ۔ یہ بھی "ی" کی مدد سے پیدا ہوتی ہے لیکن ی سے پہلے
زبر کا آنا ضروری ہے ۔ جیسے ریل ۔ بیل ۔ کھیل ۔ گھیر ۔
دیر ۔ دیو ۔ سیو ۔ چیل وغیرہ میں ۔

(۱۰) اِی ۔ یہ آواز بھی " ی " ماقبل زیر سے پیدا ہوتی ہے لیکن اس

میں ی کو کھینچ کر اس طرح پڑھتے ہیں کہ ی کی آواز دوگنی ہو جاتی ہے جیسے میر ، جھیل ، کیل ، منیر ، نیل ، تین ، وغیرہ میں -

اعراب کی یہ ساری علامتیں کسی ایک حرف کی مدد سے اس طور پر واضح کی جا سکتی ہیں -

۱ - زبر	َ	جیسے	مَل	(MAL)
۲ - زیر	ِ	"	مِل	(MIL)
۳ - پیش	ُ	"	مُل	(MUL)
۴ - آ		"	مَال	(MAAL)
۵ - آو		"	مولا	(MAULA)
٦ - آو		"	مول	(MOLE)
۷ - اُو		"	مولی	(MOOLI)
۸ - اَے		"	میلا	(MA'ELA)
۹ - ای		"	میلا	(MELA)
۱۰ - اِی		"	میل	(MEEL)

ان آوازوں پر اگر غور کیا جائے تو اندازہ ہوگا کہ یہ سب بنیادی طور پر زبر - زیر - پیش کو مختلف انداز سے پڑھنے سے پیدا ہوتی ہیں - ا ، و ، ی ، صرف ان کی معاونت کرتے ہیں - بہر صورت ان آوازوں اور ان کے نشانات و علامات کو صحت املا کے لیے ذہن میں رکھنا ضروری ہے -

حروف : حروف کے مختلف نشانات اور اعراب کی علامتوں کے علاوہ بعض دوسری علامتوں کی وضاحت بھی اس جگہ ضروری ہے -

تنوین : نون کی آواز پیدا کرنے کو تنوین کہتے ہیں - اس کے لیے کسی لفظ کے آخری حرف پر دو زبر ً دو زیر ٍ یا دو پیش ٌ لگائے جاتے ہیں - تنوین عربی الفاظ کے لیے مخصوص ہے - اردو اور

فارسی میں اس کا استعمال نہیں ہے ۔ البتہ عربی کے بہت سے الفاظ اردو میں تنوین کے ساتھ لکھے جاتے ہیں ۔ جیسے ۔ فوراً ۔ فرداً ۔ اسماً ۔ نسلاً بعد نسلٍ ، اردو املا میں تنوین کا استعمال کہاں ہونا چاہیے اور کہاں نہیں ، اس کی تفصیل آگے آئے گی ۔

تشدید : جب کسی لفظ میں ایک حرف دو بار آواز دیتا ہے اور دو بار پڑھا جاتا ہے تو اسے دو دفعہ لکھنے کی بجائے صرف ایک بار لکھتے ہیں اور اس پر تشدید کا نشان ــّـ لگا دیتے ہیں جیسے بلّی کتّا ۔ بچّہ ، لڈّو ، اچھّا میں ۔ جس حرف پر تشدید آتی ہے وہ مشدد کہلاتا ہے یہ حرف پہلی بار ساکن اور دوسری بار متحرک ہوتا ہے جیسا کہ اوپر کی مثالوں سے ظاہر ہے ۔

رموز اوقاف یا علاماتِ اوقاف

انفاظ کو صحت املا کے ساتھ لکھنے کے بعد جملے یا عبارت کو صحیح طور پر لکھنے کی منزل آتی ہے ۔ عبارت کے صحیح طور پر لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ اسے صحیح طور پر پڑھا جا سکے ۔ اس کے لیے بھی چند علامات مقرر ہیں ۔ انہیں اصطلاحی زبان میں رموز اوقاف (Punctuation) کہا جاتا ہے رموز جمع ہے ۔ رمز کی اور رمز کے معنی ہیں اشارہ یا علامت اور اوقاف جمع ہے وقف کی وقف کے معنی ہیں ٹھہراؤ یا وقفہ ۔

اردو زبان کی اصطلاح میں رموز اوقاف بقول مولوی عبدالحق ، ان علامتوں کو کہتے ہیں ، جو ایک جملے کو دوسرے جملے سے یا کسی جملے کے ایک حصے کو دوسرے حصوں سے علیحدہ کریں ۔ ان اوقاف کا بڑا فائدہ یہ ہے کہ اول تو ان کی وجہ سے نظر کو سکون ملتا ہے اور وہ تھکنے نہیں پاتی ۔ دوسرے بڑی بات یہ ہے کہ ذہن جزو جملہ کی اصلی اہمیت کو جان لیتا ہے اور مطلب سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے ۔

اردو میں " رموز اوقاف " کو ایک مدت تک نظر انداز کیا گیا ہے ۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ قدیم مخطوطات و مطبوعات کے متن کی تدوین اور

قرأت میں بڑی مشکل پیش آتی ہے - استاذی ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان صاحب کے قول کے مطابق مولانا حالی کی "یادگار غالب" پہلی کتاب ہے - جس میں رموز اوقاف کا ہر طرح لحاظ رکھا گیا ہے - اردو میں رموز اوقاف کی مستعمل اور مروج علامتیں یہ ہیں :

اردو نام	علامت	انگریزی نام
۱ - ختمہ (پورا ٹھہراؤ)	.	Full Stop
۲ - سکتہ (چھوٹا ٹھہراؤ)	،	Comma
۳ - وقفہ (ٹھہراؤ)	؛	Semi Colan
۴ - رابطہ	:	Colan
۵ - تفصیلیہ	:—	Colan—Dash
۶ - خط	—	Dash
۷ - سوالیہ	؟	Interogation
۸ - فجائیہ اور ندائیہ	!	Exclamation
۹ - قوسین	( )	Bracket
۱۰ - واوین	" "	Inverted Comma
۱۱ - زنجیرہ	-	Hyphen

حروف اور ان کی مختلف شکلوں کا محل استعمال

اردو املا کے سلسلے میں جو باتیں اب تک زیر بحث آئی ہیں ، ہر چند کہ ان کا تعلق صرف حروف کی اشکال ، اعراب کے نشانات اور بعض دوسری علامتوں سے ہے - لیکن ہیں بنیادی حیثیت کی - اس لیے کہ جب تک ان باتوں سے آگاہی نہ ہو ، صحت کے ساتھ کسی لفظ یا عبارت کا لکھنا بہت مشکل ہے - اب اس پر غور کرنا کہ جن اشکال و علامات کا ذکر اوپر آیا ہے ان کا صحیح استعمال کہاں کہاں اور کس کس طرح ہو گا - اس سلسلے میں صرف ان حروف و علامات کو زیر بحث لایا جائے گا جن کا استعمال عام طور پر غلط کیا جا رہا ہے یا جن کے استعمال میں غلطی کے امکانات زیادہ ہیں -

(الف) الف کے استعمال میں قابل توجہ مقامات حسب ذیل ہیں -

(۱) عربی و فارسی کے بعض الفاظ جن کے آخر میں ہائے مختفی یا ہائے غیر ملفوظی ہوتی ہے ، الف کی آواز پر ختم ہوتے ہیں اس قیاس پر بعض غیر عربی و فارسی یا ہندی الفاظ بھی الف کے بجائے ہائے مختفی سے لکھے جانے لگے ہیں جیسے ۔ گھونسلہ ، مہینہ ۔ بھروسہ ۔ ناشتہ ۔ بٹہ ۔ تمغہ ۔ دوپٹہ ۔ باڑہ ۔ بیڑہ ۔ بٹوہ ، بلبلہ ، بنجارہ ، لچہ ، پسینہ تارہ ۔ چبوترہ ۔ کتھہ ۔ دھوکہ ۔ میلہ ۔ ڈرامہ ۔ مارکہ (نشان) ۔ بھانجہ ۔ بھتیجہ ۔ تانگہ ۔ پٹاخہ ۔ اکہ ۔ آنولہ ۔ ڈبہ ۔ راجہ ۔ دھاکہ ۔ کلیجہ ۔ بھتہ ۔ روپیہ وغیرہ اردو املا میں ان الفاظ کے آخر میں "ہ" کے بجائے الف لکھنا چاہیے ۔ چنانچہ ان کا صحیح املا ہو گا : گھونسلا ۔ مہینا ۔ بھروسا ۔ ناشتا ۔ بٹا ۔ تمغا ۔ دوپٹا ۔ باڑا ۔ بیڑا ۔ بٹوا ۔ بلبلا ۔ بنجارا ۔ لچا ۔ پسینا ۔ تارا ۔ کتھا ۔ دھوکا ۔ میلا ۔ ڈراما ۔ مارکا ۔ بھانجا ۔ بھتیجا ۔ تانگا ۔ پٹاخا ۔ اکا ۔ آنولا ۔ ڈبا ۔ راجا ۔ دھاکا ۔ کلیجا ۔ بھتا ۔ روپیا وغیرہ ۔ اس قسم کے لفظوں میں آنہ ، اور پتہ کو مستثنیٰ کر سکتے ہیں تا کہ "آنا" اور ، پتا ، میں فرق قائم رہے ۔ لیکن اسم علم یا خاص نام (Proper Noun) پر مندرجہ بالا اصول کا اطلاق نہ ہوگا یعنی غیر عربی فارسی اسم علم کے آخر میں اگر ہائے مختفی لکھی جاتی ہے تو وہ اسی طرح قائم رہے گی جیسے پٹنہ ۔ آگرہ ۔ ہزارہ ۔ ڈونڈلہ ۔ شملہ وغیرہ[1] ۔

(۲) عربی کے بعض الفاظ میں الف مقصورہ "ی" کے اوپر لکھا جاتا ہے ، جیسے مولیٰ مولٰنا ۔ علٰحدہ ۔ دعویٰ ۔ تقویٰ ۔ مربیٰ ۔ مصفیٰ ۔ منقیٰ ۔ معریٰ ۔ مطلیٰ ۔ معمیٰ ۔ مدعیٰ ۔ معلیٰ ۔ تقاضیٰ ۔ اعلیٰ ، ادنیٰ ، وغیرہ میں ۔ اردو املا میں "ی" کی ضرورت نہیں صرف الف سے لکھنا چاہیے ۔ جیسے

---

(۱) اردو کی گنتیاں گیارہ تا اٹھارہ بھی "ہ" کے ساتھ لکھی جائیں گی ۔ یعنی ان کے آخری حرف "ہ" کو الف سے بدلنا درست نہ ہوگا ، سارے ماہرین اردو اس پر متفق ہیں ۔

مولانا ، علیحدہ - دعوا - تقوا - مربا - معا - منقا - معرا - مدعا - مصفا - مقفا - مطلا - تقاضا - اعلا - ادنا - وغیرہ - لیکن اسم علم (Proper Noun) میں اصل املا قائم رہے گا - چنانچہ عیسیٰ - موسیٰ ، سلمیٰ کو اسی طرح لکھا جائے گا۔

(۳) عربی و فارسی کے بعض الفاظ کے آخر کی ہائے مختفی بھی اردو جمع کی صورت میں الف سے بدل جاتی ہے - چنانچہ بیوہ ، دایہ - قحبہ ، قابلہ ، سلمہ ، خلیفہ اور علامہ کی جمع تحریری صورت میں ، بیوائیں - دایائیں - قحبائیں - قابلائیں - سلمائیں - خلیفاؤں اور علاماؤں ہو گی -

(۴) عربی کے وہ مصادر جو افعال ، افتعال اور استفعال کے وزن پر آتے ہیں اور جن کے آخر میں ہمزہ آتا ہے اردو میں بغیر ہمزہ لکھے جائیں گے مثلاً -

(الف) افعال کے وزن کے الفاظ میں املاء - انشاء - اخفاء - القاء وغیرہ کا املا اردو میں ، املا ، انشا ، اخفا اور القا ہو جائے گا -

(ب) افتعال کے وزن کے لفظوں میں ابتداء - اشتہاء - ارتقاء - استواء - التواء - اقتداء - اقتضاء - ابتلاء - وغیرہ کو اردو میں ابتدا - اشتہا - ارتقا - استوا - التوا - اقتدا - اقتضا اور ابتلا لکھا جائے گا -

(ج) استفعال کے وزن کے الفاظ میں استعفاء - استفتاء استغناء - استثناء - استدعاء - استقراء اور استنجاء وغیرہ کو بھی ہمزہ کے بغیر لکھاجائے گا -

(۵) عربی کے بعض الفاظ کی جمع فعلاء کے وزن پر ہمزہ کے ساتھ آتی ہے جیسے شعراء - جہلاء - امراء - فقراء - وزراء - حکماء اور غرباء - وغیرہ انہیں بھی ہمزہ کے بغیر شعرا - جہلا - امرا - فقرا - وزرا - حکما اور غربا لکھا جائے گا -

(۶) عربی کے کچھ اور ایسے الفاظ مستعمل ہیں جن کے آخر میں

ہمزہ آتا ہے جیسے کبریاء - دعاء - دواء - بلاء - عشاء - سوء وغیرہ اردو املا میں یہ بھی ہمزہ کے بغیر کبریا ، دعا ، دوا بلا ، عشا ، سو ، وغیرہ لکھے جائیں گے -

(۷) عربی میں بعض الفاظ کا مؤنث فعلیٰ کے وزن پر آتا ہے جیسے اکبر سے کبریٰ - اصغر سے صغریٰ ، احسن سے حسنیٰ ، اول سے اولیٰ ، اعظم سے عظمیٰ وغیرہ - اردو میں کبرا - صغرا - حسنا - اولا - عظا لکھنا چاہیے - البتہ اگر یہ اسم علم ہوں اور کوئی شخص اپنے نام کے ہجے عربی املا ہی کی طرح لکھتا ہو تو ایسے خاص موقعوں پر اصل صورت ہی برقرار رہے گی -

(۸) عیب و رنگ کے معنی رکھنے والے بعض عربی الفاظ کی تانیث فعلاء کے وزن پر آتی ہے جیسے اسود سے سوداء - خضر سے خضراء - اصفر سے صفراء احمر سے حمراء - ابیض سے بیضاء - احمق سے حمقاء - اردو میں ان کا املا بھی ہمزہ کے بغیر سودا - خضرا - صفرا - حمرا - بیضا اور حمقا ہو گا -[۱]

(۹) عربی میں جن الفاظ کی جمع افعلاء کے وزن پر آتی ہے ان کے آخر میں بھی ہمزہ آتا ہے جیسے شقی - غنی - ولی - نبی اور سخی کی جمعیں - اشقیاء - اغنیاء - اولیاء - انبیاء - اسخیاء وغیرہ - انہیں بھی بغیر ہمزہ لکھا جائے گا -

(۱۰) عربی کے بعض ایسے حروف جر بھی اردو میں مستعمل ہیں جن پر الف مقصورہ آتا ہے یعنی ی پر الف لکھا جاتا ہے - جیسے علیٰ - الیٰ - اور حتیٰ - ان کو اسی طرح لکھا جائے گا اس لیے کہ یہ اسم یا صفت نہیں حرف جار ہیں اور عربی اسم یا صفت سے مرکب ہو کر ہی اردو میں بولے جاتے ہیں - جیسے علیٰ

---

۱ - لیکن ترکیب اکثر ہمزہ ہی پر کرنی پڑتی ہے ، جیسے سوء ہضم ، یا اضافت بے یائے کی شکل میں آتی ہے جیسے بلائے بے درماں - دراصل اضافت کا باب الگ قائم ہونا چاہیے -

الاعلان - علیٰ ہذاالقیاس - علی العموم - علی الرغم - الی الاخرہ - حتی الوسع - حتی المقدور وغیرہ -

(۱۱) عربی کے بعض الفاظ حرف جار ب اور فی ، کسی لفظ سے مرکب ہو کر اردو میں بولے جاتے ہیں جیسے بالفرض - بالطبع - بالمقابل - فی الحال - فی الوقت وغیرہ ان الفاظ کا الف پڑھنے میں نہیں آتا لیکن اسے لکھنا چاہیے اس لیے کہ یہ "ال" کا جزو ہے اور ان مرکبات کی حیثیت اردو میں اسم مفرد کی سی ہے - ہم اس قیاس پر اردو میں دوسرے مرکبات نہیں ڈھال سکتے - صاحب کیفیہ نے جیسا سنو ویسا لکھو کے اصول کو مد نظر رکھ کر انہیں فلحال - فلوقت - بالمقابل اور بطبع لکھنے کا مشورہ دیا ہے - لیکن ایسا کرنے سے اردو املا میں اور کئی دشواریاں پیدا ہو جائیں گی - جیسا سنو ویسا لکھو کا اصول پوری طور پر کسی زبان کے املا میں قابل عمل نہیں ہے - اردو میں اگر اس اصول کو اپنایا جائے تو خوش ، خواب ، خورد ، خورشید ،[1] خواہش وغیرہ ، کو بغیر واو کے لکھنا ہو گا - تعلیم - تعظیم - معلوم - شمع وغیرہ میں ع کے بجائے الف لکھا جائے گا - کلمہ قاعدہ - عہدہ - بستہ وغیرہ کی ہائے مختفی الف سے بدل جائے گی - عبدالصمد - عبدالرشید - عبدالوحید عبداللہ - وغیرہ سے ال یا الف کو محذوف کرنا ہو گا - غرض کہ جیسا سنو ویسا لکھو کا اصول کلی طور پر کارآمد نہیں ہو سکتا - اس لیے عربی مرکبات کو اصلی صورت ہی میں لکھنا چاہیے -

(۱۲) عربی کے بعض دوسرے مرکبات مثلاً عبداللطیف - عبداللہ - مابہ الامتیاز - درس القرآن - مافی الضمیر - فقید المثال - ساقط الاعتبار - رسم الخط - لیلۃالقدر - نصف النہار - آخر الامر - اظہر من الشمس وغیرہ کو بھی اسی طرح لکھنا چاہیے کہ یہ مرکبات اردو میں عام ہو چکے ہیں -

---

۱ - اصلاً خرشید ہی ہے - (ادارہ)

(۱۳) عربی میں الف صرف ی کے اوپر نہیں کبھی کبھی دوسرے حروف کے اوپر بھی لکھا جاتا ہے ۔ جیسے اسمٰعیل ۔ اسحٰق ۔ سلیمٰن اس الف کو الف مقصورہ سمجھنا غلطی ہو گی یہاں الف ی کا بدل نہیں ہے ۔ بلکہ الف کی پوری آواز دیتا ہے ۔ اس لیے اردو املا میں ان الفاظ کو اسماعیل ، اسحاق اور سلیمان لکھنا چاہیے ۔

(۱۴) عربی کے بعض الفاظ کی جمع فعالیٰ کے وزن پر آتی ہے ۔ جیسے صحرا سے صحاریٰ ۔ دعویٰ سے دعاویٰ ۔ فتویٰ سے فتاویٰ ۔ اور یتیم سے یتامیٰ ۔ ان کے املا میں الف کوی کے اوپر اسی طرح رہنے دینا چاہیے اول اس لیے کہ یہ واحد لفظ کی جمع ہیں اور جمع کے وزن کی طرف اشارہ کرتے ہیں دوسرے اس لیے کہ اس نوع کے الفاظ صرف چند ہیں اور ان کا استعمال علمی و ادبی زبان کی بہت اونچی سطح پر ہی ہوتا ہے ۔

(۱۵) جن واحد لفظوں کے آخر میں "ہ" یا الف ہو اور ان کے بعد حروف عاملہ یا مغیرہ یعنی ، کا ، کے ، کی ، سے ، کو ، کے ، کی ، میں ، پر ، نے وغیرہ میں سے کوئی حرف آئے تو اردو املا میں الف کو یائے تحتانی سے بدل دیا جائے گا[1] جیسے ان جملوں میں ۔

(۱) اس لڑکے کو بلاؤ ۔
(۲) بیٹے نے باپ سے کہا ۔
(۳) آنحضرتؐ پیدا مکے میں ہوئے دفن مدینے میں ہوئے ۔

---

۱ ۔ اردو میں صرف وہی الفاظ امالہ قبول کرتے ہیں جن کی جمع یائے تحتانی لگانے سے بن سکتی ہو ، کوئی ضروری نہیں کہ وہ جمع مستعمل بھی ہو ۔ مثلاً پٹنہ اور ڈھاکا کی جمع چونکہ پٹنے اور ڈھاکے بن سکتی ہے اس لیے پٹنہ اور ڈھاکا ، اسم حاصل ہونے کے باوجود امالہ قبول کریں گے ۔ لیکن امریکہ اور ایشیا امالہ قبول نہیں کریں گے اس لیے کہ ان کی جمع نہیں بن سکتی ۔

(۴) کوٹھے سے نیچے اتر آؤ ۔

(۵) میں آپ کے بھروسے پر بیٹھا رہا ۔

(۶) ماں نے بچے کو کلیجے سے لگا لیا ۔

(۷) تاج محل آگرے میں ہے ۔

لڑکا ۔ بیٹا ۔ مکہ ۔ مدینہ ۔ کوٹھا ۔ بھروسہ ۔ بچہ اور کلیجہ اور آگرہ کے الف اور "ہ" کو حروف مغیرہ کے سبب یائے تحتانی سے بدل دیا گیا ہے قواعد میں اس عمل کو امالہ کہتے ہیں ۔ لیکن مندرجہ ذیل الفاظ امالہ قبول نہیں کرتے یعنی ان کے آخر کی ، یا الف کو حروف مغیرہ کے سبب یائے تحتانی سے نہیں بدلا جائے گا ۔

(۱) سنسکرت یا سنسکرت سے آئے ہوئے بعض ہندی الفاظ اور اسم خاص جیسے راجا ۔ سبھا ۔ بھاگ مالا ۔ گنگا ۔ جمنا ۔ متھرا ۔ گھاگرا ۔ گیا ۔ داتا ۔ جاترا ۔ پوجا وغیرہ ۔

(۲) بعض فارسی الفاظ جیسے خدا ۔ دریا ۔ پا ۔ آشنا ۔ دانا ۔ بینا ۔ پارسا ۔ سوارا ۔ جہاں آرا ۔ دلکشا ۔ ہما ۔ کیمیا ۔ مینا ۔ ثریا وغیرہ ۔

(۳) رشتے ظاہر کرنے والے بعض ہندی الفاظ جیسے دادا ۔ نانا ۔ پھوپھا ۔ تایا ۔ چچا ۔ ابا ۔ باوا ۔ ماتا ۔ پتا ۔ بھیا ۔ آپا ۔

(۴) بعض دوسرے اسم خاص جیسے بخارا ۔ ایشیا ۔ امریکہ ۔ پرشیا ۔ لنکا ۔ برما ۔ ہمالیہ ۔

(۵) عربی کے ایسے مصادر اور اسم مفعول جن کا آخری حرف اردو املا میں الف ہوتا ہے جیسے ابتدا ۔ ارتقا ۔ انتہا ۔ استفا ۔ احفا ۔ افترا ۔ املا ۔ التجا ۔ تمنا ۔ استغنا ۔ استدعا ۔ استثنا ۔ مدعا ۔ منتہا ۔ مقتضا وغیرہ لیکن تقاضا اور تماشا کے الفاظ امالہ قبول کرتے ہیں بشرطیکہ یہ اصل معنی سے ہٹ کر اردو معنی مطابق استعمال ہوں ۔

(۶) عربی کے سہ حرفی الفاظ جیسے دعا - میلا - بلا - فنا - عبا - قبا - ہوا - صبا - غذا - ثنا - صدا - جزا - جفا - وفا - ادا - بقا وغیرہ - البتہ سودا کا لفظ اردو معنی میں امالہ قبول کرے گا -

(۷) بعض لقب ، خطاب اور عہدوں کے نام جیسے علامہ - خلیفہ - آقا - آغا - مرزا - ملّا - مولانا - پیشوا - دولہا - نوشہ وغیرہ -

(۸) عربی کے الفاظ جن کے آخر میں الف ی کے اوپر لکھا جاتا ہے جیسے ادنیٰ - اعلیٰ اولیٰ وغیرہ -

(۹) عربی الفاظ جن کے آخری حرف سے پہلے ع مفتوح ہو جیسے جمعہ اور قلعہ کے الفاظ لکھنے میں امالہ قبول نہیں کریں گے - ہاں پڑھنے میں ان کا تلفظ یائے تحتانی کے ساتھ کیا جائے گا -

(۱۰) فعلا کے وزن کی عربی جمع مثلاً شعرا - علما - فصحا - جہلا - فقرا وغیرہ -

(۱۱) فارسی کے اسم مفعول مثلاً شنیدہ - گفتہ - رفتہ - خفتہ - سوختہ - آزمودہ ، پختہ ، وغیرہ لیکن دیدہ (بمعنی آنکھ) کشتہ (بمعنی طبی اصطلاح) امالہ قبول کریں گے -

(۱۲) فارسی کے اسم فاعل مثلاً آئندہ - تابندہ - رخشندہ - پایندہ وغیرہ لیکن زندہ - سازندہ - دہندہ وغیرہ اردو میں امالہ قبول کریں گے -

(۱۳) ایسے تمثیلی ، تشبیہی الفاظ جن کے آخر میں انہ بطور لاحقہ آتا ہے - جیسے مادرانہ - فسانہ - رندانہ - خسروانہ - حریفانہ - شاعرانہ وغیرہ لیکن ایسے الفاظ جن میں "آنہ" کا ٹکڑا تشبیہہ و تمثیل کے سوا کچھ اور معنی دے گا - امالہ قبول کریں گے - جیسے دیوانہ - افسانہ - جرمانہ - بیعانہ - محنتانہ - زمانہ - مردانہ - پروانہ -

(۱۴) فارسی کے مرکب اضافی و توصیفی و عطفی جیسے آب و دانہ - دل دیوانہ - شمع و پروانہ - مرد فرزانہ - چراغ کعبہ وغیرہ -

(۱۵) عربی کے اسمائے مؤنث جیسے والدہ - ماجدہ - عقیلہ - جمیلہ - عاصمہ - سلیمہ - حلیمہ وغیرہ -

(۱۶) ہندی کے بعض اسمائے مؤنث جیسے گڑیا - چڑیا - بندریا - اٹریا - گوریا - ڈلیا - کن کیا وغیرہ -

(۱۷) حروف مغیرہ یا عاملہ یعنی ، نے - کو - کے - کا - کی - سے - تک - پر - میں کے علاوہ کچھ اور ایسے حروف یا الفاظ ہیں جو قابل امالہ الفاظ کے بعد استعمال ہوتے ہیں تو ہائے مختفی یا الف کو یائے تحتانی سے بدل دیتے ہیں مثلاً :

(۱) جن قابل امالہ الفاظ کے بعد جیسا - جیسی - جیسے - کے الفاظ آئیں گے - ان کے آخر کی ہائے مختفی یا الف - یاے تحتانی سے بدل جائیں گے جیسے گھوڑے جیسی چال - گدھے جیسا دماغ - کھمبے جیسا لمبا -

(۲) "والا" "والے" "والی" کے الفاظ بھی امالہ کا سبب ہوتے ہیں جیسے تانگے والا - گھوڑے والا - بھروسےوالی - حوصلے والے وغیرہ -

(۳) اسم فاعل مرکب میں قابل امالہ الفاظ کے ساتھ "دار"- "وار"- "نار" اور "بان" کا استعمال بھی امالہ کا سبب ہوتا ہے - جیسے مزے دار - فرقے وار - گلے باز - نشے باز - سٹے باز - یکے بان وغیرہ -

(۴) تعظیم اور ندا سے بھی کبھی کبھی امالہ کی صورت پیدا ہو جاتی ہے جیسے "چل مرے خامے بسم اللہ - بیٹے ادھر آؤ" - مدینہ شریف - مکہ شریف وغیرہ -

(۵) جب لفظ کی تکرار سے حال کا اظہار کیا جائے تو بھی امالہ

---

۱ - امالہ مذکر الفاظ کے ساتھ مخصوص ہے - لہذا یہ شق زائد معلوم ہوتی ہے جس میں مونث اور مذکر الفاظ دیے گئے ہیں -

ہو گا خواہ ذوالحال مذکر ہو یا مؤنث جیسے "لڑکی لیٹے لیٹے سو گئی" میں پڑے پڑے بور ہو گیا -

'ذ' یا 'ز' -

(۱) 'ذرا' دراصل عربی لفظ ذرہ کی تخفیف ہے - اس لیے اسے "ذال" ہی سے لکھنا چاہیے - بعض اسے ز سے لکھنے لگے ہیں - رواج عام "ذال" ہی کا ہے اور یہی درست ہے - ڈاکٹر عبدالستار صدیقی نے اس غرض سے کہ اردو میں "ذرا" کے معنی عربی "ذرا" کے معنی سے بہت مختلف ہو گئے ہیں - اسے "ز" سے لکھنے کا مشورہ دیا ہے - لیکن 'ذ' کو 'ز' سے بدلنے کا یہ جواز کافی نہیں ہے - بہت سے ایسے الفاظ ہیں جو اردو میں عربی سے مختلف معنی رکھتے ہیں ، لیکن ان کا املا عربی ہی کی طرح کیا جاتا ہے - استاذی ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان نے بھی ذرا کے املا میں ذال ہی کو ترجیح دی ہے -

(۲) غالب نے ایک خط میں یہ رائے ظاہر کی تھی کہ "ذ" عربی سے مخصوص ہے - فارسی میں نہیں آتا اس لیے فارسی کے مصادر :

(۱) گذشتن -

(۲) پذیرفتن -

(۳) گذاشتن -

اور ان سے مشتق الفاظ مثلاً گذشتہ - پذیرائی - گذارش - گذر - فروگذاشت وغیرہ کو ذ سے نہیں ز سے لکھنا چاہیے - صاحب کیفیہ نے بھی یہی مشورہ دیا ہے - لیکن غالب کی یہ رائے صحیح نہیں ہے - ڈاکٹر عبدالستار صدیقی ، قاضی عبدالودود اور ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں کی تحقیق کے مطابق "ذ" عربی کے لیے مخصوص نہیں ہے - فارسی میں بھی موجود ہے اور مذکورہ بالا الفاظ کے علاوہ کاغذ اور آذر کو بھی اہل ایران نے "ذ" ہی سے لکھا ہے - اردو میں بھی گذشتن ، پذیرفتن

اور گذاشتن کو عام طور پر ذال ہی سے لکھنے کا رواج ہے اور یہی درست ہے - صرف یہ کہہ سکتے ہیں کہ اسے "ز" سے بھی لکھا جا سکتا ہے - لیکن ترجیح ذال ہی کو دینا چاہیے کہ یہی مقبول ترین روش ہے -

(۳) آذر اور آزر دو الگ لفظ ہیں - فارسی لفظ میں ماہ آذر کا املا ذال ہی سے ہوگا ، لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام ذال سے نہیں "ز" سے آزر لکھنا چاہیے - اس لیے کہ یہ نام قرآن پاک میں "ز" کے ساتھ اسی طرح آیا ہے -

(۴) عربی کے دو لفظ ذکی اور زکی بھی اردو میں مستعمل ہیں - ذکی کے معنی ہیں تیز فہیم اور قابل ملامت - اسی لیے یہ عام طور پر اسم علم نہیں ہوتا بلکہ اسم صفت کے طور پر بولا جاتا ہے - زکی کے معنی ہیں پاک اور یہ اکثر اسم علم ہوتا ہے جیسے زکی الدین - محمد زکی - زکی احمد وغیرہ اس لیے جب اسم علم یعنی کسی کا نام ہو تو ز سے اور اسم صفت ہو تو "ذ" سے لکھنا چاہیے -

(۵) زکریا - زخار اور زکات کو بھی بعض لوگ "ز" کے بجائے ذال سے لکھتے ہیں یہ درست نہیں ہے انھیں "ز" سے لکھنا چاہیے -

(۶) ذات کا لفظ خواہ نفس اور شخص کے معنی میں ہو یا نسل و قوم کے معنی میں "ذ" ہی سے لکھا جاتا ہے - اس لیے کہ رواج عام یہی ہے -

(۷) آزوقہ کا لفظ اردو فارسی لغات میں ز اور ذ دونوں سے ملتا ہے یعنی آزوقہ بھی لکھا جاتا ہے اور آذوقہ بھی - اردو میں ان کا املا ز سے ہونا چاہیے اس لیے کہ آزوقہ کا لفظ فارسی ہے -

'ت یا ط'

(۱) طوطا ایک مقامی پرندہ ہے - نہ تو یہ طوطی کی تذکیر ہے اور نہ عربی فارسی لغت سے اس کا کوئی تعلق ہے - اس لیے اس کا املا "توتا" ہونا چاہیے تھا - بعض نے ت سے لکھا بھی

ہے اور ت سے لکھنے کا مشورہ بھی دیا ہے لیکن اس کا املا "ط" سے اتنا عام ہو چکا ہے کہ اب اسے "ط" ہی سے طوطا لکھنا چاہیے ۔

(۲) طپش اور تپش ۔ دونوں لفظ فارسی کے مصدر طپیدن اور تپیدن کے حاصل مصدر ہیں ۔ چونکہ فارسی لغات اور صفوۃ المصادر میں یہ مصدر "ط" اور "ت" دونوں سے ملتا ہے ۔ اس لیے طپش اور تپش کا املا ط اور ت دونوں سے کیا جا سکتا ہے ۔ لیکن ترجیح ت کو دینا چاہیے ۔

(۳) تیار یا طیار ۔ تیار بمعنی مستعد اور آمادہ عام ہے ۔ لیکن فارسی اور اردو کی مستند تحریروں میں طیار بھی دیکھنے میں آیا ہے ۔ چونکہ اول الذکر قبول عام حاصل ہے ۔ اس لیے ت ہی سے لکھنا چاہیے البتہ جہاں طیار کا لفظ اڑنے والے کے معنی میں استعمال ہو "ط" ہی سے لکھا جائے گا ۔

(۴) تولیہ یا طولیہ — بعض لوگ طولیہ لکھتے ہیں ۔ یہ صحیح نہیں ہے تولیہ لکھنا چاہیے ۔[1]

(۵) تشت اور طشت — اردو فارسی لغات میں دونوں طرح ملتا ہے اس لیے دونوں طرح صحیح ہے ترجیح "ت" کو دینی چاہیے ۔

اردو میں ہمزہ کے استعمال کے قابل توجہ مقامات یہ ہیں ۔

ء (ہمزہ) :

(۱) اردو کے جن مصدروں کی علامت "نا" ہٹانے سے امر کے آخر میں الف آئے گا جیسے آ (آنا سے) جا (جانا سے) کھا (کھانا سے) لا (لانا سے) گا (گانا سے) وغیرہ ان کے افعال کی مندرجہ ذیل صورتوں میں ہمزہ کا استعمال ہوگا ۔

---

۱ ۔ یہ لفظ انگریزی میں ٹاول ہے ، لیکن غالباً انگریزی سے اردو میں نہیں آیا ، بعض دوسری مغربی زبانوں میں اس کی شکل اردو شکل سے زیادہ مماثل ہے ۔

(الف) مضارع واحد غائب واحد حاضر جیسے آئے - جائے - کھائے - گائے وغیرہ - امر واحد غائب اور واحد حاضر کی بھی یہی صورت ہوگی -

(ب) مضارع جمع غائب جمع متکلم اور جمع حاضر (آپ) - جیسے آئیں - جائیں - کھائیں - لائیں - گائیں وغیرہ -

(ج) مضارع (جب کہ فاعل ضمیر واحد متکلم میں ہو) جیسے آؤں - جاؤں - کھاؤں - لاؤں - گاؤں وغیرہ -

(د) فعل مستقبل میں بھی یہ تینوں صورتیں باقی رہیں گی جیسے آئے گا- جائے گا - آئیں گے - جائیں گے - آؤں گا - جاؤں گا وغیرہ -

(ر) فعل امر (جب کہ فاعل ضمیر حاضر جمع "تم" ہو) جیسے آؤ - جاؤ - کھاؤ - لاؤ - گاؤ وغیرہ -

(س) فعل امر (جب کہ فاعل ضمیر حاضر "آپ" ہو) جیسے آئیے - جائیے - کھائیے - لائیے - گائیے وغیرہ -

(ص) واحد غائب مذکر ، واحد حاضر مذکر اور واحد متکلم مذکر کو چھوڑ کر ماضی کے سارے صیغوں میں جیسے وہ آئی - وہ آئے - وہ آئیں - تو آئی - تم آئے - تم آئیں - میں آئی - ہم آئے -

(۲) ایسے مصادر جن کی علامت نہ ہٹانے سے امر کے آخر میں واو آتی ہے جیسے سونا سے سو - کھونا سے کھو - رونا سے رو - دھونا سے دھو وغیرہ ان کی مندرجہ ذیل شکلوں میں ہمزہ آئے گا -

(الف) ماضی واحد مؤنث اور جمع مذکر غائب میں جیسے سوئی - روئی - کھوئی - دھوئی وغیرہ اور روئے - سوئے - کھوئے - دھوئے وغیرہ -

(ب) امر کی مندرجہ ذیل صورتوں میں ہمزہ آئے گا جیسے :

(۱) سوئیے - کھوئیے - دھوئیے - روئیے - بوئیے -

(۲) بوئیں - سوئیں - کھوئیں - روئیں - دھوئیں - چھوئیں -

(۳) بوء ، (بونا سے امر) سوء (سونا سے امر) کھوء (کھونا سے امر) روء (رونا سے امر) دھوء (دھونا سے امر) چھوء (چھونا سے امر) ۔

(۳) جن مصدروں کی علامت نا ہٹانے سے امر کے آخر میں چھوٹی یا بڑی ی آتی ہے جیسے پینا سے پی ۔ جینا سے جی ۔ سینا سے سی ۔ لینا سے لے ۔ دینا سے دے ۔ کھینا سے کھے ۔ ان کے افعال کی کسی بھی صورت میں ہمزہ نہیں آئے گا یعنی پیو ۔ جیو ۔ سیو ۔ یا پیجیے ۔ لیجیے ۔ دیجیے وغیرہ میں ہمزہ نہیں لکھا جائے گا ۔ کرنا سے کیجیے بھی بغیر ہمزہ لکھا جائے گا ۔

(۴) ایسے مصادر جن کی علامت مصدر 'نا' ہٹانے سے امر کے آخر میں الف ۔ و ۔ ی کے علاوہ کوئی اور حرف صحیح آتا ہو جیسے کہنا سے کہہ ۔ بڑھنا سے بڑھ ۔ لکھنا سے لکھ ۔ دوڑنا سے دوڑ ۔ گھومنا سے گھوم ۔ کاٹنا سے کاٹ ۔ جھانکنا سے جھانک وغیرہ ۔ ان کے افعال کی بھی ہر شکل بغیر ہمزہ کے لکھی جائے گی یعنی کہیے ۔ پڑھیے ۔ لکھیے ۔ دوڑیے ۔ گھومیے ۔ کاٹیے ۔ جھانکیے وغیرہ میں ہمزہ نہیں آئے گا ۔

(۵) جانا ۔ مصدر اور اس کے ماضی مطلق "گیا" کی تانیث اور جمع میں ہمزہ آئے گا جیسے گئی ۔ گئے ۔ گئیں ۔

(۶) نون غنہ والے بعض الفاظ مثلاً دھواں ۔ کنواں ۔ رواں کے بعد جب حروف مغیرہ یعنی تک ۔ نے ۔ پر ۔ سے ۔ کو ۔ میں سے کوئی حرف آئے گا تو ان میں ہمزہ لکھا جائے گا جیسے دھوئیں میں ۔ کوئیں سے ۔ دھوئیں نے ۔ کوئیں میں ۔ دھوئیں کو ۔ کوئیں تک ۔

(۷) مندرجہ ذیل قسم اور وزن کے حاصل مصدروں اور دوسرے اسما کی ی پر ہمزہ آئے گا خواہ وہ کسی زبان کے لفظ ہوں ۔ جیسے لکھائی ۔ پڑھائی ۔ دھلائی ۔ تپائی ۔ چنائی ۔ کٹائی ۔ بوائی ۔ لگائی ۔ بھائی ۔ ستائی ۔ (شنوائی) ۔ دانائی ۔ بینائی ۔ رعنائی ۔ جلوہ آرائی ۔ آشنائی ۔ شہنائی وغیرہ ۔

(۸) مندرجہ بالا وزن اور قافیہ کے دوسرے اسم صفت یا اسم جامد بھی ہمزہ کے ساتھ ہی لکھے جائیں گے جیسے برائی ۔ بھلائی ۔ دائی ۔ مائی ۔ نائی ۔ بلوائی ۔ بائی ۔ مہنگائی ۔ رائی ۔ اکائی ۔ دہائی ۔ حلوائی وغیرہ ۔

(۹) عربی فارسی کے سارے ایسے الفاظ جن کے کسی درمیانی حرف پر حرف کی حیثیت سے ہمزہ آتا ہے ، اردو املا میں بھی ہر جگہ برقرار رہے گا جیسے رسوائی ۔ قاعدہ ۔ قواعد ۔ شرائط ۔ جزائر ۔ جرأت ۔ قرأت ۔ دائرہ ۔ نقائص ۔ قائل ۔ مسائل ۔ ذائقہ ۔ فائقہ ۔ طائفہ ۔ لائق فائق وغیرہ ۔

(۱۰) عربی کے بعض ایسے الفاظ بھی اردو میں مستعمل ہیں جن کے حروف اصلی میں ہمزہ نہیں آتا اور عربی تلفظ یا املا میں ی ہی لکھی جاتی ہے جیسے مضایقہ ۔ مغایرت ۔ معاینہ وغیرہ ۔ لیکن ان الفاظ میں چونکہ الف اور ی دو حروف علت یکجا ہو گئے اس لیے اردو تلفظ میں ی کی آواز دب کر ہمزہ کی طرح نکلتی ہے ۔ بقول پروفیسر حبیب اللہ غضنفر ان الفاظ کے اردو تلفظ میں ی کی آواز کو ادا کرنا ممکن ہی نہیں ہے ۔ اس لیے اس قسم کے الفاظ کو بھی اردو میں ہمزہ ہی کے ساتھ مضائقہ ۔ مغائرت ۔ معائنہ لکھنا چاہیے ۔

(۱۱) عربی کی طرح فارسی کے بھی بہت سے الفاظ خصوصاً حاصل مصدر اس قسم کے ہیں جن میں اصلاً "ی" ہے لیکن اردو میں دوسرے حروف علت ، الف یا و کے بعد آنے کے سبب ہمزہ کی سی آواز دیتی ہے اس لیے اردو میں اس قسم کے الفاظ کو ی کے بجائے ہمزہ سے لکھنا چاہیے جیسے پیمائش ۔ نمائش ۔ آرائش ۔ زیبائش اور ستائش وغیرہ ۔

(۱۲) الف کے استعمال کے سلسلے میں کہا جا چکا ہے کہ عربی کے جن الفاظ کے آخر میں ہمزہ بطور حرف اصلی آتا ہے وہ اردو املا میں ہمزہ کے بغیر لکھے جائیں گے مثلاً ابتداء کا املا اردو

میں "ابتدا" ہوگا لیکن اگر اس قسم کے لفظوں پر تنوین آئے گی تو ہمزہ برقرار رہے گا۔ یعنی ابتدا کو ابتدآء لکھا جائے گا۔

(۱۳) عربی و فارسی کے ایسے الفاظ جن کے آخر میں ہائے مختفی یا ہائے غیر ملفوظی آتی ہے جب فارسی ترکیب میں مضاف اور موصوف ہوں گے تو اظہار اضافت کے لیے ہ کے نیچے زیر کے بجائے اوپر ہمزہ لگایا جائے گا۔ جیسے نالۂ دل، عمدۂ منتخبہ، تذکرۂ شعرا، بندۂ خدا، دیدۂ خونبار، بندۂ ناچیز، دیدۂ غم، حوصلۂ دل، نامۂ شوق وغیرہ۔

(۱۴) عربی و فارسی کے جن لفظوں کے آخر میں الف، و اور ہمزہ میں سے کوئی حرف آئے گا تو فارسی ترکیب میں اگر مضاف ہو تو یہ حروف یائے تحتانی یعنی بڑی "ے" سے بدل جائیں گے اور "ے" پر ہمزہ نہیں لکھا جائے گا جیسے دریا سے دریاے عشق۔ سودا سے سوداے خام۔ ابتدا سے ابتداے شوق۔ انتہا سے انتہاے کرم۔ بلا سے بلاے جان۔ دوا سے دواے درد۔ سوء سے سوے ظن اور سوے خیال۔ کوء سے کوے یار۔ بو سے بوے گل۔ آرزو سے آرزوے دل وغیرہ۔ غالب نے اس قسم کی فارسی ترکیبوں کی یائے تحتانی پر ہمزہ لکھنا عقل کو گالی دینا کہا ہے۔

اعراب (VOWELS):

زبر ــَـ حروف صحیحہ (Consonant) ساکن سے قبل زبر نہیں لکھا جائے گا مثلاً اب۔ تب۔ جب۔ در۔ دس۔ بس۔ بل وغیرہ زبر کے بغیر لکھے جائیں گے۔

زیر ــِـ صرف حروف صحیحہ ساکن سے قبل لکھا جائے گا جیسے اِس۔ اِملا۔ بِلی۔ تِتلی۔ فِکر۔ ذِکر۔ وِتر۔ دِل۔ مِلنا وغیرہ میں۔

پیش ــُـ زبر کی طرح یہ بھی صرف حروف صحیحہ سے قبل لکھا جائے گا

جیسے اُس - تُجھ - کُچھ - گُل - گُلاب - فُغان - مُجھ - مُسلم - مُقدم وغیرہ -

اَو — واؤ مجہول کا زبر لکھا جائے گا جیسے چَور - غَور اَور - جَو - نَو - لَو - پَون - کَون - پَودا - سَودا اور یَوم وغیرہ میں -

اُو — واؤ مجہول سے قبل کا پیش نہیں لکھا جائے گا - جیسے مور - شور - کور - ڈھول - کھول - توڑا - موڑا - پودا وغیرہ میں -

اَے — یائے مجہول سے قبل اگر زبر ہے تو لکھا جائے گا - جیسے ہَے - شَے - مَے - طَے - جَھے - بَیل - مَیل - تَھیلا - چَھیلا - اس قسم کے الفاظ میں جب "ی" لفظ کے بیچ میں ماقبل سے مل کر آتی ہے تو ی پر الٹا جزم ^ بنا دیتے ہیں -

اُو — واؤ معروف کے قبل اگر پیش ہو تو لکھا جائے گا اور واو پر الٹا کاما لگایا جائے گا - جیسے نُور - طُور - کُوکُو - سُوٹ - کُوٹنا - لُوٹ - رُوس - چُوسنا - مُور - مُوش - مُونگ - دُھوپ - رُوپ وغیرہ میں -

اِے — یائے مجہول سے قبل کا زیر بھی جائے گا جیسے رِیل - مِیل - بِیل - جِھیلنا - کِھیلنا - جِھیلنا - ڈھکیلنا - پِیلنا وغیرہ میں -

اِی — یائے مجہول سے قبل کا زیر نہیں لکھا جائے گا جیسے ابھی - سبھی - بھی - کبھی - کی - سوچی - دھوتی وغیرہ میں -

اِی — یائے معروف سے قبل کا زیر لکھا جائے گا اور ی کے نیچے مختصر سا الف کا نشان لگے گا - جیسے کِیل - مِیل - ڈھِیل - جھِیل - گِیلا - مِیلا - پِیلا - قِیل و قال وغیرہ میں -

واو معدولہ۔ ایسا واو جو لکھا جاتا ہے اور پڑھنے میں نہیں آتا ۔ اس کے نیچے چھوٹی سی لکیر کھینچ دیتے ہیں جیسے خوش ۔ خود ۔ خورشید ۔ خورد و نوش ۔ خواب ۔ خواہش وغیرہ ۔

یائے مخلوط ۔ یائے مخلوط پر الٹا جزم لگھا جائے گا ۔ جیسے کیا ۔ پیاس ۔ پیار ۔ کیوں وغیرہ ۔

نون غنہ :

(۱) نون غنہ لفظ کے آخر میں پور لکھا جائے گا اور نقطہ کے بغیر آئے گا جیسے ، یہاں ۔ وہاں ۔ جہاں ۔ ماں ۔ ہاں ۔ آساں ۔ ارماں ۔ گلستاں وغیرہ ۔

(۲) لفظ کے درمیان میں نقطے کے ساتھ لکھا جائے گا اور اس پر الٹے جزم کا نشان (ˇ) بھی آئے گا جیسے ، رنگ ۔ جنگ ۔ ڈنگ ۔ جنگل ۔ سنگی ۔ آنسو ۔ بھینس ۔ آنک ۔ (روشنائی) ہینگ وغیرہ ۔

(۳) گاؤں ، پاؤں اور چھاؤں کا املا بعض نے گانوں ۔ پانوں اور چھانوں بھی کیا ہے ۔ اور ادیبوں نے خصوصاً غالب اور ڈاکٹر عبدالستار صدیقی نے گانو ۔ پانو اور چھانو لکھنے کا مشورہ دیا ہے وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ ان الفاظ کے آخر میں نون غنہ کی جو آواز نکلتی ہے وہ حقیقی نہیں بلکہ واو سے پہلے کے نون غنہ کی باز گشت ہے[1] دوسرے یہ کہ اس طرح لکھنے سے ان لفظوں کی جمع گانوں ۔ پانوں ۔ چھانوں بن جاتی ہے ۔ پہلی بات یوں محل نظر ہے کہ ان الفاظ کے آخر میں نون غنہ کی آواز بہر حال نکلتی ہے ۔ خواہ اس کی نوعیت کچھ ہی ہو ۔ دوسرے یہ کہ ان لفظوں کی جمع بنانے کی ضرورت

---

۱ - ہم نے ایسی آوازوں کے لیے "مغنونہ" کا لفظ اختیار کیا ہے ، جیسے الف مغنونہ (بانک) فتحہ مغنونہ (ہنسانا) وغیرہ ۔

بہت ہی کم پڑتی ہے - جمع کا کام بھی واحد ہی سے لیا جاتا ہے جیسے ان جملوں میں :

(الف) دس گاؤں سیلاب کی نظر ہو گئے -

(ب) اس کے پاؤں بہت لمبے ہیں -

تیسرے یہ کہ اس قسم کے الفاظ کی تعداد بہت کم ہے زیادہ نہیں اور ان کا املا گاؤں ، پاؤں ، چھاؤں اتنا عام ہو چکا ہے کہ اب ان میں تبدیلی کرنا الجھن کا باعث ہوگا - چوتھے یہ کہ بدلے ہوئے املا میں اگر نون میں غنہ کا نشان محذوف ہو گیا تو التباس کا سبب ہوگا یعنی "گانو" (گانوں) کو "گانا" (گیت نغمہ) کی جمع ، پانو (پانوں) کو پان کی جمع اور دانوں کو "دانہ" کی جمع اور چھانو (چھانو) کو چھاننا کا امر بھی پڑھا جائے گا - ایسی صورت میں مناسب یہی ہے کہ ان کا مروج املا گاؤں - پاؤں - چھاؤں - داؤں ہی برقرار رکھا جائے - ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب کے مطابق بھی رواج اسی املا کا ہے - کنواں دھنواں کی بھی یہی صورت ہے - انھیں بھی مروجہ املا کے مطابق کواں دھواں لکھنا چاہیے[۱] -

(۴) عربی فارسی کے بعض الفاظ میں جب نون غنہ کے بعد "ب" آتی ہے تو ن اور م کی آواز پیدا ہوتی ہے جیسے شنبہ - دوشنبہ - گنبد - منبر - منبع - انبیا - دنبہ - دنبال - جنبش وغیرہ اردو میں ان الفاظ کا املا اسی طرح رہے گا البتہ عربی و فارسی الفاظ کے علاوہ جن لفظوں میں ن کے بعد ب آتی ہے وہ ن ، ب کے بجائے 'م' سے لکھے جائیں گے جیسے امبیا (کیری) گڑمبا - تمبو - تمبولی - تمباکو - بمبئی - چمبیلی - کھمبا - لمبا - لمبی - جمبو - شمبھو دیال وغیرہ کو م کے بجائے نون غنہ سے لکھنا درست نہ ہوگا -

---

۱ - ہماری تاریخی اصول پر مرتب ہونے والی لغت میں دونوں املا درج کرنا لازم آتا ہے مگر فاضل مقالہ نگار کا مشورہ درست ہے -

(د) بعض الفاظ مثلاً سوچنا اور سیکڑا کو بعض نون غنہ کے ساتھ سونچنا اور سینکڑا یا سینکڑہ لکھتے ہیں یہ غلط ہے نون غنہ کے بغیر سوچنا اور سیکڑا ہی لکھنا چاہیے ۔

تنوین :

(۱) تنوین ، عربی الفاظ کے لیے مخصوص ہے ۔ اردو املا میں لفظ کے آخر میں الف کا اضافہ کر کے لگائی جاتی ہے جیسے فرد ۔ شخص ۔ ضمن ۔ رسم ۔ اوسط ۔ تخمین ۔ احتیاط ۔ ثانی ۔ تفریح سے فرداً فرداً ۔ شخصاً ۔ ضمناً ۔ رسماً ۔ اوسطاً ۔ تخمیناً ۔ احتیاطاً ۔ ثانیاً ۔ تفریحاً وغیرہ ۔

(۲) بعض کا خیال ہے کہ عربی کے جن الفاظ کے آخر میں گول ۃ آتی ہے ان میں الف کے اضافہ کے بغیر تنوین لگانی چاہیے ۔ چنانچہ بعض حضرات فطرۃً ۔ قدرۃً ۔ حقیقۃً ۔ وغیرہ ہی لکھتے ہیں عربی املا کے سلسلے میں یہ درست سہی لیکن اردو میں یوں مناسب نہیں کہ عربی کی گول ۃ اردو میں بہت ہی کم بلکہ لکھی ہی نہیں جاتی ۔ فطرۃ ۔ قدرۃ ۔ حقیقۃ کا املا ہمیشہ فطرت ۔ قدرت اور حقیقت کیا جاتا ہے اس لیے ان الفاظ کے آخر میں بھی الف بڑھا کر تنوین کے ساتھ فطرتاً ۔ قدرتاً ۔ حقیقتاً وغیرہ لکھنا چاہیے ۔ مولوی عبدالحق صاحب کی رائے بھی یہی ہے کہ اردو املا میں عربی کے ہر لفظ پر الف بڑھا کر تنوین لگانا چاہیے[1] ۔

(۳) اردو میں دو زبر یا دو پیش کی تنوین مستعمل نہیں ہیں ! ہاں عربی کے جو فقرے اردو میں مستعمل ہیں ان میں کبھی کبھی نظر آ جاتی ہے جیسے نسلاً بعد نسلٍ ۔ لیکن زیر اور پیش کی تنوین میں لفظ کے آخر میں الف کے اضافے کی ضرورت نہیں ہوتی ۔

---

۱ ۔ کلیہ یہ ہے کہ جہاں ت یا ہ کا جزو ہو صرف وہیں آ لگے گا ، لیکن سہولت اور یکسانی کے لیے مجوزہ ترمیم قابل قبول ہونی چاہیے ۔

(۴) غیر عربی الفاظ پر تنوین نہیں آتی لیکن اردو میں ایک دو لفظ تنوین کے ساتھ مستعمل ہو گئے جیسے اندازاً اور نمونتاً انھیں غلط عام فصیح کے تحت درست کہا جائے گا۔ لیکن اس قیاس پر دوسرے ہندی یا فارسی لفظوں پر تنوین کا استعمال غلط ہوگا۔

(۵) ہمارے یہاں بعض خواتین کے نام رحیم۔ کریم۔ مجید۔ شریف۔ حکیم۔ لئیق۔ رفیق وغیرہ کی تانیث کے طور پر رحیمن۔ کریمن۔ شریفن۔ حکیمن۔ لئیقن۔ رفیقن رکھے جاتے ہیں ان ناموں کو اسی طرح لکھنا چاہیے انھیں تنوین کے ساتھ رحیم یا رحیماً اور کریم یا کریماً وغیرہ لکھنا غلط محض ہوگا۔

(۶) جن عربی الفاظ کے آخر کا ہمزہ اردو املا میں گرا دیا جاتا ہے اگر ان پر تنوین آئے گی تو ہمزہ کو برقرار رکھ کر ہمزہ ہی پر تنوین لگائیں گے مثلاً عربی کا لفظ ابتداء اردو املا میں بغیر ہمزہ "ابتدا" ہے اسے ہمزہ بڑھا کر تنوین کے ساتھ سے ابتداً لکھا جائے گا۔

تشدید :

(۱) تشدید، ایسے حرف پر آئے گی جو لکھنے میں ایک بار اور تلفظ میں دو بار آتا ہو جیسے : شدّاد۔ صیّاد۔ الّو۔ لچّھ۔ پکّا۔ ڈبّا۔ وغیرہ میں د۔ ی۔ ل۔ چ۔ ک اور ب۔

(۲) عربی کے بعض الفاظ، بظاہر دو حرفی نظر آتے ہیں مثلاً غم۔ رد۔ مد۔ حد۔ فن وغیرہ لیکن اصلاً یہ تین حرفی ہیں اور ان کا دوسرا حرف مشدد ہے چنانچہ یہ فارسی ترکیب کے ساتھ بطور مضاف یا موصوف استعمال ہوتے ہیں تو ان کی تشدید نمایاں ہو جاتی ہے جیسے : فنِّ قدیم۔ فنِّ شعر۔ ردِّ بلا۔ سدِّ باب۔ مدِّ نظر۔ عمِّ محترم۔ جدِّ امجد وغیرہ ان میں بھی تشدید لکھنی چاہیے۔ ہاں "غم" کا لفظ اس سے مستثنیٰ ہے اردو میں بغیر

تشدید ہی لکھا اور بولا جاتا ہے خواہ فارسی ترکیب کے ساتھ آئے یا الگ جیسے غمِ جاناں ۔ غمِ دوراں ۔ غمِ حیات ۔ نشاطِ غم ۔ ثباتِ غم وغیرہ ۔

رموز و اوقاف کا محل استعمال :

ختمہ (Full Stop) کا نشان ان جگہوں پر استعمال ہوگا ۔

(الف) جملے کے خاتمہ پر جیسے :

ہمارے گھر کے سامنے ایک پارک ہے ۔ یہ پارک بہت خوب صورت ہے ۔ ایک مالی اس کی دیکھ بھال کے لیے مقرر ہے[1] ۔

(ب) مخففات کے بعد جیسے ایم ۔ اے ۔ پی ۔ ایچ ۔ ڈی

سکتہ (Comma) حسب ذیل مقامات پر استعمال ہوگا ۔

(الف) جب کسی جملے یا فقرے میں اعداد اور اسما و صفات کا ذکر اس طرح کیا جائے کہ آخری دو عدد یا اسموں کے درمیان "اور" یا "یا" کا لفظ لانا پڑے تو اس سے قبل کے ہر عدد اور اسم کے بعد ، بطور عطف ، سکتہ کا نشان لگایا جائے گا جیسے :

(۱) حامد ، محمود ، راشد ، ماجد اور امجد پانچوں بہت ذہین ہیں ۔

(۲) بازار جا کر ایک قلم ، دو سرخ پنسلیں ، ایک ربر ، دو پیڈ یا کاپیاں لائیے ۔

(۳) مولانا حسرت موہانی نے شاعری کو عارفانہ ، ناصحانہ ، فاسقانہ ، عاشقانہ اور متصوفانہ وغیرہ کے خانوں میں تقسیم کیا ہے ۔

(ب) ایک ہی قسم کے مرکبات اور لمبے جملے کے اجزا کے بعد جیسے :
میرا ، آپ کا ، شاہد کا ، رشید کا اور وحید کا نام کامیاب امیدواروں کی فہرست میں شامل ہے ۔

---

۱ ۔ بعض لوگ وقفہ کامل کے لیے نقطے کی صلاح دیتے ہیں اور یہ ہم نے قبول کر لی ہے ۔ ڈیش کے اور استعمال بھی ہیں ۔

(ج) ندا اور مخاطبے کے لیے جیسے[1] :

(۱) اے ماؤ ، بہنو ، بیٹیو ۔

(۲) محترم صدر ، اساتذہ کرام ، دوستو اور عزیز طالب علمو ۔

(۳) انیس ، دم کا بھروسہ نہیں ٹھہر جاؤ ۔

(۴) غافل ، ان مہ طلعتوں کے واسطے چاہنے والا بھی اچھا چاہیے ۔

(د) ایک ہی طرح کے جملوں کے بعد بطور حرف عطف جیسے :

میں نے اس کو بلایا ، اونچ نیچ سمجھائی ، برا بھلا کہا ، خوف دلایا ، لیکن کسی بات کا کچھ اثر نہ ہوا ۔

(س) ایسے جملوں کے بعد جن میں تکرار سے بچنے کے لیے فعل کو محذوف کر دیا گیا ہو جیسے :

امتحان میں حامد نے پہلی ، محمود نے دوسری ، راشد نے تیسری اور ماجد نے چوتھی پوزیشن حاصل کی ۔

(ک) جب کسی اسم کی تعریف یا وضاحت میں کوئی بات کہی جائے تو اسم اور وضاحتی فقرے کے بعد سکتہ آئے گا جیسے :

(۱) اسلم ، محمود کا بڑا بھائی ، امریکہ سے واپس آ گیا ہے ۔

(۲) میری کتاب ، غالب شاعر امروز و فردا ، ۱۹۶۱ء میں چھپی تھی ۔

(ل) اشعار کے بعض لفظ یا ٹکڑے کے بعد اس لیے سکتے کا نشان لگاتے ہیں کہ تعقید پیدا نہ ہونے پائے اس کی مثالیں یہ ہیں ۔

(۱) جھڑکی سہی ، ادا سہی ، چین جبیں سہی
سب کچھ سہی پر اک نہیں کی نہیں سہی

(۲) کہتے ہو نہ دیں گے ہم ، دل اگر پڑا پایا
دل کہاں کہ گم کیجیے ، ہم نے مدعا پایا

(م) کسی فعل کے بعد "کر" یا "کے" مصدر ہونے کی صورت میں جیسے :

---

۱ ۔ یہ ندا کی صورتیں نہیں ، جس کے لیے علامت مخصوص (!) ہے ۔

(۱) وہ کتاب بغل میں دبا ، نہ جانے کدھر نکل گیا ۔
(۲) وہ بھی عجیب آدمی ہے ، صبح آٹھ ، یہ جا ، وہ جا ، ذرا دیر میں غائب[1] ۔

(ن) شرط و جزا کے درمیان بشرطیکہ حرف شرط محذوف ہو جیسے :

(۱) اگر میرا منہ کھلوایا ، میں کھری کھری سنا دوں گی ۔
(۲) جو تمھاری طرح ، تم سے ، کوئی جھوٹے وعدے کرتا
تم ہی منصفی سے کہہ دو تمھیں اعتبار ہوتا

(و) جملہ موصولہ میں صلہ و موصول کے اجزا کے درمیان جیسے :
یہ بات ، جس نے بھی آپ سے کہی غلط کہی ۔

(ہ) حرف استثنا ۔ حرف استداراک ۔ حرف توجیہ سے پہلے جیسے :

(۱) وہ ذہین و محنتی سہی ، لیکن قابل اعتماد نہیں ہے ۔
(۲) پر ہوں میں شکوے سے یوں ، راگ سے جیسے باجا ۔

وقفہ (Semi Colan) مولوی عبد الحق اور استاذی ڈاکٹر غلام مصطفی خاں نے وقفہ کے استعمال کی حسب ذیل صورتیں بتائی ہیں ۔

(الف) جملوں کے لمبے لمبے اجزا کو ایک دوسرے سے علاحدہ کرنے کے لیے سکتوں کے ساتھ ساتھ وقفوں کا استعمال یوں ضروری ہے کہ خلط مبحث نہ ہو جائے جیسے :

حق یہ ہے کہ اس زمانے میں ، جب کہ قومی تپش نما کا پارا ہر گھڑی گھٹتا بڑھتا رہتا ہے ، جب کہ باوجود تعلیمی کاموں کی کثرت کے ، قومی تعلیم کا کوئی صحیح خاکہ ہمارے سامنے نہیں ہے ؛ جب کہ سیاسی تار و پود سارے ملک میں پھیلا ہوا ہے مگر کوئی طریقہ قومی فلاح کا ایسا نہیں ہے ، جس پر تمام جماعتیں متفق ہو سکیں ؛ جب کہ مصلحت اور اصول ، چال اور صداقت ، تلون اور استقامت میں اکثر مغالطہ ہو جاتا ہے ؛ جب کہ باوجود سادگی کے ، ادعائے

---

۱ - یہ جا وہ جا بندھا ہوا محاورہ ہے اس کے درمیان سکتہ درست نہیں معلوم نہیں ہوتا ۔ ادارہ

عیش پرستی کے بہت سے چور دروازے کھلے ہوئے ہیں : جب کہ باوجود ایثار اور قربانی کے دعووں کے حقیقی ایثار نفس اور ضبط نفس بہت کم نظر آتا ہے؛ نواب وقار الملک کی سیرت ایک بڑی نعمت ہے۔

(ب) جہاں جملوں کے مختلف اجزا پر زیادہ تاکید دینا مد نظر ہوتا ہے وہاں بھی وقفہ کا نشان استعمال ہوتا ہے مثلاً :

(۱) جو کرے گا : سو پائے گا ، جو بوئے گا ، سو کاٹے گا۔

(۲) آنا ، تو خفا آنا : جانا تو رلا جانا۔

(۳) تم روئے اور ہمارا دل بے چین ہوا : تمھاری انگلی دکھی تو ہمارے دل پر چوٹ لگی : مصیبتیں ہم نے بھریں : تکلیفیں ہم نے اٹھائیں : راتوں کو اٹھا اٹھا کر ہم ٹہلے : کندھے لگایا ، چمکارا ، لوریاں سنائیں : غرض کہ جان ، مال ، آرام سب کچھ تمھارے لیے تج دیا کیا اس کا یہی صلہ ہے ؟

(ج) جن جملوں کے بڑے بڑے اجزا کے درمیان ، ورنہ ، اس لیے ، لہذا ، اگرچہ ، چہ جائیکہ ، درآں حالیکہ ، لیکن اور اسی قسم کے ربط دینے والے دوسرے الفاظ آئیں ، وہاں ذہن کو سمجھنے کا موقع دینے کے لیے ان لفظوں سے پہلے وقفے کی علامت لگاتے ہیں۔ واضح رہے کہ جب مذکورہ بالا الفاظ چھوٹے چھوٹے جملوں کو ملاتے ہوں تو ، یہ علامت نہ لگائی جائے گی بلکہ سکتہ ہی کافی ہوگا مثالیں یہ ہیں۔

اگرچہ آج کل نقادان فن اس بات کو سمجھتے ہیں کہ کسی خاص غرض کو پیش نظر رکھ کر یا کسی خیال یا رائے کی اشاعت کے لیے کوئی ڈراما لکھا جائے لیکن پاکستان جیسے ملک میں جہاں زندگی کا ہر پہلو قابل اصلاح ہے اور معاشرت کے ہر شعبے میں تذبذب اور انتشار بپا ہے ، فن کی بعض نازک اور خیالی خوبیوں کو قربان کر سکتے ہیں ، بشرطیکہ وہ سلیقے سے لکھا جائے۔

(د) اوپر کی مثالیں مولوی عبدالحق کی قواعد اردو سے ماخوذ ہیں۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب نے جامع القواعد میں بتایا ہے کہ کسی عبارت یا پیراگراف کے آخر میں لفظ "مثلاً" اور "جیسے" کے

بعد بھی وقفے کا نشان آئے گا[1] -

رابطہ (Colan) :

مولوی عبد الحق کی تصریحات کے مطابق رابطہ کے نشان کا استعمال مندرجہ ذیل مقامات پر ہوگا -

(الف) جب جملے کے کسی سابقہ خیال یا بات کی تشریح یا تصدیق کی جائے جیسے :

(۱) سفر ہو یا حضر ، دن ہو یا رات ، کام ہو یا تفریح ، ہمیشہ اور ہر جگہ اپنی صحت کا خیال رکھو : اگر کوئی نعمت ہے تو یہی ہے -

(۲) کیا خوب سودا نقد ہے : اس ہاتھ دے اس ہاتھ لے -

(۳) کاو کاو سخت جانی ہائے تنہائی نہ پوچھ
صبح کرنا شام کا : لانا ہے جوئے شیر کا[2]

(ب) جب کسی مختصر مقولے یا کہاوت وغیرہ کو بیان کرنا ہو تو تمہیدی جملے اور اصل جملے کے بیچ میں نیم وقفہ یا رابطہ لاتے ہیں جیسے :

(۱) کسی حکیم کا قول ہے : آپ کاج مہا کاج -

(۲) بقول شاعر : عیب بھی کرنے کو ہنر چاہیے -

(۳) سچ ہے : گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں -

(ج) ایسے دو جملوں کے بیچ میں بھی رابطہ لاتے ہیں جو آپس میں متقابل یا ایک دوسرے کی ضد ہوں اور دونوں مل کر ایک پورے خیال کو ظاہر کریں جیسے :

---

۱ - وقفہ سے مراد اگر سیمی کولن ہے تو یہ رابطے کی علامت نہیں -
۲ - کولن کا یہ استعمال محل نظر ہے -

من چلتا ہے : ٹٹو نہیں چلتا[1]

(د) جب دو جملوں میں سے ایک ، دوسرے کی توجیہ کرے مگر کوئی حرف توجیہ ان کے بیچ میں نہ ہو تو ان کے درمیان میں رابطہ لاتے ہیں جیسے :

بچوں کو تنہائی میں نصیحت کرنا چاہیے : سب کے سامنے نصیحت کرنے کا اثر الٹا ہوتا ہے ۔

تفصیلیہ (Colan Dash)

مندرجہ ذیل مقامات پر استعمال ہوتا ہے ۔

(الف) کسی طویل اقتباس یا فہرست کے اظہار کے لیے جیسے :

اسم معرفہ کی قسمیں ہیں :— اسم علم ۔ اسم لقب ۔ اسم خطاب ۔ اسم کنیت ۔ اسم عرف ۔

(ب) کسی اصول یا قاعدے کو پیش کرتے وقت جب کہ ایسے موقع پر "مثلاً" یا "جیسے" کا لفظ محذوف یا مقدر ہو مثلاً :

اسم وہ کلمہ ہے جو نام ہو کسی شخص ، جگہ یا چیز کا :— حامد ، محمود ، کتاب ، قلم ، باغ ، کراچی[2] ۔

(ج) ایسے جملے کے بعد جس کے آگے کسی واقعہ کی تفصیل بیان کی جائے جیسے :

پانی کے فوائد کیا کیا بیان کیے جائیں :— اس سے کھانا پکاتے ہیں ، غسل کرتے ہیں ، کپڑے دھوتے ہیں ، کھیتوں کو سیراب

---

۱ ۔ مختلف طرح کے وقفے دراصل مدت قیام کو ظاہر کرتے ہیں اور اسی مقصد سے استعمال ہونے چاہئیں ۔ یہاں کولن کا مطلب یہ ہے کہ بولنے والا من چلتا ہے کے بعد اگلے الفاظ پر زور لانے کے لیے زیادہ ٹھہرا ، ورنہ یہ کام سکتے (کوما) سے بھی چل جاتا ۔

۲ ۔ تفصیلیہ عموماً کسی مکمل جملے یا عبارت کے درمیان نہیں آتا ۔ پیرے کے آخر میں آتا ہے ۔

کرتے ہیں ، جانوروں کو پلاتے ہیں ، ہم خود پیتے ہیں ، پانی کے بغیر نہ کوئی پودا لگ سکتا ہے، نہ کوئی جان دار زندہ رہ سکتا ہے۔

(د) کسی عبارت ، واقعہ ، یا مضمون کی تلخیص کرتے وقت جب کہ جملے کے آخر میں "غرضکہ" یا "مختصر یہ ہے" یا "حاصل کلام یہ ہے" کے الفاظ آئے ہوں جیسے :

صبح کے منظر کی کیفیت مختصراً یہ تھی :— ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی ، پھول اور پودے جھوم رہے تھے ، گویا ایک دوسرے کا منہ چوم رہے تھے ، چڑیاں چہک رہی تھیں ، کلیاں مہک رہی تھیں ، سورج گلابی رنگ کے بستر پر انگڑائیاں لے رہا تھا ، ستارے ڈر کے مارے کہیں چھپ گئے تھے - چشموں کی روانی کیا تھی ایک طرح کی نغمہ خوانی تھی ، ایسی نغمہ خوانی جو روح کو سکون بخشتی ہے۔

خط (Dash) :

"خط" اور ختمہ کے نشانات ایک جیسے ہیں - صرف یہ کہ ختمہ کا نشان خط کے نشان کے مقابلے میں قدرے مختصر ہوتا ہے - نہ خط کی اصطلاح ابھی تک عام ہو سکی ہے اور نہ ختمہ کی - اردو میں بالعموم ختمہ کے بجائے انگریزی لفظ "ڈیش" بولا جاتا ہے لیکن ڈیش کو ختمہ کی جگہ بولنا مناسب نہیں اردو میں ختمہ کو انگریزی لفظ "فل اسٹاپ" کی جگہ اور خط کو ڈیش کی جگہ بولنا اور لکھنا چاہیے - ختمہ کے استعمال کی صورتیں اوپر بیان کی جا چکی ہیں - خط کا استعمال اردو میں نہیں ہے - بہرحال اس کے استعمال کے موقعے یہ ہیں :

(۱) کہتے کہتے جب بات کے رخ کو اچانک بدل دیا جائے جیسے میں سوچتا ہوں کہ اب کے اس سے عید ملنے جاؤں - لیکن میں کیوں جاؤں ، وہ مجھ سے عمر میں چھوٹا ہے ، رشتے میں چھوٹا ہے ، اسے چاہیے کہ وہ خود مجھ سے ملنے آئے -

(۲) کسی بات کی مزید وضاحت کے لیے جیسے راستے میں اس کا سارا سامان لٹ گیا - ریڈیو ، گھڑی ، زیور ، نقدی ، کپڑے ، بستر ، کچھ بھی تو باقی نہ رہا -

سوالیہ ؟ (Interrogation) :

سوالیہ نشان سوالیہ جملوں کے بعد آئے گا جیسے **نیرنگ خیال** کا مصنف کون ہے ؟

فجائیہ و ندائیہ ! (Exclamation) : ایسے کلمات و فقرات کے بعد جو غصہ ، خوف ، نفرت ، افسوس ، حیرت ، تحسین اور خوشی وغیرہ کے اظہار کے لیے استعمال ہوتے ہیں منادیٰ کے بعد بھی آتا ہے بشرطیکہ اس سے قبل حرف ندا بھی آیا ہو ۔

واحسرتا ! کہ یار نے کھینچا ستم سے ہاتھ
مجھ کو حریص لذت آزار دیکھ کر (غالب)

ہند کے شاعر و صورت گر و افسانہ نویس
آہ! بے چاروں کے اعصاب پہ عورت ہے سوار (اقبال)

قوسین (Bracket) :

مندرجہ ذیل جگہوں میں قوسین کا نشان استعمال ہوگا ۔

(الف) کسی لفظ کے معنی ، تذکیر و تانیث ، واحد جمع یا تلفظ کی وضاحت کے لیے جیسے :

(۱) "خیال" (موسیقی کی ایک اصطلاح) کے متعلق کہا جاتا ہے کہ حضرت امیر خسرو کی ایجاد ہے ۔

(۲) شعر کے لیے میٹر (وزن) اور ردم (آہنگ) دونوں ضروری ہیں ۔

(۳) معلم (میم مضموم ماقبل آخر مکسور) عربی مصدر ، علم کا اسم فاعل ہے ۔

(۴) جنس (تذکیر و تانیث) کی دو قسمیں ہیں ایک مصنوعی (غیر حقیقی) اور دوسری حقیقی ۔

(۵) "آب" (پانی کے معنوں میں) مذکر ہے ۔

(ب) جملۂ معترضہ کے آغاز اور خاتمے پر جیسے :

(۱) ہمارے سیاسی رہنما (آپ ان میں سے ایک دو کو چھوڑ دیجیے) باتیں بنانے کے سوا اور کچھ نہیں کرتے ۔

(۲) غالب کی شاعری کے متعلق میری رائے (اول تو میری رائے کیا اور رائے کی اہمیت کیا) بہرحال یہ ہے کہ اس کی شاعری بنیادی طور پر جذبے کی نہیں فکر و نظر کی شاعری ہے -

اوین (Inverted Commas) :

کسی حوالے ، کسی قول ، یا کسی اقتباس کے نقل کرنے پر اس کے آغاز و اختتام پر واوین کا نشان استعمال ہوتا ہے جیسے :

(۱) پروفیسر حمید احمد خاں نے اپنی تقریر میں کہا :

"اوائل سن شعور میں غالب کے کلام کے جس پہلو نے مجھے متاثر کیا وہ مادی کائنات کی وسعتوں پر غالب کی ذہنی گرفت تھی" -

(۲) اس نے کہا "میں آپ کی کسی بات پر یقین نہیں کر سکتا" یہ ایک طرح کی گالی نہیں تو اور کیا ہے -

(۳) بقول مولوی عبدالحق "اردو ، ہندی نژاد ہے اور قدیم ہندی یا پراکرت کی آخر اور سب سے شائستہ صورت ہے" -

بقول ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں حوالہ اندر حوالہ یا اقتباس اندر اقتباس کی صورت ہو تو اندرونی اقتباس کے لیے اکہری واوین استعمال کرنی چاہیے مثلاً :

پنڈت کیفی لکھتے ہیں "ڈاکٹر عبدالستار صدیقی فرماتے ہیں' مرزا غالب ذرا کو حرف ز سے لکھتے ہیں - ذرا کیوں ز سے لکھتے تھے اور اب کچھ لوگ ایسا کیوں کرتے ہیں -

زنجیرہ (Hyphan) :

اردو میں زنجیرہ ، انگریزی ہائفن کا بدل ہے - ہائفن انگریزی مرکبات میں ان دو لفظوں کے درمیان استعمال ہوتا ہے جن کے امتزاج سے مرکب لفظ بنتا ہے جیسے ، Horse-Race ،

، Pick-Pocket ، Lamp-Oil ، Anti-Public ، Post-Man
'- Shoe-Master

اردو میں اس طرح کے مرکب امتزاجی ابھی تک بالعموم بغیر کسی نشان کے لکھے جاتے ہیں جیسے 'جیب گھڑی' 'چاند گرہن' 'دودھ شریک' 'گھر داماد' 'سفر خرچ' 'ہند آریائی' 'ہندو مسلم کلچر' 'ہند الہانی' وغیرہ کوئی تاشخص ان مرکبات کے دو لفظوں کے درمیان زنجیرہ کا نشان نہیں لگاتا لیکن جیسے جیسے علمی و سائنسی اصطلاحات اردو میں جگہ پائیں گی اس طرح کے مرکبات میں اضافہ ہوتا رہے گا مناسب یہ ہے کہ ان مرکبات میں زنجیرہ کے نشان کو جگہ دی جائے اور 'ہند آریائی' کو 'ہندی آریائی' 'روسی جاپانی صلح نامہ' کو روس جاپانی صلح نامہ' لکھا جائے تا کہ اس کے معنی سمجھنے میں کوئی دشواری نہ ہو -

بعض دوسری علامتیں -

(۱) ایضاً : جیسا کہ داغ دہلوی کے اس شعر سے ظاہر ہے -

جو تم کو ہم سے نفرت ہے تو ہم کو تم سے ایضاً ہے
جو تم نظریں بدلتے ہو تو ہم بھی دل بدلتے ہیں

ایضاً کے لغوی معنی ہیں "بھی" "نیز" یا "وہی" لیکن اردو میں ان معنوں کے علاوہ "دہرانا" اور "منظور کرنا" کے معنی میں بھی مستعمل ہے - یہ حرفوں کے بجائے اپنے نشان "سے ظاہر کیا جاتا ہے - انگریزی میں ایضاً کی جگہ (Ditto) کا لفظ بولتے ہیں اور انگریزی میں اس کا نشان "Do" ہے -

(۲) الخ : الی الاخرہ (اس کے آخر تک) کا مخفف ہے - پوری عبارت نقل کرنے کے بجائے جب ابتدائی کلمات یا ٹکڑے لکھ کر اس کے آگے الخ بنا دیتے ہیں ، تو مفہوم یہ ہوتا ہے کہ

---

۱ - جدید رجحان یہ ہے کہ مرکبات کو مدغم کر دیا جائے - ہائیفن کا استعمال متروک ہوتا جا رہا ہے -

جس عبارت کا حوالہ دیا گیا ہے ، اسے آخر تک دیکھا یا سمجھا جائے مثلاً :

نقش فریادی ہے .... الخ

اس کا مطلب یہ ہے کہ غالب کے اس شعر کو پورا دیکھا جائے ۔

(۳) ج ۔ س م ۔ ف "جواب سے مطلع فرمائیے" کا مخفف ہے ۔ انگریزی میں جس جگہ .R. S. V. P لکھا جاتا ہے اردو میں وہاں ج ۔ س ۔ م ۔ ف لکھ دیتے ہیں ۔ صاحب کیفیہ نے اس کے لیے "جواب عنایت ہو" کا مخفف جمع تجویز کیا تھا ، لیکن مقبول نہ ہوا ۔ ج ۔ س ۔ م ۔ ف کا رواج ہو گیا ہے اور اب یہی لکھنا چاہیے ۔

(۴) رح ۔ "رحمۃ اللہ علیہ" کا مخفف ہے ۔ بزرگان دین و ملت کے ناموں کے ساتھ استعمال ہوتا ہے ۔

(۵) رض ۔ "(رضی اللہ عنہ" یا "رضی اللہ عنہا" کا مخفف ہے صحابہ کرام اور ازواج مطہرات کے ناموں کے آگے لکھا جاتا ہے ۔

(۶) "س" علمی و ادبی کتابوں میں "سطر" کے لیے بطور مخفف لکھتے ہیں ۔

(۷) سنہ تقویمی سال کا نشان ہے ۔

(۸) سنہ ع سن عیسوی مراد ہے ۔

(۹) سنہ ھ سن ہجری مراد ہے ۔

(۱۰) سنہ ف سن فصلی مراد ہے ۔

(۱۱) سنہ ش سن شمسی مراد ہے ۔

(۱۲) ص صفحہ کی نمائندگی کرتا ہے ۔

(۱۳) صہ یا صلعم "صلی اللہ علیہ وسلم" کی علامت ہے ۔

(۱۴) صہ یا V "صحیح" کا نشان ہے ۔

(۱۵) ع مصرع کی علامت ہے ۔ جب کسی عبارت میں کوئی مصرع درج کرنا ہو تو مصرعے سے پہلے ع لکھ دیتے ہیں ۔

(۱۶) علیہ "علیہ السلام" کا مخفف ہے ۔ عام طور سے پیغمبروں ، نبیوں اور اماموں کے نام کے آگے لکھا جاتا ہے ۔

(۱۷) کرم ۔ کرم اللہ وجہہ کا نشان ہے ۔ چوتھے خلیفہ حضرت علی کرم کے نام کے ساتھ لکھا جاتا ہے ۔

(۱۸) کذا : کذالک (معنی ہیں اس طرح) کا مخفف ہے جب نثر یا نظم کے کسی لفظ یا ٹکڑے پر کذا لکھا ہو تو سمجھنا چاہیے کہ وہ اصل کے عین مطابق ہے یعنی جس طرح اصل نسخے میں موجود ہے بالکل اسی طرح منقول ہے ۔

(۱۹) عـــ نمبر کا نشان ہے ۔

(۲۰) ـــہ یہ نشان اس امر کو ظاہر کرتا ہے کہ اس کے بعد کوئی شعر نظم یا نظم کا ٹکڑا درج کیا جائے گا ۔

(۲۱) ۷۸۶ "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" کے بجائے لکھتے ہیں ، اس لیے کہ ابجد ہوز کے لحاظ سے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے اعداد ۷۸۶ نکلتے ہیں ۔

(۲۲) "۹۲" محمد کے اعداد بلحاظ ابجد ہوز ۹۲ نکلتے ہیں اس لیے محمدؐ کے بجائے لکھتے ہیں ۔

(۲۳) "=" مساوی برابر ہونے کا نشان ہے ۔

(۲۴) "و ۔ ا" ورق الٹیے کا نشان ہے انگریزی میں اس کے لیے (P. T. O.) کا رواج ہے ۔

(۲۵) "ا" الہ کا مخفف ہے ۔

(۲۶) "مع" مزید عبارت کی علامت ہے جو مضمون یا خط کے آخر میں بطور اضافہ لکھی جاتی ہے ۔ انگریزی میں اسے پوسٹ اسکرپٹ "Postscript" کے مخفف (P. S.) سے ظاہر کرتے ہیں ۔

متفرقات ۔

(۱) موقع : کو ہائے مخفی کے ساتھ "موقعہ" لکھنا غلط محض ہے ۔ "موقع" لکھنا چاہیے ۔

(۲) فُلاں : کنایہ ہے شخص یا فرد سے اس کی ف میں ہمیشہ پیش لکھنا چاہیے ۔

(۳) متوفیٰ : بمعنی وفات پایا ہوا ۔ میں الف لگانا ضروری ہے جو لوگ متوفی لکھتے ہیں غلطی پر ہیں ۔[1]

(۴) مسئلہ : اس لفظ پر ہمزہ ضرور لکھنا چاہیے ۔ اس لیے کہ اس کا غلط تلفظ عام ہوتا جا رہا ہے ۔

(۵) دُوُم : (دوسرا) میں د اور واؤ دونوں پر پیش ہے ۔ اسے دوئم یا دویم لکھنا غلط ہے ۔

(۶) سِوُم : میں بھی س مکسور اور واؤ مضموم ہے اس لیے سوئم یا سویم یا سیوم لکھنا غلط ہوگا ۔

(۷) پروا : کا املا "پرواہ" یکسر غلط ہے ہمیشہ "پروا" لکھنا چاہیے ۔

(۸) غلطی بمعنی خطا اردو ہے ۔ اس لیے عربی کی تقلید میں اس کے لام پر زیر لکھنا مناسب نہیں ۔

(۹) عربی کے مصدر مفاعلہ اور اس وزن کے دوسرے مصادر مثلاً مشاعرہ ۔ مصافحہ ۔ معاملہ مباحثہ ۔ معاشقہ ۔ معاہدہ ۔ مطالعہ ۔ محاسبہ ۔ مشاہدہ ۔ موازنہ وغیرہ کے چوتھے اور پانچویں حرف پر زبر آتا ہے اور عربی میں ان کا تلفظ اسی طرح کیا جاتا ہے ، لیکن اردو میں چوتھے حرف کے زبر کو زیر سے بدل لیتے ہیں یا چوتھے حرف کو ساکن کر لیتے ہیں ۔ عام و خاص سب کا یہی طرز عمل ہے ، اس لیے عربی کی تقلید میں اسی نوع کے الفاظ کے چوتھے حرف پر زبر لکھنا درست نہ ہوگا ۔

---

۱ ۔ ایسے اور بھی لفظ ہیں جن کا الف گرایا جا چکا ہے ، مثلاً مسمی ۔

(۱۰) عوض کو بعض "عیوض" لکھتے ہیں یہ غلط محض ہے۔[1]

(۱۱) "ازدحام "ہجوم" کے معنی میں عربی لفظ ہے - اسے ز کے بجائے ژ سے اژدہام لکھنا صریحاً غلط ہے -

(۱۲) شکوہ ، دراصل عربی "شکویٰ" کی فارسی شکل ہے فارسی میں چونکہ "شکوہ" ہی مستعمل ہے اور اردو میں بھی اسی شکل میں آیا ہے اس لیے اسے الف سے 'شکوہ' لکھنا غلط ہوگا -

(۱۳) "طول عمرہ" لکھنا غلط ہے اصل میں طوّل عمرُہٗ ہے -

(۱۴) بادی النظر ، قاضی الحاجات اور خالی الذہن کی ی پر پیش نہیں ہمیشہ زبر لکھنا چاہیے)

(۱۵) "عِرق انسا" (عورتوں کی ایک بیماری ، عرق بمعنی شریان) ہمیشہ ع کے زیر کے ساتھ لکھنا چاہیے ، اس لیے کہ زبر کے ساتھ اس کے معنی کچھ سے کچھ ہو جائیں گے -

(۱۶) "عمر طبیعی" کو اکثر "عمر طبعی" لکھا ہوا دیکھا ہے یہ غلط ہے ع سے پہلے ی ضرور چاہیے -

(۱۷) اردو میں بعض مرکبات عربی کے طرز پر بنائے گئے ہیں جیسے عندالپڑتال ، فوق البھڑک ، بالراست ، قریب المرگ ، گنج العرش - اول تو ان کے استعمال سے پرہیز کیا جائے اور اگر لکھنا ضروری ہو تو اسی طرح "ال" کے ساتھ لکھا جائے اس لیے کہ اردو میں ان کا استعمال عام ہو گیا ہے -

(۱۸) تحت الثرا - میں دوسری ت اور ث میں زبر لکھنا چاہیے تا کہ تلفظ میں غلطی نہ ہو -

(۱۹) شبیہہ اور جبیہہ ، میں دو "ہ" آتی ہیں پہلی ہائے ملفوظ کی حیثیت

---

۱ - مگر "عیوضی" اردو کی اختراع ہے ، اسے اب درست کرنے کی ضرورت نہیں -

میں دوسری ہائے مختفی کی حیثیت سے ، ان لفظوں کو اسی طرح لکھنا چاہیے -

(۲۰) "بابر" کی تحقیق بتاتی ہے کہ یہ لفظ ترکی میں "ب" کے پیش کے ساتھ بابُر ہے چنانچہ بعض حضرات اپنے اظہار علم کے لیے "بابُر" ہی لکھنے لگے ہیں - یہ صحیح نہیں ہے - اردو میں ب کے زبر کے ساتھ ہی مستعمل ہے اور یہی صحیح ہے بالکل اسی طرح جیسے ترکی کا لفظ "بیُگم" اردو میں "بیگَم" ہے -

(۲۱) تقاضا ، تماشا ، تاشا کو بعض الف کے بجائے ہائے مختفی سے تقاضہ - تماشہ اور تاشہ لکھتے ہیں ، صحیح نہیں ہے الف سے لکھنا چاہیے -

(۲۲) "بالمشافہہ" کو اکثر بالمشافہ لکھا جاتا ہے ، یہ غلط محض ہے اس کے آخر میں دو "ہ" آتی ہیں - ایک ہائے ہوز اور دوسری ہائے مختفی دونوں لکھی جائیں تا کہ پڑھنے میں غلطی نہ ہو - بالمواجہہ کی بھی یہی صورت ہے -

(۲۳) بیان کیا جا چکا ہے کہ الفاظ کے آخر میں جب ہائے مختفی ماقبل سے متصل ہو کر آئے گی تو صرف ایک مختصر شوشے کے ساتھ لکھی جائے گی جیسے - مہ - بہ - نہ - یہ وغیرہ - لیکن اگر ہائے ملفوظ ہو گی تو دو شوشے آئیں گے - جیسے کہہ (کہنا) - سہہ (سہنا سے) بہہ (بہنا سے) -

(۲۴) عبارت کے اندر اعداد کے اظہار کے لیے ہندسوں کی بجائے الفاظ استعمال کیے جانے چاہیں یعنی ۳۰۰ روپے کو تین سو روپے ، ۲ $\frac{۱}{۲}$ من کو ڈھائی من ، ۱۲/ کو بارہ آنے لکھنا چاہیے اس سے مغالطے کی گنجائش نہ رہے گی -

(۲۵) لکھتے وقت سطروں کے خاتمے کے سلسلے میں مندرجہ ذیل باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے :

(الف) کوئی فعل ، دو سطروں میں نہ تقسیم ہو جائے یعنی ایسا نہ ہو کہ "جاؤں گا" "کرتا ہوں" "گیا تھا" وغیرہ کا ایک جزو جاؤں - کرتا - گیا - پہلی سطر میں ہو اور - گا - ہوں - تھا دوسری سطر میں -

(ب) اسما کے سلسلے میں بھی یہی صورت ملحوظ رہے گی ، یعنی ہر کلمہ اکائی کے طور پر ایک ہی سطر میں لکھا جائے گا - یہ نہیں کہ گھبراہٹ ، مانوس ، توکل کے ابتدائی اجزا گھبرا ، ما اور تو ، ایک سطر میں ہوں اور آخری اجزا ہٹ ، نوس اور کل دوسری میں -

اس طرح کی فرو گذاشت بظاہر بہت معمولی نظر آتی ہے - لیکن اول تو لفظ کی بے محل تقسیم سے عبارت کا روپ خراب ہو جاتا ہے دوسرے بقول صاحب کیفیہ ، کبھی کبھی اس سے پیدا ہونے والے معنی ذہن کو بڑی الجھن میں ڈال دیتے ہیں - مثال کے طور پر اگر صفحہ کے آخری سطر کا آخری ٹکڑا ہو :

آج آپ کا بھائی مر—— اور دوسرے صفحے کی پہلی سطر میں اد آباد گیا ہے تو ایک لمحے کے لیے آپ چونک جائیں گے - اگرچہ دوسرے ہی لمحے آپ کو یہ معلوم ہو جائے گا کہ :

"آپ کا بھائی آج مراد آباد گیا ہے"

(ج) ہندی ، فارسی اور عربی مرکبات مثلاً :

(۱) دودھ والا - ان پڑھ - کام چور - جیب گھڑی - مزے دار وغیرہ -

(۲) خواب آور - خیال آفروز - شیر فروش - دل سوز - خورد و نوش - ہوش و گوش - خون جگر - غنچہ دل - جوان سال - لب شیریں - مرد نادان - وغیرہ کو بھی یکجا لکھنا چاہیے -

(۳) عنداللہ - ماشاءاللہ - سبحان اللہ - مابہ الامتیاز - قصص الانبیا - تذکرہ الشعرا - اور اس قسم کے دوسرے الفاظ کو بھی ایک ہی سطر میں لکھنا چاہیے -

(د) اردو کے بعض مرکبات کئی کئی لفظوں سے مل کر بنتے ہیں ، لیکن معنوی حیثیت سے مفرد ہوتے ہیں جیسے :

(۱) دودھ بیچنے والا ۔
(۲) ٹھیکہ لینے والے صاحبان ۔
(۳) ہل چلانے والے بوڑھے کسان ۔

اس طرح کے مرکبات کو بھی ایک ہی سطر میں جگہ پانا چاہیے ۔[1]

(ک) کوشش یہ کرنی چاہیے کہ اگر ۔ مگر ۔ سو ۔ تو ۔ جو قسم کے کلمات پر سطر ختم نہ ہو ۔

(ل) حرف جار : سے ۔ کو ۔ میں ۔ نے ۔ پر وغیرہ ہمیشہ اپنے مجرور یعنی قبل آنے والے اسما کے ساتھ لکھے جانے چاہیے جیسے :

(۱) لاہور سے ۔
(۲) بچے کو ۔
(۳) دن میں ۔
(۴) اس نے ۔
(۵) دیوار پر ۔

ان حروف کو مجرور سے الگ کر کے دوسری سطر میں لکھنا درست نہ ہوگا ۔

(ن) جب کسی فعل کی نفی کے لیے نہ یا نہیں اور فعل نہی کے لیے نہ یا مت کے الفاظ استعمال کیے جائیں گے تو یہ کلمات فعل کے ساتھ ایک ہی سطر میں لکھے جائیں گے مثلاً :

(۱) نہ کر ۔
(۲) مت جا ۔
(۳) نہ آیا نہ گیا ۔
(۴) نہیں سنا ۔

---

۱ ۔ یہ کتابت و طباعت کے مسائل ہیں ، بہتر یہ ہوگا کہ انگریزی کے ڈیش کی طرح کوئی مختصر علامت تسلسل کی وضع کر لی جائے ، جیسے مد (ٓ) جو ہائیفن کے طور پر بھی تجویز کیا گیا ہے ۔

اس قسم کے فقروں میں فعل کو کلمات نفی کے ساتھ یکجا لکھا جائے گا -

(۲۶) پرانے املا میں اس اسی ان کے لفظوں کو اوس - اون - وغیرہ لکھا جاتا تھا ، اب اسے متروک سمجھنا چاہیے اور صرف اس - ان لکھنا چاہیے -[1]

۲۷ - اردو املا میں بعض الفاظ ، حروف کو غیر ضروری طور پر ملا کر لکھے جاتے ہیں ، یہ بھی ایک طرح کا غلط املا ہے ، ان کی صحیح صورتیں یہ ہیں :

غلط	صحیح
(۱) اِسکو - اُسکو[2]	اِس کو - اُس کو
(۲) اِنکو - اُنکو	اِن کو - اُن کو
(۳) اسلئے - کسکے - کیلئے	اس لیے - کس کے - کے لیے
(۴) اِسواسطے - کسواسطے	اِس واسطے - کس واسطے
(۵) اِسقدر - کسقدر - اسطرح - جسطرح	اِس قدر - کس قدر - اِس طرح - جس طرح
(۶) پھلدار - طرحدار - مالدار - ایماندار	پھل دار - طرح دار - مال دار - ایمان دار
(۷) عقلمند - صحتمند - دولتمند	عقل مند - صحت مند - دولت مند
(۸) مجھکو - تجھکو - مجھسے - تجھسے	مجھ کو - تجھ کو - مجھ سے - تجھ سے

---

۱ - اس ، ان ، انھیں ، ادھر اُدھر اتنے کثیر الاستعمال الفاظ ہیں کہ ان پر اعراب کی شدید ضرورت محسوس ہوتی ہے - تحریر و طباعت میں اس کی پابندی کی جائے تو اچھا ہے اگلے لوگ اسی لیے و یا ی اضافہ کرتے تھے کہ اشارۂ قریب و بعید واضح ہو جائے -

۲ - تحریر میں اس کی ایک مناسب حد تک اجازت ہونی چاہیے - اس میں سہولت ہے اور وقت کی بچت بھی -

(۹) ہمکو ۔ تمکو	ہم کو ۔ تم کو
(۱۰) کیونکہ ۔ کیونکر	کیوں کہ ۔ کیوں کر
(۱۱) حالانکہ ۔	حالاں کہ ۔
(۱۲) چنانچہ	چناں چہ[1]
(۱۳) چاہیئے ۔ کیجئے ۔ لیجئے ۔ دیجئے ۔ پیجئے ، لئے ۔ دئے ۔ کئے	چاہیے ۔ کیجیے ۔ لیجیے ۔ دیجیے ۔ پیجیے ۔ لیے ۔ دیے ۔ کیے
(۱۴) خوبصورت ۔ خوشبو	خوب صورت ۔ خوش بو
(۱۵) ٹیلیویژن یا ٹیلیوژن ۔ ٹیلیفون	ٹیلی ویژن یا ٹیلی وژن ۔ ٹیلی فون
(۱۶) یونیورسٹی ۔ یونیفارم	یونی ورسٹی ۔ یونی فارم
(۱۷) رہیگا ۔ کہیگا ۔ بہیگا	رہے گا ۔ کہے گا ۔ بہے گا
(۱۸) دلچسپ ۔ دلپسند ۔ دلخراش ۔ دلخواہ	دل چسپ ۔ دل پسند ۔ دل خراش ۔ دل خواہ
(۱۹) جسکو ۔ جسقدر ۔ جسطرف	جس کو ۔ جس قدر ۔ جس طرف
(۲۰) راہبر ۔ راہنما ۔ راہگیر	راہ بر ۔ راہ نما ۔ راہ گیر
(۲۱) پہونچنا ۔ سونچنا	پہنچنا ۔ سوچنا

(۲۸) ہندسوں میں سن لکھنا مقصود ہو ، تو من ہے نشان "سنہ" کے ساتھ لکھا جائے ۔ عیسوی سنہ میں ع کا اور ہجری سنہ میں ھ کا نشان لگایا جائے ۔

(۲۹) ہندسوں میں تاریخ لکھی جائے تو عدد کے بعد ترچھا الف لکھا جائے جیسے ۲۸/ جون ، ۲۵/ جولائی ۱۴/ اگست وغیرہ ۔

(۳۰) تاریخ ، مہینہ اور سال تینوں کی نشان دہی ہندسوں کے ذریعے کرنی ہو تو دو طرح لکھنا چاہیے :

---

۱ ۔ یہ ایک ہی کلمہ شمار ہونا چاہیے ۔

(۱) ۱۴-۸-۴۷

(۲) ۱۴ $\frac{۸}{۴۷}$

ان میں ۱۴، سے مراد چودہ تاریخ، آٹھ سے مراد آٹھواں مہینہ اور ۱۹۴۷ء ہے۔

(۳۱) "قدس سرہ" کو "قُدس سرہ" یعنی قاف کو مفتوح نہیں مضموم لکھا جائے گا۔ اگر لکھنا ہو تو قدس کے بعد اللہ کا لفظ بڑھا کر یوں لکھا جائے قدس اللہ سرہ۔

(۳۲) "رضائی" کی اصل کیا ہے، اس کی بحث کا یہ موقع نہیں بعض کا خیال ہے کہ فارسی مصدر رزیدن بمعنی رنگنا سے ہے، اس لیے رزائی لکھنا چاہیے۔ ممکن ہے یہ خیال صحیح ہو لیکن چونکہ اردو فارسی میں ز اور ض دونوں سے ملتا ہے اس لیے دونوں طرح درست ہے ترجیح ز کو دینا چاہیے۔

(۳۳) ایک لفظ "گہما گہمی" آج کل بہت بولا جاتا ہے۔ اس کا تلفظ بعض لوگ سہما سہمی کے وزن پر اور بعض دھما دھمی کے وزن پر کرتے ہیں۔ معلوم نہیں سہما سہمی کے وزن پر بولنے کا کیا جواز ہے۔ لیکن "دھما دھمی" کے وزن پر "گہما گہمی" پڑھنے اور بولنے کا جواز سمجھ میں آتا ہے۔ یہ لفظ غالباً گھوما گھامی (گھومنا سے) کا مخفف ہے اور چوما چاٹی یا چوم چاٹ اور تاک جھانک یا تاکا جھانکی کے انداز پر بنایا گیا ہے۔ اس لیے اسے دو چشمی "ھ" سے گھما گھمی لکھنا چاہیے اور دھما دھمی کے وزن پر پڑھنا چاہیے[1]۔

(۳۴) دوکان میں "واو" کی ضرورت نہیں واو کے بغیر "دکان" لکھنا چاہیے۔

(۳۵) فارسی ترکیب میں بشرطیکہ مضاف یا موصوف کا آخری حرف

۱۔ گہما گہمی ہماری تحقیق کے مطابق درست اور دلی میں رائج تھا۔ یعنی چہل پہل نہ کہ چھل پھل۔

الف ، و ، ہمزہ اور ی نہ ہو ، مضاف یا موصوف کے نیچے زیر لکھا جائے گا جیسے دلِ پر خون - گلِ رنگین - غمِ روزگار - شگفتنِ گل - رسمِ جفا - خونِ جگر - حسنِ نظر - خیالِ حسن وغیرہ -

(۳۶) منہ کو بعض منھہ لکھتے ہیں یہ صحیح نہیں منہ ، لکھنا چاہیے - موں اور مونھ یکسر غلط -

(۳۷) چھانٹنا کے حاصل مصدر چھانٹ کو بعض نون غنہ کے بغیر لکھتے ہیں جیسے کاٹ چھاٹ یہ درست نہیں ، کاٹ چھانٹ لکھنا چاہیے - اس قسم کی غلطی بانٹنا (تقسیم کرنا) اور بٹنا (تقسیم ہونا) کے مصادر کے استعمال میں کئی جگہ دیکھنے میں آتی ہے - اس لیے اس کے مشتقات جہاں کہیں بھی لکھے جائیں نون غنہ کے ساتھ لکھے جائیں -

(۳۸) شصت بمعنی ساٹھ کو شست بھی لکھ سکتے ہیں لیکن چونکہ اردو میں شست کا لفظ بمعنی نشانہ یا ہدف بھی مستعمل ہے اس لیے شصت کو س کے بجائے ص ہی سے لکھنا مناسب ہے -

(۳۹) گاے - چاے - ناو - تاو - دیو - سیو - راے - باے وغیرہ جن کے آخر میں ی اور واو کھینچ کر نہیں پڑھی جاتی بغیر ہمزہ لکھے جائیں گے -

(۴۰) "مسالا" خواہ گرم مسالا کے لوازم میں سے ہو یا گوٹا کناری کے معنی میں اسی طرح لکھا جائے گا - مصالحہ - مسالا لکھنا درست نہیں -

(۴۱) عربی کے بعض الفاظ مثلاً ہٰذا - الہٰ اور الہٰی کا مروجہ املا یہی ہے اس لیے انھیں بغیر کسی تبدیلی کے اسی طرح لکھنا چاہیے -

(۴۲) خربوزہ کو بعض خربزہ اور تربوز کو تربزہ لکھتے ہیں لیکن بولنے اور لکھنے میں رواج عام چونکہ خربوزہ اور تربوز کا ہے اس لیے اردو املا میں خربزہ اور تربزہ لکھنا درست نہ ہوگا -

(۴۳) طالب کی جمع طلبہ کو اردو املا میں طلبا بھی لکھتے ہیں اگرچہ عربی قاعدے کے مطابق یہ درست نہیں لیکن چونکہ طلبہ اور طلبا دونوں کا رواج عام ہو چکا ہے اس لیے دونوں طرح لکھنا درست ہے لیکن ترجیح طلبہ کو دینا چاہیے -

(۴۴) انشا اللہ کو بعض نے ان شاء اللہ لکھنے کا مشورہ دیا ہے مشورہ غلط نہیں ہے[1] - لیکن اردو میں انشاء اللہ ہی مروج ہے اس لیے انشاء اللہ کو صحیح اور ان شاء اللہ کو غلط سمجھنا چاہیے -

(۴۵) بعض نے آئیں - جائیں اور لائیں وغیرہ کو آئن - جائن - لائن وغیرہ لکھنے کا مشورہ دیا ہے ، دلیل یہ دی ہے کہ بلحاظ عروض کبھی یہ الفاظ فعلن کے وزن پر آتے ہیں کبھی فاع کے وزن پر - لیکن اردو املا کے اصولوں کو عروضی بحثوں سے جانچنا کسی طرح مناسب نہیں - اس لیے پہلی صورت یعنی آئیں - جائیں اور لائیں وغیرہ کو صحیح سمجھنا چاہیے -

(۴۶) "کوئی" کو بھی بعض نے بغیر ہمزہ "کوی" لکھا ہے ، یہ صحیح نہیں ہمزہ کے ساتھ لکھنا چاہیے - روئی - سوئی - چھوئی - موئی - کئی - گئی - مئی - نئی بھی ہمزہ کے ساتھ لکھے جائیں گے خواہ عروض و اوزان میں اسے ساقط کرنا پڑے -

(۴۷) "سوائے" اور "بجائے" کی یائے تحتانی پر ہمزہ آئے گا -

(۴۸) کسی مصدر کے درمیان میں جب نون کا حرف دو بار ساتھ ساتھ آئے تو دو بار لکھا جائے گا - جیسے سننا - بننا - تننا وغیرہ لیکن غیر مصدر میں تشدید کا استعمال ہوگا جیسے گنا - چنا - دھنا وغیرہ -

(۴۹) "جزو" بمعنی حصہ عربی میں ہمزہ کے ساتھ 'جزء' ہے لیکن

---

۱ - تاہم غیر ضروری ہے - بندھے بندھائے الفاظ کے جوڑ الگ کرنے کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی -

اردو املا کا عام اصول یہ ہے کہ عربی الفاظ کے آخر کا ہمزہ ساقط ہو جاتا ہے - اس لحاظ سے اسے "جز" لکھنا چاہیے - لیکن اردو میں چونکہ اسی شکل کا دوسرا لفظ (جز) بمعنی "بجز" بھی مستعمل ہے - اس لیے دونوں میں فرق کرنے کے لیے اردو میں جز بمعنی حصہ کو "جزو" یعنی واو کے ساتھ لکھنا چاہیے - اس کا رواج عام بھی ہے - مرکبات میں بھی واو کے ساتھ لکھیں گے جیسے جزو بدن ، جزو کلام ، جزوی بحث وغیرہ -

(۵۰) زردہ (میٹھے چاول) کو "ہ" سے لکھا جائے تا کہ زردا (تمبا کو) میں فرق قائم رہے -

(۵۱) ذی قعد اور ذی الحجہ کو بعض نے ذوالقعدہ اور ذوالحجہ لکھنے کا مشورہ دیا ہے - یہ مشورہ عربی کے نقطہ نظر سے درست ہے لیکن اردو میں رواج عام ذی قعد اور ذی الحجہ کا ہے ، اس لیے یہی املا اب درست سمجھا جائے گا -

(۵۲) ضیا ، ثنا اور علا کے الفاظ عربی میں ہمزہ کے ساتھ ضیاء - ثناء اور علاء ہیں - بیان کیا جا چکا ہے کہ اردو میں جب اس طرح کے الفاظ مفرد استعمال ہوں گے ، بغیر ہمزہ لکھے جائیں گے - لیکن جب عربی اضافت کے ساتھ آئیں گے تو ہمزہ لکھا جائے گا - جیسے ضیاء الاسلام - ثناء اللہ اور علاء الدین میں -

(۵۳) مؤنث - مؤخر - مؤثر - اسرائیل - آئینہ - مؤدب اور اس طرح کے دوسرے عربی فارسی الفاظ جن کے درمیان میں ہمزہ لکھا جاتا ہے اردو میں بھی لکھا جائے گا -

(۵۴) بندو اور بچھو کی جمع بندوؤں اور بچھوؤں پر ہمزہ لکھا جائے گا -

(۵۵) عربی کے بعض الفاظ مثلاً دوران ، بطلان اور حیوان وغیرہ فعلان کے وزن کے مصدر ہیں ، یعنی ان کا پہلا حرف بھی مفتوح ہے اور دوسرا بھی لیکن اردو املا میں دوسرے حرف کا زبر (فتحہ) ساقط ہو جائے گا اور ساکن شمار کیا جائے گا ، اس لیے دوسرے حرف پر عربی کی تقلید میں (فتحہ) زبر نہ لکھا جائے -

(۵۶) فارسی کے مرکب عطفی مثلاً دیدہ و دل ، جاہ و جلال ، ماہ و سال ، رمز و کنایہ ، رسم و راہ ، صبح و شام ، جان و دل ، جسم و روح ، عمر و سال وغیرہ میں ہمزہ لکھنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے ۔ بعض لوگ "واو" پر ہمزہ لکھ کر بھونڈی قسم کی غلطی کرتے ہیں ۔

(۵۷) فارسی مرکب اضافی اور توصیفی میں اگر مضاف اور موصوف کا آخری حرف یائے معروف ہو تو "ی" کے نیچے اضافت کو ظاہر کرنے کے لیے زیر کا نشان لگایا جائے جیسے : طوطیِ بند ، درستیِ اخلاق ، خرابیِ بسیار ، شوخیِ رفتار ، سختیِ ایام ، زندگیِ دوام ، روشنیِ طبع ، مفتیِ زماں ، شادیِ مرگ وغیرہ بعض نے زیر کے بجائے "ی" پر ہمزہ لکھنے کا مشورہ دیا ہے ، لیکن اردو املا میں ی کے نیچے زیر لگانا ہی مناسب ہے اس لیے کہ تلفظ سے یہی قریب تر ہے ۔

(۵۸) انگریزی کے وہ الفاظ جن کے شروع میں ایس (S) آتا ہے اور تلفظ میں ای (E) کی آواز نکلتی ہے ، اردو املا میں الف سے لکھے جائیں گے جیسے : اسکول ، اسپیشل ، اسٹیٹ ، اسپورٹ اسٹول وغیرہ[1] ۔

(۵۹) فارسی عربی کے ایسے الفاظ جس کا آخری حرف یائے مجہول ہو فارسی ترکیب میں مضاف یا موصوف ہوں گے تو اضافت کے اظہار کے لیے نہ ہمزہ کی ضرورت ہوگی نہ زیر کی ، اس لیے کہ بقول شوکت سبزواری "ے" کسرہ اضافت کی نیابت کر لیتی ہے جیسے شے لطیف ، اور مے ناب ، بغیر ہمزہ لکھے جائیں گے ۔

---

۱ - جو الفاظ اس طرح بن چکے وہ بن چکے - اب ہمارے پڑھے لکھے لوگ شروع کلمہ میں تو ساکن آواز پر قادر ہو گئے ہیں ، لہذا آئندہ کسی انگریزی لفظ کو اردو میں لکھنا ہو تو اس پر جزم دینا مناسب ہوگا ۔

(۶۰) "مزہ" کا لفظ فارسی ترکیب میں ہائے مختفی کے ساتھ اور اردو کے روز مرہ میں الف سے لکھا جائے جیسے کافٹن کی سیر میں بڑا مزا آیا۔

(۶۱) عربی کے زکواۃ اور صلواۃ کو ان کے تلفظ کے مطابق اردو میں زکات اور صلات لکھا جائے۔

(۶۲) بعض نے جمادی الاول "جمادی الثانی" اور غوث الاعظم کو جمادی الاولیٰ ، جمادی الاخرہ اور الغوث الاعظم لکھنے کا مشورہ دیا ہے اور عربی کی رو سے یہی درست بھی ہے ، لیکن اول الذکر صورتیں غلط العام فصیح میں داخل ہو گئی ہیں ، اس لیے پہلی ہی صورت میں لکھنا چاہیے۔

مآخذ

(۱) ابو اللیث صدیقی ، ڈاکٹر — جامع القواعد (حصہ حرف) مطبوعہ مرکزی اردو بورڈ لاہور ، ۱۹۷۱ء

(۲) احسن مارہروی — رسالہ فصیح الملک ، مئی ۱۹۰۵ء

(۳) آمنہ خاتون ، ڈاکٹر — اردو نامہ کراچی شمارہ ۱۷ ، ۱۹۶۴ء

(۴) انشاء اللہ خاں — دریائے لطافت (اردو ترجمہ) مطبوعہ انجمن ترقی اردو ۱۹۳۵ء

(۵) برج موہن دتاتریہ کیفی — کیفیہ ، مطبوعہ مکتبہ معین الادب ، لاہور ۱۹۵۰ء

(۶) جلال الدین جعفری — افضل القواعد ، مطبوعہ الہ آباد (یو ۔ پی) ۱۹۳۱ء

(۷) جوش ملیح آبادی — اردو نامہ کراچی شمارہ (۵) ۱۹۶۱ء

(۸) حمید الدین شاہد ، خواجہ — اردو نامہ شمارہ (۶) ۱۹۶۱ء

(۹) خلیق نقوی — اردو نامہ شمارہ (۱) ۱۹۶۰ء

(۱۰) رشید حسن خاں — اردو نامہ شمارہ (۲۹) ۱۹۶۷ء

(۱۱) سردار محمد خاں — کلیاتِ اصواتیات ، مطبوعہ مکتبۂ دانش راولپنڈی ، ۱۹۷۲ء

(۱۲) سر سید احمد خاں — مقالات سر سید جلد ہفتم مطبوعہ مجلس ترقی ادب لاہور ، ۱۹۶۲ء

(۱۳) (الف) سکریٹری سندھ ٹیکسٹ بورڈ بک — قومی زبان بابت مارچ ۱۹۷۴ء

(۱۴) شوکت سبزواری ، ڈاکٹر — اردو نامہ شمارہ (۱۸) ۱۹۷۴ء

(۱۵) شہاب سرمدی — اردو نامہ شمارہ (۱) ۱۹۶۰ء

(۱۶) عبدالحق ، مولوی — قواعد اردو ، مطبوعہ انجمن ترقی اردو کراچی ، 1951ء

(۱۷) عبدالستار صدیقی ، ڈاکٹر —
(۱) رسالہ اردو اکتوبر ۱۹۲۳ء
(۲) رسالہ اردو جنوری ۱۹۴۴ء
(۳) رسالہ ہندستانی جنوری ۱۹۳۱ء
(۴) رسالہ ہندستانی جولائی ۱۹۳۸ء

(۱۸) عبدالستار — اردو نامہ شمارہ (۵) ۱۹۶۱ء

(۱۹) غالب ، اسد اللہ خاں — اردوئے معلی جلد دوم مطبوعہ مجلس ترقی ادب لاہور ، ۱۹۷۰ء

(۲۰) غضنفر حبیب اللہ ، پروفیسر — اردو نامہ شمارہ (۲۲) ۱۹۶۵ء

(۲۱) غلام مصطفیٰ خاں ، ڈاکٹر — جامع القواعد (حصہ نحو) مطبوعہ مرکزی اردو بورڈ لاہور ، ۱۹۷۳ء

(۲۲) غلام رسول —
(۱) اردو املا ، مطبوعہ حیدر آباد دکن ، ۱۹۶۰ء
(۲) اردو نامہ شمارہ (۶) ۱۹۶۰ء
(۳) اوقاف ، قومی زبان جون ۱۹۷۴ء

(۲۳) فتح محمد جالندھری — مصباح القاعد ، مطبوعہ دار الادب کراچی ، ۱۳۷۰ھ

(۲۴) فرمان فتح پوری ، ڈاکٹر	تدریس اردو مطبوعہ کے مکتبہ جامعہ علیہ کراچی ۱۹۷۳ء طبع دوئم
(۲۵) قدرت نقوی	اردو املا غیر مطبوعہ مضمون مرقومہ ۱۹۷۳ء
(۲۶) گلچین کرنالی ، حکیم	آداب اردو مطبوعہ اردو مشن ملتان ، ۱۹۶۶ء
(۲۷) مختار احمد ، سید اور مولانا ذہین	الاغلاط ، مطبوعہ مکتبہ ابراہیمیہ حیدر آباد دکن
(۲۸) وارث سرہندی	اردو نامہ شمارہ (۲۰) ۱۹۶۵ء
(۲۹) ہارون خاں شروانی	رسالہ اردو اکتوبر ۱۹۲۳ء
(۳۰) وحید الدین سلیم	وضع اصطلاحات ، مطبوعہ انجمن ترقی اردو کراچی ، ۱۹۵۴ء

(اردو نامہ کراچی شمارہ ۵۰)